www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر محمود الحسن عارف☆

پانی پت میں علم القراءات

'علم تجوید وقراءات' پاکستان میں چار سلسلہ ہائے سند سے منتقل ہوا ہے، جن میں خصوصاً پانی پت کے مشائخ قراءات (شیخ القراء قاری محی الاسلام عثمانی پانی پتی، شیخ القراء قاری فتح محمد اعمی، شیخ القراء قاری رحیم بخش، شیخ القراء قاری طاہر رحیمی وغیرہ) نے جس طرح تدریس وتحریر کے ذریعے اُردو طبقہ میں اس علم کو منتقل کیا وہ پاکستان کی علمی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ماہنامہ رُشد کے صفحات میں اس سے قبل مختلف فقہی مکاتب فکر میں تجوید وقراءات کی نمائندہ شخصیات کا تعارف پیش کیا جاچکا ہے۔ پانی پتی سلسلہ تجوید وقراءات اگرچہ علیحدہ سے کوئی مستقل فقہی مکتب فکر نہیں لیکن ان کی جلیل القدر خدمات کی بنیاد پر ماضی بعید سے ہی ان کا ایک منفرد اور مستقل مقام موجود ہے۔ ڈاکٹر محمود الحسن عارف نے انہی امور کے پیش نظر مشائخ پانی پت کی خدمات تجوید وقراءات کو زیرنظر مضمون میں موضوع بحث بنایا ہے۔ ان کا یہ مضمون اس سے قبل ماہنامہ الحسن، لاہور میں شائع ہو چکا ہے، جسے معمولی قطع وبرید کے بعد دوبارہ رُشد کے صفحات کی زینت بنایا جارہا ہے۔

اس سلسلہ کے مشائخ قراءات کی خدماتِ جلیلہ کو موضوع بحث بناتے ہوئے ڈاکٹر قاری محمد طاہر، مدیر ماہنامہ التّجوید نے بھی 'پاکستان میں عصری اور پانی پتی مکتبہ فکر ...... ایک تعارف' کے عنوان سے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ 'پاکستان میں علم تجوید وقراءات ...... ماضی، حال، مستقبل' سے انتخاب فرما کر ہمیں ایک مضمون ارسال فرمایا تھا لیکن مجلّہ کی ضخامت کے پیش نظر ہم اسے شائع نہیں کررہے۔ شائقین اس مضمون کو ادارہ کی ویب سائٹ www.Kitabosunnat.com پر مطالعہ کرسکتے ہیں۔ [ادارہ]

اِسلام دین رحمت ہے، یہ دین جہاں جہاں پہنچا، وہاں وہاں علم وفکر کی روشنی اور اَبدی مسرتوں کا پیغام بھی ساتھ گیا اور دُکھوں اور پریشانیوں میں مبتلا اِنسانیت نے سکھ کا سانس لیا:

اللہ اے حسن دوست کی آئینہ داریاں — اہل نظر کو نقش بہ دیوار کر دیا
(جوش)

علم وفکر اور عقل ودانش کی یہی رُوشنی ہندوستان میں بھی پہنچی اور اس کی تابانیوں سے مندروں اور جہالتوں کی اس سرزمین کے سارے گوشے جگمگا اُٹھے اور ایک ایک قریہ اِس کے جلووں سے دمکنے لگا۔ آج ہماری گفتگو کا موضوع اور محور پانی پت یعنی سرزمین ہند کا ایک اَیسا قریہ ہے، جو قرآن کریم کی تعلیم وتدریس کے سبب، دنیائے علم ودانش کا چندے آفتاب وچندے ماہتاب بنا اور اس مادرِ علمی کے سلسلے میں نکلنے والے فرزند دنیا بھر میں تعلیم وتدریس قرآن کی

☆ صدر شعبہ اُردو دائرۃ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خدمت میں جریدہ عالم پر اپنی بقا کی تحریریں ثبت کر رہے ہیں یعنی:

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تاریخ ہند میں جو بھی خوفناک جنگیں لڑی گئیں، اُن کا مرکز بھی یہی شہر اور اس کا مضافاتی علاقہ رہا۔ بھارت کی تاریخ قدیم کی سب سے خوفناک جنگ کوروں اور پانڈوں کی لڑائی ہے جو اسی کے آس پاس کے میدانوں میں لڑی گئی......جس میں لاکھوں انسان تہہ تیغ ہوئے۔ مسلم عہد میں چھوٹی موٹی کئی جنگوں کے علاوہ سلطان ابراہیم لودھی اور سلطان ظہیر الدین بابر کے مابین ۱۰۲۶/۹۳۴ء میں گھمسان کا معرکہ اسی میدان میں لڑا گیا۔ جس نے اگلی تین صدیوں تک کے لئے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ مغلوں کے حق میں لکھ دیا۔ [محمد میاں: پانی پت اور بزرگان پانی: ۳،۴]

سلطان جلال الدین اکبر کے عہد حکومت میں (۱۵۵۶/۹۶۴ء) ایک بار پھر، یہیں بساط جنگ بچھی، اس بار مغلیہ تاجدار کے بالمقابل نامور ہندو جرنیل ہیمو بقال تھا۔ اِس مرتبہ بھی پانی پت کی سرزمین نے جلال الدین اکبر کے حق میں عزت واقتدار کا اور ہیمو بقال کے حق میں ذِلت وشکست کا فیصلہ لکھا۔ اس جنگ میں بھی یہ سرزمین لاکھوں اِنسانوں کے خون سے سیراب ہوئی۔

تیسری بار یہ سرزمین اِس وقت شہیدوں اور مقتولوں کے لہو سے لالہ زار بنی جب ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء میں پانی پت کی آخری، مگر سب سے خوفناک جنگ لڑی گئی، جس میں مردِ مجاہد احمد شاہ اَبدالی کے مدمقابل مرہٹہ کا ٹڈی دل تھا...... اس جنگ میں بھی، میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ [محمود الحسن عارف، تذکرہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پت]

تعلیم وتدریس قرآن کے مراکز

ان مادی اور گوشت پرست کی معرکہ آرائیوں کے ساتھ ساتھ، پانی پت کے انہی میدانوں میں شیطانی اور طاغوتی قوتوں کے خلاف بھی معرکہ آرائیاں جاری رہیں۔ جن کا سلسلہ اُسی وقت شروع ہوگیا جب پانچویں صدی ہجری / گیارہویں صدی عیسوی میں کئی مسلم خاندانوں کے قافلے اس سرزمین پر اُترے اور انہوں نے اس شہر کی آب وہوا کو موافق پاکر، یہاں ڈیرے ڈال دیئے۔ جن کا سلسلہ اب تک جاری رہا۔

یوں تو اس مردم خیز شہر سے شاہ بوعلی قلندر (م۷۲۴/۱۳۲۳ء)، شیخ شمس الدین ترک شاہ ولایت (م۷۱۵/۱۳۱۵ء) مخدوم الہند، شیخ جلال الدین میر الاولیا عثمانی جیسے شہرۂ آفاق صوفی، قاضی، محمد ثناء اللہ پانی پتی (م۱۲۲۵ھ، ۱۸۱۰ء) اور قاری عبد الرحمان انصاری پانی پتی جیسے محدث، علامہ اَلطاف حسین حالی اور نواب شاکر الدولہ جیسے اَدیب اور عبد الرحمٰن کازردنی اور نواب لطف اللہ صادق تیمور جنگ سے مجاہد اور غازی پیدا ہوئے، لیکن اس کی شہرت کو چار چاند قراء اور حفاظ کی اس جماعت نے لگائے، جنہوں نے اس شہر میں تعلیم وتدریس قرآن کی ایک نئی روایت کی طرح ڈالی اور اس کو اکناف واقصائے عالم تک پہنچایا۔

فن تجوید وقرآن کی اِبتداء

یوں تو مسلمان جب سے، اس شہر میں وارد ہوئے (پانچویں صدی ہجری / گیارہویں صدی عیسوی) اسی وقت سے یہ شہر علم وعرفان کا مرکز رہا، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی جب پیدا (۱۱۴۳ھ/۱۷۴۰ء) ہوئے، تو اسی شہر نے انہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابتدائی تعلیم وتربیت مہیا کی۔[ایضاً]

شعبان ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں جب حکیم عبدالحی مرحوم نے پانی پت کا سفر کیا تو وہاں ۱۱۴/مساجد، آٹھ سے زیادہ حفاظ اور تدریس قراءات کے متعدد مدرسے موجود تھے۔[حکیم عبدالحی، دہلی اور اس کے اطراف:۵۸]

پھر کر نگاہ چار سو ٹھہری اسی کے رو برو اسی نے تو میری چشم کو قبلہ نما بنا دیا

یہاں تدریس قرآن کے حوالے سے جو ایک تحریک پیدا ہوئی اسے اپنے اَثرات کے اِعتبار سے پانچ اَدوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔تفصیل اس طرح ہے۔

دورِاوّل ......دورِتاسیس

قاری مصلح الدین عباسی پانی پت میں اس رِوایت کے موسس ہونے کا شرف رکھتے ہیں، انہیں یہ منزل مدینہ منورہ سے ملی، قاری عباسی صاحب مدینہ منورہ کیسے پہنچے؟ اس کا سبب محض ایک اتفاق ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدین پہنچنے کے واقعے سے بڑی مماثلت رکھتا ہے۔ اور اگر دنیا کی علمی، سیاسی اور معاشی تاریخ پر نظر ڈالی جائے، تو اکثر وبیشتر، اتفاقی حوادث ہی بڑے بڑے واقعات کا پیش خیمہ ثابت ہوئے ہیں۔

قاری صاحب کے زمانے میں پانی پت میں شب معراج کے موقع پر آتش بازی کے مقابلے ہوتے تھے، قاری مصلح الدین عباسی بھی آتش بازی کے اِن مقابلوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ایک بار اَیسا ہوا کہ ان کے ہاتھ سے ایک شخص مہلک طور پر زخمی ہو گیا۔قاری صاحب اس سے اِتنے خائف ہوئے کہ وہ کسی نہ کسی طرح چھپتے چھپاتے حجاز مقدس پہنچ گئے، وہاں ایک نوجوان محمد نسیم رام پوری سے ملاقات ہوئی۔ دونوں نے فیصلہ کیا کہ اس آمد کو بامقصد بنانا چاہیے، چنانچہ انہوں نے شیخ القراء قاری عبیداللہ مدنی سے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔قاری عباسی اگر چہ بچپن میں قرآن حکیم حفظ کر چکے تھے، لیکن فن تجوید وقراءات سے نا آشنا تھے'' الغرض انہوں نے ۱۵/سالوں میں سبقاً پورے قرآن کریم کو قاری عبیداللہ مدنی سے پڑھا۔ پھر جب اپنے مضمون پر حاوی ہو گئے تو وطن واپس لوٹے اور پانی پت میں قرآن کریم کی تعلیم وتدریس شروع کر دی۔ آپ کی تعلیم وتربیت مروّجہ طریقہ سے ہٹ کر تھی، اس لیے آپ سے بہت تھوڑے لوگوں نے فیضان حاصل کیا، جو لوگ آپ سے فیض یاب ہوئے ان میں ان کے بیٹے قاری عبیداللہ المعروف قاری لالہ اور ان کی صاحبزادی فضیلۃ النساء عرف بی بی کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔

آپ کے دوسرے شاگردوں میں حافظ محمد زبیر پانی پتی (۱۱۸۰ھ، ۱۷۶۶۔۱۲۵۷ء، ۱۸۴۱ء) قاری قادر بخش پانی پتی کے چھوٹے بھائی اور قاری عبدالرحمٰن محدث کے والد (پیدائش ۱۱۹۷ھ) حافظ اِکرام اللہ انصاری، پانی پت کے ایک ذی وجاہت زمیندار (م ۱۱۹۹۔۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵ء) قاری احمد اَنصاری پانی پتی (م ۱۲۰۰ھ/۱۲۸۰ء) وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

یہاں ایک دلچسپ واقعہ کا تذکرہ مناسب ہوگا، قاری صاحب کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ قاری مصلح الدین عباسی رحمہ اللہ ایک مرتبہ اپنے صاحبزادے،قاری لالہ کے ہمراہ اپنے دوست قاری محمد نسیم رام پوری سے ملنے کے لئے رامپور گئے۔تو قاری نسیم رام پوری رحمہ اللہ نے پوچھا، اجی حضرت یہ تو فرمایئے کہ مدینہ منورہ سے واپسی کے بعد، پانی پت میں قرآن کی کتنی خدمت کی؟ قاری مصلح الدین رحمہ اللہ نے فرمایا، میں نے اس عرصے میں آپ کے بھتیجے (قاری

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لالہ) اور اس کی بہن (فضیلۃ النساء) اور اس کے علاوہ پانچ سات آدمیوں کو قراءت سکھائی ہے۔ یہ سن کر قاری نسیم بولے، افسوس تو نے اپنی عمر بے کار ضائع کر دی میں تو اس عرصے میں صد لوگوں کو قرآن پڑھا چکا ہوں۔ یہ الفاظ سن کر قاری مصلح الدین رحمہ اللہ خاموش ہو گئے۔

اگلے دن قاری نسیم رام پوری رحمہ اللہ نے رامپور کے معززین کو مدعو کیا۔ جب وہ آ گئے تو اپنے دوست قاری مصلح الدین رحمہ اللہ کا تعارف کرایا۔ ان کے صاحبزادے قاری لالہ سے کہا، برخوردار کوئی رکوع سناؤ، تاکہ تمہارے والد کی محنت کا اندازہ ہو سکے۔ قاری لالہ نے تلاوت شروع کی تو حاضرین پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب وہ تلاوت ختم کر چکے تو قاری نسیم اٹھے، قاری لالہ کو اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا: میرا اب تک یہ خیال تھا کہ میں نے قرآن کی بہت خدمت کی ہے، لیکن اب قاری لالہ کی تلاوت سن کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ قرآن کی اصل خدمت تو قاری مصلح الدین عباسی نے کی ہے، میں نے تو اپنی تمام عمر ضائع کر دی۔ میرے صد شاگردوں میں سے مجھ جیسا پڑھنے والا، ایک بھی نہیں اس کے برعکس، قاری مصلح الدین عباسی رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے، قاری لالہ موسی رحمہ اللہ کو ایسا پڑھایا کہ وہ ہم دونوں پر سبقت لے گیا۔

دوسرا دور......قاری لالہ کی خدمات

قاری مصلح الدین عباسی ...... پانی پتی کی اس روایت کے بانی اور مؤسس ضرور ہیں، لیکن اس روایت اور اس اُسلوب کی اِشاعت کا شرف ان کے صاحبزادے، قاری لالہ رحمہ اللہ کو حاصل ہوا، ان کے والد محترم چونکہ ان کے اُستاد اور مربی بھی تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے اس نوجوان صاحبزادے کی تعلیم و تربیت کچھ اس اَنداز سے کی، کہ وہ آئندہ دور میں شیخ القراء بنے اور ان کی شہرت نے پورے ہندوستان کو متاثر کیا۔

ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ پندرہ برس کی عمر تک رُوزانہ ان کے گلے پر جلوہ باندھا جاتا تھا، اور بیس سال کی عمر تک ان کے لئے ہر قسم کی ترش اَشیاء ممنوع تھیں۔ حتیٰ کہ میٹھے آم بھی، ان کے والد محترم چکھے بغیر ان کو نہ کھانے دیتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے والد محترم نے انہیں کشتی، پٹہ، بنوٹ، تیر اَندازی، گھڑ سواری اور دوسری مردانہ کھیلوں اور جسمانی ریاضتوں کی بھی خوب مشق کروائی۔ (دینی مدارس کے طلبہ اور اَساتذہ کے لئے یہ واقعہ بہت اَہمیت کا حامل ہے۔ اس دور میں اکیلے قاری لالہ ہی نہیں۔ اکثر علماء اور فقہاء مجاہدانہ ریاضتوں کے وصف سے متصف تھے۔ سید اَحمد شہید اور شاہ اِسماعیل شہید قدس سرہ کی جسمانی ریاضتوں کے واقعات سے کون نابلد ہے۔ ہمارے دینی مدارس کو اس طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔)

جس کے نتیجے میں ان کی آواز میں اتنا سوز اور اتنی عمدگی پیدا ہو گئی کہ جب وہ تلاوت فرماتے تو در و دیوار پر بھی ایک کیفیت طاری ہو جاتی، انہوں نے ۱۲۶۰ھ کو بھوپال میں انتقال فرمایا۔

تیسرا دور

پانی پتی اَنداز تدریس کے اس دور میں جن بزرگوں نے خدمات اَنجام دیں، ان میں قاری نجیب اللہ عثمانی اَنصاری، قاری قادر بخش انصاری، قاری کبیر الدین، قاری عبدالرحمٰن انصاری محدث پانی پتی اور قاری محمد پانی پتی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاری نجیب اللہ عثمانی رحمہ اللہ شیخ القراء قاری خدا بخش رحمہ اللہ کے نواسے اور حافظہ رحیم النساء رحمہ اللہ کے صاحبزادے تھے، یعنی ان کی والدہ اور ان کے نانا دونوں پانی پت کی اس روایت کے گلِ گلستان تھے۔اس لیے وہ اس روایت کے امین اور وارث بنے۔ اُنہوں نے اس علم کو گود سے سیکھا اور لحد تک جاری رکھا۔ وہ اپنے نانا قاری قادر بخش کی جگہ قلعہ معلیٰ میں جانشین بنے اور دہلی میں ۱۳۱۰ھ میں اِنتقال فرمایا۔

تیسرے دور میں تعلیمی اور تدریسی خدمات اَنجام دینے والوں میں دوسرا نام قاری کبیر الدین رحمہ اللہ کا ہے جو کہ کرنال میں ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں پانی پت آ گئے۔قادر بخش نے جوہر قابل دیکھ کر، ان کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی اور انہیں اپنے ساتھ قلعہ معلیٰ لے گئے، انہوں نے بارہ برس مفردات کی مشق کرائی یہی وجہ تھی کہ آپ نے تجوید میں اِمامت کا درجہ اور مقام حاصل کیا اور ۱۳۰۶ھ میں اِنتقال فرمایا۔

اسی دور میں تیسرا نام شیخ القراء مولانا قاری عبد الرحمٰن محدث پانی پتی رحمہ اللہ کا ہے، جو قراءت وتجوید کے امام ہونے کے ساتھ ساتھ علم التفسیر اور علم الحدیث میں بھی مقتدائے عوام وخواص تھے، ان کی پیدائش ۱۲۲۷ھ میں پانی پت میں ہوئی۔ اُنہوں نے نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ تیرہ سال کی عمر میں انہوں نے مولوی رشید الدین خان اور مولانا مملوک علی نانوتوی سے علوم عربیہ، منطق ،فقہ، بیان، اصول اور ریاضت پڑھے اور امام الدین نقشبندی امروہی سے شعبہ قراءات میں باقاعدہ جمع الجمع طریقے سے تلاوت فرماتے، انہیں نحو، قراءات اور تفسیر وغیرہ میں ممتاز درجہ حاصل تھا۔ جب آپ تلاوت فرماتے ،تو سامعین پر عجب محویت طاری ہو جاتی ،آپ کا طرزِ بیاں اس قدر سادہ اور عام فہم تھا کہ دس برس کے بچے بھی مضمون کو آسانی سے سمجھ لیتے تھے۔

علوم اِسلامیہ کی تعلیم وتدریس کے علاوہ نماز مغرب اور عشاء کے درمیان تجوید اور روایت حفص کی تعلیم دیتے، اس طرح اُنہوں نے کم وبیش ساٹھ برس تک درس قرآن کا وعظ فرمایا۔عورتوں کی دینی تعلیم اور شرعی مسائل میں رہنمائی کے لئے مکان کے ایک حصے میں ہر وقت پردہ پڑا رہتا جس کے پیچھے بیٹھ کر عورتیں مسائل دریافت کیا کرتیں۔ مولانا اَلطاف حسین حالی نے ان کے مواعظ کی بڑی تعریف کی ہے۔ (اس مضمون کی تیاری میں خصوصی طور پر اردو ڈائجسٹ میں شائع ہونے والے مضمون قاریوں اور درویشوں کا شہر پانی پت، سے مدد لی گئی ہے۔)

چوتھا دَور

پانی پت رِوایت اور اُسلوب تدریس کا چوتھا دور قیام پاکستان ۱۹۴۷ء تک جاری رہا، اس دور میں پانی پت کی روایت اور وہاں کا اسلوب تدریس، ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں پھیل گیا اور اس اسلوب تدریس اور اَنداز تلاوت کو دوسروں سے متمیز کیا جانے لگا۔ اس دَور میں جن لوگوں نے تدریسی اور تعلیمی خدمات اَنجام دیں ان میں قاری عبد الرحمٰن رحمہ اللہ، مولوی عبد السلام انصاری رحمہ اللہ (م ۱۳۳۶ھ) قاری عبد العلیم انصاری رحمہ اللہ (م ۱۳۳۸ھ/۱۹۹۱ء)، مولانا قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی اور قاری حافظ محمد اسماعیل پانی پتی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

قاری حافظ عبد الرحمٰن اعمٰی رحمہ اللہ ،جنہیں شیخ الفرقان ثانی بھی کہا جاتا ہے، ۱۲۲۰ھ/۱۸۴۶ء میں موضع ماہڑی ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں کسی طرح پانی پت پہنچ گئے۔ ان کی بے چارگی دیکھ کر قاری نجیب اللہ عثمانی نے ان کی سرپرستی کی اور بڑی محنت اور توجہ سے قرآن پڑھایا۔ قاری عبد الرحمان محدث سے قرآن پڑھا اور سبعہ قراءات

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیکھیں۔ اس فن میں مزید مہارت کے لئے عرب کا بھی سفر اختیار کیا۔ انہیں مشہور کتب فنون اس خوبی کے ساتھ یاد تھیں کہ کتاب کا صفحہ او رباب تک بتا دیتے تھے۔ بہت سی کتابوں کا ذخیرہ ان کے پاس جمع رہتا تھا۔ انہوں نے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں ۶۵ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔

اس دور کے بڑے قاری مولوی عبد السلام انصاری رحمہ اللہ ہیں جو قاری عبد الرحمان محدث کے تیسرے صاحبزادے تھے ۱۲۷۴ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء میں انتقال فرمایا۔ اپنے والد محترم قاری عبد الرحمان محدث کے شاگرد اور ان کے جانشین تھے۔ بہت سے لوگوں کو اپنا علمی فیضان منتقل کیا۔

اس دور کا تیسرا نام قاری عبد الحلیم انصاری رحمہ اللہ کا ہے، ولادت ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۷۶ء میں اور وفات نواح ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء میں ہوئی۔ دس برس کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔ قراءت وتجوید میں مہارت تامہ حاصل کر کے دہلی کے حکیم حاذق الملک حکیم اجمل خان سے طب سیکھی۔ صبح کو مطب کرتے اور پھر سارا دن طلبہ کو قرآن پڑھاتے۔ اُنہوں نے ۵۴ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

اس دَور کا سب سے معروف اور قابل ذکر نام قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی پانی پتی رحمہ اللہ کا ہے ان کا سلسلہ نسب یہ ہے:

ابو محمد محی الاسلام بن قاضی محمد مفتاح الاسلام بن مولوی محمد بدر الاسلام۔ وہ پانی پت میں (۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء) میں پیدا ہوئے۔

آپ نے قاری عبد الرحمٰن اَعمی سے قرآن حفظ کیا اور کئی علمائے کرام سے تحصیل علم کی۔ ان کی نبی اکرم ﷺ تک سند مکمل طور پر چھپ گئی ہے۔ عمر کے ۷۰/ برس انہوں نے پانی پت میں بسر کیے۔ بعد میں وہ اوکاڑہ میں مقیم ہو گئے، یہیں انہوں نے (۱۳۷۳ھ/۱۹۵۲ء،۱۹۵۳ء) میں اِنتقال فرمایا۔

قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی کی خدمات کی فہرست بہت طویل ہے۔

جن میں قراءتِ عشرہ کی برسہا برس تک تدریس کے علاوہ مشہور تفسیر، تفسیر مظہری کی طباعت، بھی شامل ہے۔ قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی ہی نے اس کا مکمل متن تیار کیا اور اس کی چند جلدیں مکمل کر کے شائع کیں۔ (اس کے حواشی 'خصوصاً' قراءاتِ عشرہ کے اعتبار سے تفسیر پر نظر ثانی اہم کام بھی قاری صاحب نے ہی مکمل کیا۔)

پانچواں دور قیام پاکستان کے بعد کی صورت حال

۱۹۴۷ء میں جب ملک تقسیم ہوا تو پانی پت سے بھی ہزاروں خاندان نقل مکانی کر کے پاکستان آ گئے۔ مہاجرین کے ان قافلوں میں بہت سے پانی پت کی روایت کے اَمین قراء اور حفاظ بھی شامل تھے۔ جنہوں نے یہاں آ کر، اسی اَنداز تدریس اور اسی اُسلوب تلاوت کو اپنایا، چونکہ ان کے دلوں میں خلوص اور عمل میں محنت وکاوش کا جذبہ شامل تھا اسی لیے یہاں آ کر اس تحریک کو بہت پذیرائی ملی۔ اس پذیرائی کے پیچھے سب سے زیادہ ہاتھ قاری فتح محمد اَعمی اور ان کے نامور شاگرد قاری رحیم بخش صاحب ملتانی کا ہے۔ اَوّل الذکر قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی پانی پتی کے شاگرد رشید تھے۔ ان کی ولادت پانی پت کے قریب ایک قصبے میں ہوئی۔ بچپن ہی میں کس عارضے کے سبب ان کی بینائی جاتی رہی، لیکن ان کا حافظہ بے حد قوی تھا۔ وصال سے پہلے وہ مدینہ منورہ چلے گئے تھے اور وہیں ان کا اِنتقال ہوا۔

پاکستان میں اس روایت کی اِشاعت اور اس کی مقبولیت کا سہرا قاری رحیم بخش ملتانی کے سر ہے۔ جن کے ذریعے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ روایت بیرون پاکستان پہنچی۔

برصغیر کے عظیم قراء کا تعارف اور ایمان پرور واقعات

تعارف حضرت قاری فتح محمد رحمہ اللہ

آپ کا اِسم مبارک فتح محمد والد کا نام محمد اسماعیل، دادا کا نام اللہ دیا اور پر دادا کا نام جناب نور محمد ہے۔ والدہ کا اسم گرامی نعمت بی بی ہے۔ وطن مالوف پانی پت ضلع کرنال ہے حضرت کا تعلق آرائیں برادری اور خاندان سے ہے۔

وِلادت

۱۱ر یا ۱۲ر ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ بمطابق ۳۱ر جنوری ۱۹۰۴ء میں اپنے وطن پانی پت کے محلّہ راعیاں عرف اَرائیاں چوڑا کنواں پنچ بستی میں پیدا ہوئے۔ اَبھی ڈیڑھ سال کی عمر ہوئی تھی کہ چیچک نکلنے کے سبب قضاء الٰہی سے نابینا ہو گئے۔ اور حدیث «مَنْ أَذْهَبْتُ كَرِيمَتَيْهِ ثُمَّ صَبَرَ وَاحْتَسَبَ كَانَ ثَوَابُهُ الْجَنَّةَ» [مسند احمد:۱۴۰۵۳] جو شخص اپنی پیاری آنکھوں کی آزمائش میں ڈالا گیا پھر اس نے صبر کیا اور ثواب کی نیت کی اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے، کی بشارت کا مستحق قرار پائے۔

حیران کن حافظہ

حضرت موصوف نے اپنے بے نظیر حافظہ اور عطیہ خداوندی سے قرآن مجید اور قراءاتِ سبعہ اور عشرہ کی خدمت واِشاعت کا کام بہت خوب لیا۔ چنانچہ حضرت والا نے بچپن ہی میں حفظ قرآن میں اَیسا کمال حاصل کرلیا تھا کہ اگر کوئی صاحب سوال کرتے کہ بتائیں پورے قرآن مجید میں کل رکوعات کتنے ہیں کل سورتیں کتنی ہیں فلاں حرف قرآن میں کتنی جگہ آیا ہے فلاں متشابہ کتنی جگہ آیا ہے تو آپ فوراً جواب دیتے جس سے سائل حیران رہ جاتا۔ اسی طرح اگر کوئی آپ سے کسی سورۃ، پارہ یا اور رکوع کو اس کے آخری طرف سے سننا چاہتا تو آپ اِس طرح سنا دیتے کہ سب سے پہلے رکوع یا سورۃ کی آخری آیت پڑھتے پھر اس سے اوپر والی پھر اس سے اوپر والی اسی طرح رکوع اور سورۃ کی شروع والی آیت تک پڑھتے اور پڑھنے میں و لا والی اور بغیر و لا والی، تمام آیات کی ترتیب کا پورا لحاظ رکھتے غرض یہ کہ جس طرح کسی رکوع یا سورۃ کو شروع کی طرف سے بلا تکلف پڑھتے تھے اسی طرح آخر کی طرف سے پڑھنے میں بھی آپ کوئی مشکل پیش نہ آتی، بعد میں آپ کو شیخ قاری شیر محمد خان رحمہ اللہ نے اس طرح پڑھنے سے منع فرما دیا تھا۔

تجوید وقراءات میں آپ کا مقام ومرتبہ

۱۳۶۵ھ میں پہلے حج کے موقع پر مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں شیخ القراء مدینہ حضرت الشیخ مولانا قاری محمد حسن الشاعر مصری ثم المدنی سے مسائل قراءات پر گفتگو ہوتی رہی حضرت والا نے آپ کے تمام سوالات کے محققانہ، تشفی بخش اور اَفادی جوابات عنائت فرمائے اور خوب مذاکرہ وتکرار ہوتا رہا۔ حضرت شیخ القراء محمد حسن الشاعر نے آپ کو خلوص وتبحر علمی کے سبب 'شیخ الوقت' کا لقب دیا اور قراءات کی سند بھی عطا فرمائی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فنائیت فی القرآن تادب بالقرآن

حضرت قاری فتح محمد صاحب کو قرآن مجید کے ساتھ انتہائی درجہ محبت تھی، آپ فنا فی القرآن تھے، قرآن کریم آپ کے رگ و ریشہ میں رچا بسا ہوا اور آپ کی روحانی غذا تھا۔

اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ قاری عبدالمالک صاحب، جو حضرت کے شاگردوں میں سے ہیں، کہتے ہیں کہ میں جب چھوٹا تھا قاری عباس بخاری صاحب کے پاس مدینہ منورہ میں پڑھا کرتا تھا، اس وقت قاری عباس کا حضرت سے تعارف نہیں تھا۔ قاری عباس مسجد نبوی میں آئے حضرت کو بیٹھے دیکھ کر فرمایا یہ کون صاحب ہیں جن سے قرآن کی خوشبو مہک رہی ہے۔ اللہ اکبر۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا قاری اِرشاد احمد گنگیروی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت اَقدس رو رہے تھے اور کافی دیر تک روتے رہے۔ میں نے عرض کیا: حضرت اتنا کیوں رو رہے ہیں؟ اِرشاد فرمایا:

''اپنی محرومی پر رو رہا ہوں کیونکہ فالج کی وجہ سے قرآن پڑھنا دشوار ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قرآن مجید سے ایسی محبت نصیب فرما دیں۔'' (آمین)

حضور اکرمﷺ کی اُمت میں بہت کثرت سے اَیسے اَفراد ہوئے ہیں جو کتاب اللہ کا بے حد ادب کرتے تھے۔ حضرت عکرمہ: قرآن مجید کی تلاوت انتہائی ادب واحترام سے کرتے اور بار بار کہتے: ''هٰذا کلام ربي''

اسی طرح قاری فتح محمد صاحب بھی کلام الٰہی کا بے حد ادب فرماتے تھے ایک دفعہ آپ روزہ سے تھے، آپ کے لئے چائے لائی گئی، آپ نے افطاری کے وقت ایک پیالی پی لی اور باقی تھرماس میں چھوڑ دی۔ نماز مغرب کے آپ سے دوست واحباب ملنے لگے۔ آپ نے فرمایا چائے لاؤ تو تھوڑی سی آپ نے پی اور باقی حاضرین میں تقسیم کرنے کا کہا اس وقت حاضرین کی تعداد تقریباً سات تھی۔ جن میں مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ بھی تھے، آپ نے فرمایا ایک طرف سے پلانا شروع کردیں، چنانچہ چائے کا دور شروع ہوا اسی دوران میں کسی نے قرآن مجید سننے کی فرمائش کر دی تو حضرت والا نے فوراً تلاوت شروع فرما دی، چائے کا دور بھی بدستور جاری رہا۔ حضرت والا نے تلاوت ختم فرمانے کے بعد پوچھا ''کیا جس وقت میں پڑھ رہا تھا آپ حضرات نے چائے کا دور جاری رکھا ہوا تھا۔'' حاضرین میں سے کسی نے کہا جی ہاں چائے کا دور چلتا رہا۔ اس پر آپ سخت ناراض ہوئے کہ آپ لوگوں کو قرآن مجید کا ادب ملحوظ نہیں اور فرمایا جب قرآن مجید کی تلاوت ہو تو ہمہ تن تلاوت کے سننے میں مصروف رہنا چاہیے لیکن آپ لوگ تو چائے پینے میں مصروف رہے ہیں۔ [از مقالہ دینیہ]

مجدد القراءت، جزریٔ وقت مولانا قاری رحیم بخش رحمہ اللہ

ولادت ۱۳۴۱ھ وفات ۱۲/ ذوالحجہ بمطابق ۳۰/ستمبر ۱۹۸۲ عیسوی اللہ پاک نے آپ کی ذات سے اتنا کام لیا جو ایک بڑی جماعت بھی نہیں کرسکتی۔

ولادت

آپ کا نام رحیم بخش، جس کو بعد میں حضرت والد رحمہ اللہ نے عطاء الرحیم سے بدل دیا۔ وَالد گرامی کا نام چوہدری فتح محمد اور دادا کا نام حافظ رحم علی ہے۔ آپ کے دادا موصوف کا ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے کنویں پر سویا کرتے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے اور رات کو سوتے وقت قرآن پاک کی تلاوت فرماتے رہتے تھے۔ کئی بار چور بیل وغیرہ چوری کرنے کے لئے آئے۔ مگر جب حافظ جی رحمہ اللہ کو تلاوتِ قرآن کرتے سنتے تو لوٹ جاتے۔ کہ حافظ صاحب تو جاگ رہے ہیں۔ کئی دن ایسے گزر گئے تو ایک روز چور دن کے وقت حافظ جی کے پاس آئے اور کہا حافظ جی ساری رات قرآن پڑھتے رہتے ہیں سوتے نہیں ہیں۔ آخر آپ کس وقت سوتے ہیں حافظ جی نے پوچھا آخر بات کیا ہے کہنے لگے ہم کئی دفعہ چوری کرنے آئے مگر آپ کو بیدار پاکر باز رہتے رہے۔ حافظ رحیم علی رحمہ اللہ فرمانے لگے کہ اب تک تو میں سویا کرتا تھا اور سونے ہی کی حالت میں تلاوت کیا کرتا تھا۔ البتہ اب اَصل واقعہ معلوم ہو جانے کے بعد نہیں سویا کروں گا اور جاگتا رہا کروں گا۔ حضرت قاری رحمہ اللہ کی ولادت پانی پت ضلع کرنال (ہندوستان) محلّہ چوڑا کنواں ماہ رجب ۱۳۴۱ھ میں ہوئی۔ آپ کی عمر ابھی تین سال کی ہوئی تھی کہ والد کا سایہ اُٹھ گیا۔ آپ کی تعلیم آپ کی والدہ صاحبہ کی کوشش سے ہوئی۔ نیز آپ کے برادرِ بزرگ قاری حافظ محمد اسماعیل رحمہ اللہ نے بھی آپ کی بچپن میں کفالت فرمائی۔

حضرت قاری رحیم بخش رحمہ اللہ کی بے لوثی اور اخلاص

ایک مرتبہ حکیم اَمیر علی قریشی المدنی حضرت والا کے پاس آئے اور بطور ہدیہ کچھ خوبانیاں پیش کیں۔ حضرت والا نے فرمایا جو بچہ میرے پاس تعلیم حاصل کر رہا ہو میں اس بچہ یا اس کے والد کا ہدیہ قبول نہیں کیا کرتا۔ حکیم صاحب نے بہت اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا میں اپنے اُصولوں کو نہیں توڑ سکتا، جس وقت چھٹی ہو جائے آپ خود دروازہ پر کھڑے ہو جانا اور جس کو پسند کریں دے دینا۔ اس واقعہ سے آپ کا بے لوث ہونا اور محض اللہ کی رضا کے لئے دین وقرآن کی خدمت کرنا ثابت ہوتا ہے آپ کسی شاگرد سے جبکہ وہ تعلیم حاصل کر رہا ہوتا ہرگز ہدیہ نہ لیتے تھے فراغت کے بعد اگر وہ طلب صادق کے ساتھ دیتا تو قبول کر لیتے۔

رشد تفہیم ایڈیشن

طلبا جامعہ لاہور کی تحریری صلاحیتوں کو نکھارنے کی غرض سے ادارہ نے ایک سال قبل 'رشد تفہیم ایڈیشن' کا اجراء کیا تھا جو مسلسل جد وجہد سے علمی ارتقا کی جانب بڑھ رہا ہے۔ دن بدن طلبا کی علمی، فکری اور تحریری صلاحیتیں پروان چڑھ رہی ہیں۔ مجلّہ کے منتظمین اس کے علمی معیار اور طلباء کو شوق دلانے کے سلسلے میں خاصی محنت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ قبول فرمائے اور مجلّہ کے مقاصد کو پورا فرمائے۔ [ادارہ]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِفادات: حافظ عبدالرحمٰن مدنی☆
جمع وترتیب: قاری فہد اللہ مراد*

سبعہ أحرف ...... تنقیحات وتوضیحات

سبعہ أحرف سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں قبل ازیں ہم قراءات نمبر کی دو خصوصی اشاعتوں میں نو مضامین شائع کر چکے ہیں، جبکہ شمارہ ہذا میں اس موضوع پر تین مزید مضامین شامل ہیں جن میں سے یہ مضمون پہلے شائع ہونے والے تمام مضامین کی مباحث کو سمیٹتے ہوئے ادارہ کلیۃ القرآن کے ذمہ داران کی آراء کا خلاصہ ہے۔
جو لوگ عملی میدان میں تجوید وقراءات کے فن سے وابستہ ہیں ان کے ہاں یہ بحث زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ کہ وہ اسے محض ایک نظری بحث سمجھتے ہیں، جبکہ عملی پہلو سے تعدد قراءات یا اسالیبِ تلاوت کا تنوع عہد نبوت (نزول) سے لے کر سلف سے خلف تک ہمیشہ اُمت میں حقیقتاً موجود رہا ہے۔ بحث صرف اس قدر ہے کہ واقعتاً جس تنوعِ تلاوت کو سب مانتے ہیں، اس کی زیادہ بہتر توجیہ وتعبیر کیا ہے؟ خیر القرون (صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ) کے دور میں یہ بحث سرے سے موجود ہی نہ تھی کیونکہ ان کے زمانوں میں یہ سب کچھ عرف وعمل میں موجود تھا۔ علوم کی باقاعدہ تدوین کا مرحلہ بعد میں پیش آیا۔ اس طرح واقعے میں موجود عملی اختلاف کو اصطلاحاتی زبان میں کس طرح بیان کیا جائے کہ وہ مسئلہ کی مناسب تعبیر بن جائے، بحث کا بنیادی نکتہ صرف اس قدر ہے۔ واضح رہے کہ اس قسم کی بحثیں تمام شرعی علوم وفنون میں موجود ہیں، یہی وجہ ہے کہ اہل علم نظریات اور ان کی تعبیرات کے ایسے فنی اختلاف کو ہمیشہ لفظی شمار کرتے ہیں۔
اس مرکزی نکتہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے سبعہ أحرف کی بحث کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیگر تمام علمی آراء کی طرح سبعہ أحرف کے ضمن میں پیش کردہ ادارہ کی یہ رائے بھی بہرحال ایک رائے ہی ہے جس سے اختلاف کا اہل نظر کو حق حاصل ہے۔ ہم اہل علم سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ مسئلہ کی اسی نوعیت کو سامنے رکھتے ہوئے اس بحث کو دیکھیں اور جن تعبیرات کو وہ اس بحث میں تشنہ محسوس کرتے ہیں ان کے حوالے سے اپنی نگارشات ہمیں ارسال کریں۔ رُشد کے صفحات ایسے تبصرے کیلئے حاضر ہیں۔ [ادارہ]

انسانیت پر اللہ رب العزت کے لطف وکرم کی برکھا اِبتدائے آفرینش سے موسلا دھار اور لگاتار برس رہی ہے۔ خصوصاً خدا تعالیٰ نے اُمت محمدیہ ﷺ پر تو اپنے فیضان ربوبیت کے وہ کرشمے ظاہر فرمائے ہیں کہ صرف اس میں کسی

☆ سرپرست اعلیٰ ماہنامہ رُشد ورئیس جامعہ لاہور الاسلامیہ ومجلس التحقیق الاسلامی
* فاضل کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ ورکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان کی پیدائش ہی دوسری امتوں کے افراد کے مقابلہ میں بے شمار رفعتوں اور لاتعداد رحمتوں کا مستحق بنا دیتی ہے۔

ان انعامات الٰہیہ میں سے سب سے بڑا انعام قرآن کریم ہے کہ جس کی تابش وضو سے چہار دانگ عالم کا ذرہ ذرہ چمک دمک رہا ہے۔ قرآن کریم اُسی حسن و جمال کے ساتھ چودہ سو سال سے مسلسل اہل ایمان کو حلاوت ایمان، صاحبان فکر و دانش کو ذکاوت اذہان اور گم کردان راہ حق کو ہدایت کا سامان فراہم کر رہا ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ جس کے کمالات لامتناہی، جس کے عجائبات نہ ختم ہونے والے، جس کی تلاوت اس کے حسن کو دوبالا کرے، علماء کبھی بھی اس سے سیر نہ ہوں، جس نے اسے تکبر اور نخوت کی وجہ سے ترک کر دیا اللہ نے اس کو پاش پاش کر دیا اور جو اس کے علاوہ ہدایت کا متلاشی ہو اللہ نے اُسے راہِ ضلالت پر ڈال دیا۔ یہ دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس کا حرف حرف، نقطہ نقطہ اور ہر ایک لہجہ اور طریق بالکل ویسے ہی محفوظ ہے جس طرح آپ پر نازل ہوا اور آپ ﷺ نے اپنے حُب داروں اور غم خواروں کو پڑھایا۔ اگرچہ بعض عقل و خرد سے عاری، فہم فراست سے بیگانہ افراد حروف قرآن کریم کی صحت وثبوت کو مشکوک کرنے کے درپے ہیں لیکن باری تعالیٰ نے بھی یہ طے کر دیا:

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ [الصف:۸]

علوم قرآن کے معرکۃ الآراء موضوعات میں سے ایک اہم موضوع حدیث: ’’أنزل القرآن علی سبعة أحرف‘‘ کے مفہوم کا ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اس کے بارے میں سلف کے نکتہ ہائے نظر اور ان کا تجزیہ مع الدلائل پیش کرنے کے ساتھ ساتھ راجح موقف کی نشاندہی کریں گے۔

اس سے پہلے کہ ہم علمی بحث شروع کریں قارئین ایک بات ذہن نشین کرلیں کہ حدیث سبعہ اَحرف کا ثبوت قراءات کے مسئلہ سے ایک اضافی تعلق ہے، کیونکہ ثبوت قراءات کے لیے دیگر وہ بیسیوں روایات نبی اکرم ﷺ سے منقول ہیں کہ جن میں آپ ﷺ سے مختلف حروف کے موافق قرآن پڑھنا ثابت ہے جو کہ قراءت النبی ﷺ کے نام سے معروف ہیں۔ علاوہ ازیں تمام قراءات کی اسناد بالکل علیحدہ سے تواتر کے ساتھ بالکل اسی طرح نبی کریم ﷺ تک پہنچتی ہیں جس طرح اخبار آحاد ومتواترہ کی اسناد آپ ﷺ تک پہنچتی ہیں۔ سبعہ اَحرف کی حدیث کی توضیح وتشریح یہ خالصتاً ایک علمی اور تحقیقی مسئلہ ہے جس سے کسی کج فہم کو بہرحال یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہیے کہ آراء میں اختلاف سے ثبوت قراءات کا مسئلہ بھی مشکوک ہو جاتا ہے، بلکہ وہ ہر حال میں ثابت ہیں۔

وہ تمام ائمہ جو سبعہ اَحرف کی تفہیم کے سلسلہ میں کسی بھی مؤقف کے حامل ہیں، قراءاتِ عشرہ کو قرآن اور حجت تسلیم کرتے ہیں۔ الحمد للہ ہمارا بھی ان کے قرآن ہونے پر مکمل یقین واطمینان ہے اور ان کے منکر کو منکر قرآن ہونے کی وجہ سے خارج عن الملۃ سمجھتے ہیں۔

تحقیق تو اس بات کی متقاضی ہے کہ سبعہ اَحرف کے سلسلہ میں وارد جمیع نصوص اختلاف الفاظ کیساتھ ذکر کی جائیں، لیکن کیونکہ قراءات نمبر حصہ دوم میں وہ تفصیلاً مذکور ہیں اس لیے بغرض اختصار ہم عمداً ان کو ترک کر رہے ہیں۔ البتہ دلائل میں اور اَخذ نکات کے سلسلے میں انہیں موقع بہ موقع ذکر کریں گے۔

اُمت میں سبعہ اَحرف کی تشریح کے بارے اگرچہ کافی آراء پائی جاتیں ہیں جنہیں اِمام زرکشی رحمہ اللہ نے البرھان میں پینتیس(۳۵) اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان میں چالیس(۴۰) تک شمار کیا ہے، لیکن ان میں اکثر ایسے ہیں جن کا حدیث

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سبعہ اَحرف سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ ہم صرف ان اَقوال کو ذکر کریں گے جنہیں سلف نے سبعہ اَحرف کی تشریح میں درست تسلیم کیا ہے اور بعض اَسباب اور دلائل کی بنیاد پر راجح قرار دیا ہے۔

حدیث «أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَةِ أَحْرُفٍ» کی تشریح میں سلف وخلف نے درج ذیل چار اَقوال کو ترجیحاً اختیار کیا ہے:

① سبعہ احرف بمعنی سبعہ وجوہ
② سبعہ احرف بمعنی أوجه مقروءة لا تزيد عن السبع
③ سبعہ احرف بمعنی سبع لغات مختلفة الألفاظ متفقة المعاني أي المترادفات
④ سبعہ احرف بمعنی سبع لغات متفرقة في القران

ذیل میں ہم ان کو تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

قول اوّل

سبعہ اَحرف بمعنی سبعہ وجوہ

اس قول کے قائلین میں امام مالک رحمہ اللہ، ابن قتیبہ الدینوری رحمہ اللہ، امام ابوبکر الباقلانی رحمہ اللہ، امام ابن الجزری رحمہ اللہ، عبدالعظیم الزرقانی رحمہ اللہ، محمد علی الصابونی رحمہ اللہ وغیرہم کے نام شامل ہیں۔

مذکورہ قول کے قائلین اس بات پر متفق ہیں کہ سبعہ اَحرف سے مرادسبعہ وجوہ ہیں لیکن ان کے تعین میں اختلاف ہے۔

اِمام مالک بن انس رحمہ اللہ

علامہ نظام الدین قمی نیشاپوری اپنی تفسیر غرائب القرآن میں امام مالک رحمہ اللہ کے حوالہ سے سبعہ اَحرف کی درج ذیل تشریح نقل کرتے ہیں:

① مفرد اور جمع کا اختلاف: یعنی ایک قراءۃ میں صیغہ مفرد ہو اور دوسری میں جمع، جیسے وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّكَ اور وَتَمَّتْ کَلِمٰتُ رَبِّكَ
② تذکیر تانیث کا اختلاف: جیسے لَا یُقْبَلُ اور لَا تُقْبَلُ
③ وجوہ اعراب کا اختلاف: جیسے هَلْ مِنْ خٰلِقٍ غَیْرُ اللهِ اور غَیْرِ اللهِ
④ صرفی ہیئت کا اختلاف: جیسے یَعْرِشُوْنَ اور یُعَرِّشُوْنَ
⑤ اَدوات (حروف نحویہ) کا اختلاف: جیسے وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِیْنَ اور وَلٰکِنِ الشَّیٰطِیْنُ
⑥ لفظ کا ایسا اختلاف جس سے حروف بدل جائیں جیسے نُنْشِزُھَا اور نَنْشُرُھَا .
⑦ لہجوں کا اختلاف: جیسے تخفیف، تفخیم، اِمالہ، مد، قصر، اِظہار اور ادغام وغیرہ

ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وقد تدبرت وجوه الاختلاف في القراءات فوجدتها سبعة أوجه.“

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”میں نے قراءات کے اختلاف میں غوروفکر کیا تو میں نے سات وجوہ پائیں۔“

اوّل: کلمہ کے اِعراب کا اختلاف

یعنی حرکات کی ایسی تبدیلی جس سے صورت لفظ نہ بدلے۔ جیسے ”وَهَلْ نُجَازِيْ إِلاَّ الْكَفُوْرَ، وَهَلْ يُجَازىٰ إِلَّا الْكَفُوْرُ.“

الثانی

کلمہ کے اعراب کی ایسی تبدیلی جس سے صورت کلمہ تو نہ بدلے البتہ معنی میں تغیر واقع ہوجائے۔ جیسے: ”رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا“، ”رَبُّنَا بٰعَدَ بَيْنَ أَسْفَارِنَا.“

الثالث

کلمہ کے حروف میں ایسی تبدیلی جس سے صورت کلمہ اور اعراب تو نہ بدلے معنی بدل جائے۔ ” نُنْشِزُهَا یا نَنْشُرُهَا.“

الرابع

کلمہ میں ایسا اختلاف جس سے صورت کلمہ بدل جائے لیکن معنی میں تبدیلی واقع نہ ہو۔ جیسے ”كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ اور كالصوف المنفوش“

الخامس

کلمہ کا ایسا اختلاف جس سے معنی اور صورت کلمہ دونوں تبدیل ہوجائیں جیسے ”وَطَلْعٍ مَّنْضُوْدٍ اور وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ.“

السادس

تقدیم وتاخیر کا اختلاف جیسے ” وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ اور سكرة الحق بالموت.“

السابع

نقص و زیادت کا اختلاف ہو، جیسے ”وَمَا عَمِلَتْ أَيْدِيْهِمْ اور وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيْهِمْ“، [تاویل مشکل القرآن: ص۳۷، ۳۸]

قاضی ابی بکر ابن الطیب الباقلانی رحمہ اللہ

قاضی ابی بکر الباقلانی رحمہ اللہ نے بھی سبعہ احرف کی وہی تشریح کی ہے جو امام ابن قتیبہ نے فرمائی ہے۔ حتیٰ کہ مثالیں بھی وہی دی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ الباقلانی رحمہ اللہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ کے مؤقف پر ہی ہیں۔

- امام ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ولا زلت استشكل هذا الحديث وافكر فيه وأمعن النظر من نيف وثلاثين سنة حتى فتح الله بما يمكن إن يكون صواباً إن شاء الله و ذلك إني تتبعت القراءات صحيحها و شاذها

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وضعيفها ومنكرها فإذا هو يرجع اختلافها إلى سبعة أوجه من الاختلاف لايخرج عنها“

[النشر:۱/۲۶]

”میں اس حدیث کے مشکل ہونے کی وجہ سے اس پر مسلسل تیس سال تک غوروفکر کرتا رہا اور اس کے صحیح، شاذ، ضعیف اور منکر جمیع طرق کو کھنگالا یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے میرے اوپر کھول دیا کہ اس کی ممکن اور اقرب الی الصواب تشریح کیا ہوسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اختلاف قراءات مندرجہ ذیل سات وجوہ مختلفہ میں منحصر ہے۔“

① حرکات کا ایسا اختلاف جس سے صورت کلمہ اور معنی نہ بدلے جیسے 'البخل' کی وجوہ اَربعہ اور یَحسِب کی دو وجوہ۔

② حرکات کی تبدیلی صرف معنی پر اَثر انداز ہو۔ جیسے 'فتلقی ءادم من ربه كلمٰت'

③ حروف کی تبدیلی جس سے صورت کلمہ سلامت رہے اور معنی بدل جائے۔ جیسے تَبْلُوْا اور تَتْلُوْا

④ حروف کی ایسی تبدیلی کہ صورت کلمہ تو بدل جائے لیکن معنی نہ بدلے، جیسے: ”بصطه اور بسطه السرٰط الصرٰط“

⑤ صورت کلمہ اور معنی دونوں ہی بدل جائیں۔ ”فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللهِ، فامضوا إلى ذكر الله اور أشد منكم، أشد منهم“

⑥ تقدیم اور تاخیر کا اختلاف: جیسے ”فيقتلون و يقتلون اور وجاء ت سكرة الحق بالموت“

⑦ نقص وزیادت کا اختلاف: جیسے ”وأوصى، ووصىٰ اور والذكر والأنثى“ [النشر، ج۱،ص۲۶]

اس کے بعد محقق فرماتے ہیں کہ ان وجوہ سے اختلاف قراءات باہر نہیں ہیں باقی رہا مسئلہ لہجات، اظہار، ادغام، روم، اشمام، تفخیم، ترقیق، مدوقصر، امالہ، فتح تحقیق، تسہیل اور ابدال وغیرہ کا، جنہیں ہم اصول سے تعبیر کرتے ہیں تو اس سے معنی اور صورت کلمہ میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اس لئے ان کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے اگر اس کو آپ شامل کرنا چاہیں بھی تو پہلی قسم کے ذیل میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

امام ابوالفضل الرازی رحمہ اللہ

امام ابوالفضل الرازی رحمہ اللہ احرف سبعہ کی تفسیر میں درج ذیل وجوہ سبعہ سے کرتے ہیں:

① اَسماء میں مفرد، تثنیہ، جمع، تذکیروتانیث اور مبالغہ وغیرہ کا اختلاف۔

② افعال میں ماضی، مضارع، امر، تانیث وتذکیر، مخاطب ومتکلم، اسناد الی الفاعل اور مفعول کا اختلاف۔

③ وجوہ اعراب کا اختلاف۔ ④ نقص وزیادت کا اختلاف۔

⑤ تقدیم وتاخیر کا اختلاف۔ ⑥ ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ یا ایک حرف کو دوسرے سے بدل دینا۔

⑦ اختلاف اللغات مثلاً فتح امالہ، تفخیم وترقیق، تحقیق وتسہیل اور ادغام واظہار وغیرہ۔

جن اَئمہ متقدمین نے سبعہ اَحرف کی تشریح سبعہ وجوہ سے فرمائی ہے ان جمیع اَقوال میں سے اَشمل اور اَحسن قول امام ابوالفضل رازی رحمہ اللہ ہی کا ہے باقی اَئمہ بعض انتہائی بنیادی باتوں سے صرف نظر کر گئے ہیں۔ متاخرین میں سے اس قول کی تائید کرنے والوں میں عبدالعظیم الزرقانی صاحب مناھل العرفان ہیں۔ انہوں نے ہرطرح سے اس قول کی توثیق کی۔ اس کے علاوہ محمد علی الصابونی رحمہ اللہ نے التبیان میں اور مولانا تقی عثمانی نے علوم القرآن میں اس قول پر تفصیل سے تائیدی بحث کی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ مؤقف کا جائزہ

مذکورہ قول کے قائلین یقیناً اُمت کے بہترین لوگ ہیں جن کی جلالت علمی، ورع وتقویٰ اور خلوص نیت کے بارے میں ادنیٰ سا شک بھی نفاق اور علمی خیانت شمار ہوگا لیکن کسی علمی مسئلہ میں آراء کا اختلاف یہ فکری صحت مندی کی علامت ہے اور اہل علم کی آراء کو مروجہ علمی وعقلی معیارات پر پرکھنا اور کسی مؤقف پر مدلل تنقید کرنا کسی طرح بھی گستاخی یا ان کی شان کے منافی نہیں ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم مذکورہ اَقوال کا تنقیدی جائزہ پیش کریں وہ آراء بھی پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو اس کی تائید میں بعض علماء سے منقول ہیں۔

شیخ عبدالعظیم الزرقانی رحمہ اللہ نے ان وجوہ کو قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے اور محمد علی الصابونی رحمہ اللہ نے ان کا خلاصہ ذکر کردیا ہے جس کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

فرماتے ہیں کہ: أقرب إلی الصواب قول وہی ہے جیسے ابوالفضل رازی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اور الزرقانی رحمہ اللہ نے جس پر اعتماد کیا ہے اور دلائل سے ان کی تائید کی ہے۔ وہ دلائل درج ذیل ہیں:

① اس مذہب کی تائید سبعہ اَحرف کے سلسلہ میں واردشدہ احادیث سے ہوتی ہے۔
② اس رائے میں ایک کامل استقراء پر اعتماد کیا گیا ہے اور وہ استقراء ایسا ہے جو جمیع اختلاف قراءات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔
③ اس رائے سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا ہے، جو دیگر اقوال کے اختیار کرنے سے لازم آتا ہے۔[التبیان:۲۱۷]

◉ مولانا تقی عثمانی حفظہ اللہ رقم طراز ہیں:

’’سبعہ اَحرف کی تشریح میں جتنے اقوال حدیث تفسیر اور علوم قرآن کی کتابوں میں بیان ہوئے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان سب میں سے یہ قول (کہ سات حروف سے مراد اختلاف قراءات کی سات نوعتیں ہیں) سب سے زیادہ راجح، قابل اعتماد اور اطمینان بخش ہے اور اس کی مندرجہ ذیل وجوہ، جنہیں مولانا نے وجوہ امام طحاوی رحمہ اللہ کے مؤقف کے تناظر میں ذکر کیا ہے، ہم اس تناظر سے ہٹ کر صرف وجوہ ترجیح ذکر کرتے ہیں:

① مذکورہ قول کے مطابق حروف قراءات کو دوالگ الگ چیزیں قرار دینا نہیں پڑتا جبکہ دیگر اقوال ماننے سے یہ الجھن پیدا ہوتی ہے۔
② اس قول کو اختیار کرنے سے سبعہ اَحرف کو منسوخ نہیں ماننا پڑتا بلکہ تمام کے تمام اَحرف باقی وثابت رہتے ہیں۔
③ اس قول کے مطابق سات حروف کے معنی بلا تکلف صحیح ہوجاتے ہیں، جبکہ دوسرے اَقوال میں یا حروف کے معنی میں تاویل کرنا پڑتی ہے یا سات کے عدد میں۔
④ سبعہ اَحرف کے باب میں جتنے علماء کے اَقوال ہماری نظر سے گزرے ہیں ان میں سب سے زیادہ جلیل القدر اور عہدِ رسالت کے قریب تر ہستی امام مالک رحمہ اللہ کی ہے اور وہ علامہ نیشاپوری رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق اسی قول کے قائل ہیں۔
⑥ علامہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ اور محقق ابن الجزری رحمہ اللہ دونوں علم قراءات کے مسلم امام ہیں اور دونوں اسی قول

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے قائل ہیں اور مؤخر الذکر کا یہ قول گزر چکا ہے کہ انہوں نے تیس سال سے زائد اس حدیث پر غور کرنے کے بعد اس قول کو اختیار کیا ہے۔''

مذکورہ قول کا تنقیدی جائزہ

اس قول پر ایک تفصیلی نقد ڈاکٹر عبدالعزیز قاری نے فرمایا ہے۔ہم ذیل میں اپنے اشکالات کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر عبدالعزیز قاری کے اعتراضات بھی نقل کریں گے۔

پہلا اعتراض

ڈاکٹر عبدالعزیز قاری نے پہلا اعتراض یہ کیا ہے کہ وجوہ کے قائلین کا تعینِ وجوہ میں اختلاف ہے، یہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ تطابق اور توافق ضروری ہے ۔ ڈاکٹر قاری کا یہ اعتراض خواہش کی حد تک تو درست ہے کہ وجوہ میں موافقت ہونی چاہیے، لیکن عملاً ایسا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے ، کہ سارے اہل علم کسی مسئلہ کو ایک ہی نظر سے دیکھیں یا جمیع علماء کا استقراء ، وسعت مطالعہ اور طرز فکر ایک جیسا ہی ہونا چاہئے تاکہ یکساں نتائج برامد ہوں ۔ البتہ اس ضمن میں جو کمی ہے اس کو ہم آئندہ ذکر کرتے ہیں۔

دوسرا اعتراض

سبعہ احرف کے نزول کی اَہم ترین حکمت یہ تھی کہ ایسے اَفراد کو رخصت مہیا کی جائے جو پڑھنے لکھنے سے نابلد تھے جبکہ مذکورہ وجوہ کا تعلق طرز اَداء کے بجائے زیادہ تر طرز کتابت سے ہے ۔مزید یہ کہ ان اَنواع مختلفہ کا اِحاطہ وہ شخص کرسکتا ہے جس کی قراءاتِ قرآنیہ، علم رسم، علم ضبط اور لغت پر گہری نظر ہو، نیز کسی کی وسعت مطالعہ ہی ان وجوہ کو جامعیت کا لبادہ پہنا سکتی ہے ۔ لہٰذا یہ صرف خاص علماء ہی کر سکتے ہیں۔اسی وجہ سے علماء کا وہ طبقہ جو قراءات کے بھی ماہرین ہیں مذکورہ مؤقف کا حامل ہے اور وہ علماء جن کا میدان قراءات کے بجائے فقہ و حدیث ہے عموماً وہ دوسرے مؤقف پر ہیں، بنابریں جب ان وجوہ کا اِدراک علماء کے لیے ہی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے تو وہ عرب کے گنوار اور اُمی لوگ کیسے جان سکتے تھے، ان کے لیے تو یہ بجائے سہولت و آسانی کے مزید مشقت میں اضافہ کا باعث ہے کہ پہلے یہ سمجھیں کہ رخصت دی کس شے کی گئی اور بعد میں اس رخصت سے فائدہ اٹھائیں۔

تیسرا اعتراض

اس قول پر وارد ہونے والے اعتراضات میں سے تیسرا یہ ہے کہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ اور جزری رحمہ اللہ نے سات اَنواع تغیر کو ذکر کرتے ہوئے اختلاف لہجات کو تو ذکر بھی نہیں کیا باوجود اس کے کہ وجوہ اختلاف کے ضمن میں یہ وجہ بڑی اَہم اور کثرت سے استعمال ہونے والی ہے۔

اس تجزیہ سے ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ہم ان اَنواع تغیر کا اِنکار کرنے پر مصر ہیں بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ان اصحاب علم میں سے ہر ایک کی عبارت دوسرے سے حد درجہ مختلف اور متغایر ہے۔حالانکہ یہ سب علماء بڑی بحث وتمحیص، قرآن کے متعدد بار مطالعہ اور حد درجہ محنت ومشقت کے بعد اس مقام پر پہنچے کہ ان اَنواع اختلاف کو اَخذ کرسکیں اور بعد میں ان کی تعیین کرسکیں۔ باوجود اس کے کہ اس مسئلہ میں تینوں کی رائے مختلف ہے جس کی وجہ یہی

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوسکتی ہے کہ ہر ایک نے دوران مطالعہ کسی خاص جہت کوملحوظ رکھا اور دوسرے کے سامنے کوئی دوسرا پہلو موجود رہا ان تینوں میں سے عبارت میں باریک بینی اور زیادہ مشق ومہارت امام رازی رحمہ اللہ کا خاصہ ہے۔

ہمارا اختلاف ان سے دراصل دو نوعیت کا ہے:

پہلی بات تو یہ ہے کہ انہوں نے اَنواع تغایر کو بتکلف سات تک محدود کیا ہے تاکہ حدیث میں مذکور تعداد کی موافقت ہوجائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے جن اَنواع کو سبعہ اَحرف کی تفسیر بنایا ہے اور بڑی مشقت سے حدیث کے مفہوم کی وضاحت کی کوشش کی ہے ان سے ہماری رائے مختلف ہے۔ان آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اَنواع جن کو تینوں اہل علم نے ذکر کیا ہے ان میں دو تو ایسی ہیں جن پر ان کا اتفاق رائے ہے۔ اور ان کی عبارتیں ان کی وضاحت میں یکساں ہیں:

① تقدیم وتاخیر ② زیادتی ونقص

اس کے بعد ابن قتیبہ اور جزری رحمہ اللہ کے اَقوال کے مابین پانچ اَنواع ایسی پائی جاتی ہیں جن پر ان میں کافی حد تک اتفاق ہے، بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جزری رحمہ اللہ نے انہیں ابن قتیبہ رحمہ اللہ سے ہی نقل کردیا ہے اور ان میں اپنی طرف سے کوئی اِضافہ نہیں کیا۔

لیکن اس کے برعکس جب ہم امام رازی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ اَنواع تغیر کی طرف نظر کرتے ہیں تو وہ جزری رحمہ اللہ اور ابن قتیبہ رحمہ اللہ کی آراء سے قدرے مختلف ہیں، کیونکہ رازی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ اَنواع کے ضمن میں ان دونوں کی بیشتر اَنواع بھی آجاتی ہیں اور اس کے علاوہ مزید بھی۔مثال کے طور پر رازی رحمہ اللہ نے اپنے قول میں اَنواع تغیر سے تیسری اور چھٹی نوع اس کو قرار دیا ہے:

’’اعراب کی وجوہ میں اختلاف ......اور (۶) حروف کا قلب یا بعض حروف کا بعض دوسرے حروف سے اِبدال، اسی طرح کلمات کی کلمات سے تبدیلی۔‘‘

اس میں اُنہوں نے ان تمام قسم کی تبدیلیوں کو علی وجہ العموم دو قسموں کے تحت ذکر کردیا ہے، لیکن یہی دو اَقسام باقی دو ائمہ کے اَقوال میں پانچ اَقسام میں منقسم ہیں، اگرچہ انہوں نے پانچ اقسام بناتے ہوئے ان اختلافات کی تقسیم میں صورۃ خطی، اختلاف معنی اور کتابت میں اختلاف یا عدم اختلاف کو مدنظر رکھا ہے، لیکن بہرحال مراد دونوں کی قریباً ایک ہی ہے۔اس کی ایک اور مثال یوں بھی ہے کہ امام رازی رحمہ اللہ نے پہلی اور دوسری نوع کے تحت اوزان اسماء میں پیش آنے والے اختلافات اور تصریف افعال میں ہونے والے اختلافات کو ذکر کیا ہے جبکہ معمولی سے غور وفکر کے بعد باقی دو حضرات کی ذکر کردہ پہلی پانچ اَنواع کے ضمن میں یہ دونوں انواع بھی آسکتی ہیں۔فرق صرف اسی قدر ہے کہ جن زاویوں اور جہات سے امام رازی رحمہ اللہ نے اختلافات کی حد بندی کی ہے جزری رحمہ اللہ اور ابن قتیبہ رحمہ اللہ کی تقسیم ان زاویوں سے ہٹ کر کچھ اور چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔

ان سب باتوں کے باوجود ایک نوع ایسی بھی ہے جو صرف امام رازی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے اور باقی دو اس کی طرف متوجہ نہیں ہوپائے اور وہ نوع ہے ’اختلاف لہجات‘ کی اور جیسا کہ ہم بتاچکے ہیں کہ یہی نوع اس بحث میں اَہم تر ہے۔

ان تینوں اَقوال کا ہم نتیجہ برآمد کرنا چاہیں تو مختصراً تمام انواع کو کم از کم دس اَنواع تغیر میں تقسیم کرسکتے ہیں کہ وہ تمام صورتیں جو کلمات میں اختلاف کے ضمن میں آتی ہیں اور ان اَقوال سے ثابت ہوتی ہیں، کل دس بن سکتی ہیں۔لیکن اس

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات کی کوئی دلیل نہیں کہ آئندہ کوئی اور صاحب علم مزید بحث و اِستقراء کے بعد اس تعداد میں اضافہ نہیں کرے گا۔

چنانچہ اس معارضہ سے یہ اَمر ثابت شدہ ہے کہ ان تینوں بزرگ اصحاب علم کی اَنواع تغایر و اختلاف کی تعیین اور ان کو کھینچ تان کر سات حروف کے ضمن میں لانا بے جا تکلف اور مشقت کے سوا کچھ نہیں۔حتیٰ کہ جب ہم ان کی جدوجہد اور کوشش کے بعد حاصل شدہ اَنواع کے نتیجے پر پہنچتے ہیں،جس کو انہوں نے حدیث کی مراد تصور کیا ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سبعہ اَحرف فی ذاتہا کچھ اور ہیں اور اس میں انواع اختلاف ایک بالکل مختلف چیز، اور اس مقام پر پہنچ کر یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ یہ تمام وہ صورتیں ہیں جو کلمات کے مابین تغیر اور اختلاف کے ضمن میں آتی ہیں نہ کہ حروفِ سبعہ کے مابین اختلاف ضمن میں ۔اور ایسا بھی ممکن ہے کہ اس تمام بحث کا خلاصہ ان تین نکات میں نکال لیا جائے۔کہ اختلاف کی تین ہی صورتیں ہیں:

1. جس میں لفظ مختلف ہوجائیں اور معنی ایک رہے، اس صورت کو لغت میں 'الترادف' سے موسوم کیا جاتا ہے،مثلاً 'هلم' کی جگہ 'تعال' اور 'أقبل'
2. جس میں معنی اور لفظ دونوں مختلف ہوجائیں،لیکن یہ اختلاف تضاد کی نوعیت کا نہ ہو،تنوع کی قبیل سے ہو۔ جس طرح قُلَ اور قُلْ ، بِعِدْ اور بَعَدَ ، مُلِكِ اور مَلِكِ ، أَوْصَى اور وَصّٰى
3. لہجات میں اختلاف،یعنی کسی لفظ کی اَدا میں تبدیلی اصل لفظ اور معنی کی بقا کے ساتھ۔مثال کے طور پر کسی کو جھکا کر یا سیدھا پڑھنا، مد اور قصر، ادغام اور عدم ادغام اسی طرح نرمی سے یا جھٹکا دے کر پڑھنا۔

یہاں اختلاف کی ایک قسم اور بھی ہوسکتی ہے کہ بعض اَوقات کسی کلام میں تبدیلی لفظ اور معنی کے اختلاف کے ساتھ ساتھ تناقض اور تضاد کی قبیل سے ہوتی ہے۔سو یہ صورت قرآن کریم میں نہیں پائی جاتی، کیونکہ ان کی موجودگی قرآن میں خلل اور اضطراب و شک کو لازم کرتی ہے حالانکہ قرآن اس سے یکسر منزہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”قرآن میں باطل نہ آگے سے داخل ہوسکتا ہے اور نہ ہی پیچھے سے اور یہ اللہ رب العزت حکمت والے کی نازل کردہ (کتاب)[فصلت:۴۲] ہے۔“ایک اور مقام پر یہ الفاظ ہیں:

”اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف [النساء:۸۲] سے ہوتا تو لوگ اس میں جابجا اختلافات اور تناقض پاتے۔“[انظر النشر:۴۹/۱]

ان دونوں آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں خلل اور تناقض وتضاد کی سرے سے گنجائش ہی نہیں۔

چوتھا اعتراض

مذکورہ بالا قول پر ایک اہم اعتراض یہ بھی ہے کہ کیا خود نبی مکرمﷺ کی ذات سے ایسے قول کا صدور ممکن ہے جو صرف اور صرف ایک منطقی اور ریاضیاتی اصول پر متعین کیا گیا ہے۔آپﷺ کا ذاتی پس منظر اور نبوی طریق دعوت اس اسلوب کا انکاری نظر آتا ہے، کیونکہ شریعت کی عمومی تعلیمات بالکل بدیہی اور انتہائی فطری اُسلوب پر مبنی ہیں نہ کہ استقرائی اور منطقی اسلوب پر۔لہٰذا مذکورہ وجوہ سے آپﷺ کا نہ تو تفسیر کرنا ثابت ہے اور نہ ہی آپ سے اس طرح کے اَنداز تشریح و دعوت کا اِمکان ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچواں اعتراض

صحابہ کے مابین جب مختلف وجوہ قراءات پڑھنے میں اختلاف ہوا تو آپﷺ کے صرف یہ فرمانے پر کہ هکذا أنزلت اور أنزل القرآن علی سبعة أحرف پر صحابہ خاموش ہوگئے اوران کو سارے معاملے کا علم ہوگیا۔صحابہ کا فوراً بغیر کسی مناقشہ کے اس کو تسلیم کرلینا اس بات کی دلیل ہے کہ سبعہ اَحرف کا مصداق ان کے مابین کوئی زیادہ غیر معروف شے نہ تھا، اسی وجہ سے آپ کے چند کلمات ان کے لیے تشفی کا باعث بن گئے۔لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ آپﷺ کی اس سے مراد وجوہ ہیں جو ایک غیرمعروف شے ہے، جس پر ہمارا کند ذہن کئی اشکالات لیے سراپا احتجاج بن جاتا ہے، تو سیدنا عمر رحمہ اللہ جیسے عبقری اور ذہین وفطین عناصر کس طرح مطمئن ہوسکتے تھے۔

چھٹا اعتراض

سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس میں ہے کہ آپﷺ نے فرمایا:

”اے اُبی مجھے یہ کہا گیا کہ میں اُمت کو قرآن ایک حرف پر پڑھاؤں، میں نے عرض کی کہ میری اُمت پر آسانی کیجئے تو پھر دو حروف ہوگئے، پھر تین، پھر چار حتیٰ کہ سات تک پہنچ گئے۔“

اس حدیث پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حرف پر بھی قرآن بطور قرآن مکمل تھا۔جب دو کی اجازت دی گئی تب بھی قرآن اَحکام کے لیے اور تلاوت کے لیے کامل تھا اور اس کی تلاوت ممکن تھی ورنہ اگر ایسا ممکن ہی نہیں تھا کہ بغیر سبعہ اَحرف قرآن کی تلاوت نہیں ہوسکتی تو اللہ رب العزّت کا جبریل علیہ السلام کو بھیجنا یہ ایک نعوذ باللہ فعل عبث تھا اور اللہ کے رسولﷺ بجائے آسانی کے تکمیل قرآن کی التجا فرما رہے تھے۔

اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے اگر آپ سبعہ وجوہ والے قول کا جائزہ لیں تو اس کی عدم اَہمیت کا اندازہ ہوگا مثلاً ان کے ہاں جو قول سب سے راجح ہے اس کے مطابق حرف اوّل کو ہی لیجئے۔امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے اَسماء میں تذکیر تانیث، اَفراد تثنیہ وجمع وغیرہ مراد ہیں، تو کیا اس پر تلاوت ممکن ہے؟ اگر سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے لائے ہوئے حرف اَوّل پر تلاوت ممکن تھی تو امام رازی رحمہ اللہ کے بتائے ہوئے حرف اوّل پر تلاوت کیوں ممکن نہیں۔ ہماری نظر میں امام رازی رحمہ اللہ کے بتائے ہوئے ایک حرف پر تو کیا سات حروف کو بھی ملا لیں تو قرآن کی تلاوت کرنا ممکن نہیں۔ اور اس کی مزید تائید سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے ہوجاتی ہے کہ ”كنا نقرأ على الحرف الأوّل“ [فتح الباری:۱۱/۳۳] کہ ”ہم حرف اول پر تلاوت کریں گے۔“ اس کا مطلب بالکل صحیح ہے کہ سبعہ اَحرف میں سے ہر ہر حرف پر تلاوت ممکن تھی جبکہ مذکورہ قول میں ساتوں پر بھی ممکن نہیں۔

ساتواں اعتراض

اس پر ایک مزید اعتراض یہ ہے کہ سبعہ اَحرف کے نزول کا مقصد فقط یہ ہے کہ اُمت مرحومہ کے وہ اَفراد جو اپنے آبائی لہجے اور لغت کو ترک کرکے کسی دوسری لغت یا لہجہ پر نہیں پڑھ سکتے ان کے لیے آسانی پیدا کی جائے، اور انہیں اس بات کی اِجازت دی جائے کہ وہ اپنے لہجے اور لغت کے موافق قرآن کو پڑھ سکیں، جبکہ اگر مذکورہ قول کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں کسی مشقت کو رفع کرنا اور مزید کسی آسانی کو پیدا کرنا سرے سے ناقابل لحاظ ہے اور جو آسانی اس قول کے ذریعے اُمت کو دی گئی ہے اس میں سرے سے کسی مشکل کا پہلو موجود ہی نہیں کہ جس میں آسانی

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی خواہش کی جائے۔ مثلاً امام رازی رحمہ اللہ کی راجح اور اشمل تشریح کے مطابق سبعہ احرف کی پہلی وجہ اَسماء میں مذکر مؤنث، مفرد جمع کا اختلاف ہے جس کی مثال دیگر ائمہ نے بھی دی ہے مثلاً کلمات کو جمع کے بجائے مفرد یعنی أَمَانَتِهِمْ کو أَمَانَتِهِمْ پڑھنا اگر اس پر غور کریں تو یہی کلمات قرآن کریم میں بعض مقامات پر صرف مفرد اور بعض پر صرف جمع استعمال ہوئے ہیں۔ اب یہ کیسی مشکل ہے کہ اگر ایک جگہ کسی چیز کو مفرد یا جمع پڑھا جائے تو کوئی مشکل نہیں ہے جبکہ دوسری جگہ اس میں مشکل پیدا ہوگئی، جس کی آسانی کے لیے باقاعدہ ایک حرف اتارنا پڑھا۔

اسی طرح دوسری وجہ 'افعال میں اختلاف' کو لیجئے۔ جس کی مثال الزرقانی نے وَلَا يُضَآرُّ اور وَلَا يُضَآرَّ دی ہے۔ اب یہ مشکل ہے کہ قاری یا عرب کی بوڑھی عورت یا بوڑھا آدمی یضار کی را پر پیش تو پڑھ سکتا ہے لیکن زیر پڑھنا اس کے لیے دشوار ہے یا پھر قرآن میں ایک جگہ یعلمون غیب کے ساتھ پڑھنا دشوار ہے۔ اگرچہ اس کو بیسوں جگہ غیب سے پڑھا ہو۔ اسی پر ایک حرف نازل کردیا گیا ہو۔ اسی طرح تقدیم و تاخیر اور نقص زیادت کا مسئلہ ہے کہ آدمی فیقتلون و یقتلون میں پہلے حرف کو معروف اور دوسرے کو مجہول تو پڑھ سکتا ہے لیکن اگر پہلے مجہول آجائے تو دشواری پیدا ہوجائے۔ اسی طرح قرآن میں دسیوں مقامات پر من تحتها الأنهر پڑھنا ممکن ہے لیکن سورۃ التوبہ میں ممکن نہیں لہٰذا اس کے لیے باقاعدہ ایک حرف کو نازل کیا جائے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ البتہ امام رازی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ صرف ایک وجہ ایسی ہے جس میں واقعی دشواری تھی اور یہی حقیقی دشواری نزولِ احرف کا سبب ہے کہ لہجات اور لغات کا اختلاف جس کو سوائے امام رازی رحمہ اللہ کے کسی شیخ نے ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا سبعہ اَحرف کا مصداق مذکورہ قول کو ٹھہرانا قرین قیاس نہیں ہے۔

اب مناسب ہوگا شیخ عبدالعظیم الزرقانی رحمہ اللہ اور مولانا تقی عثمانی حفظہ اللہ کی پیش کردہ وجوہ ترجیح کا بھی جائزہ پیش کردیا جائے۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ کی وجوہ ترجیح

① اس مذہب کی تائید سبعہ احرف کے سلسلہ میں واردشدہ احادیث سے ہوتی ہے۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ اس مذہب کی تائید سبعہ اَحرف کے سلسلہ میں واردشدہ اَحادیث سے ہوتی ہے۔ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جو دلیل کی بنیاد کے بغیر کیا گیا ہے ہم نے تو مذکورہ بالا بحث سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ مؤقف سبعہ اَحرف کے سلسلہ میں وارشدہ اَحادیث تو کیا سبعہ اَحرف کے نزول کی بنیادی حکمت سے ہی متصادم ہے اور بجائے اس کے کہ حکمت سبعہ اَحرف کو سامنے رکھ کر اس کو سمجھنے کی سعی کی جاتی اُسے یکسر نظر اَنداز کردیا گیا ہے۔

② اس رائے میں کامل استقراء پر اعتماد کیا گیا، جس نے جمع اختلافات قراءات کا اِحاطہ کرلیا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ بات ہی قابل بحث ہے کہ کیا نصوصِ شرعیہ کی تاویل منطقی اِستقراءات پر کی جائے گی یا اس کا اَنداز کچھ اور ہے، کیونکہ استقراء کی کیا حقیقت کہ ایک استقراء دوسرے استقراء کو ردّ کردے اور پھر وہ استقراء بھی ایسا جس میں مطلق حکمت شرعیہ کو نظر انداز کردیا گیا ہو اور ویسے بھی استقراء کے ذریعہ ان وجوہ کو سات تک پہنچانا بہت بڑا تکلف ہے، کیونکہ اس سے کم یا زیادہ میں بھی وجوہ کا احاطہ ممکن ہے، جیسا کہ اعتراض ثالث میں ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرا اس استقراء کا یہ فائدہ تو ہوسکتا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ اختلاف قراءات کیا کیا ہیں، نص شرعی کو یہ معنی پہنانا بعید اَز فہم ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ اس قول سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔

یہ بھی ایک دعویٰ ہے، اس سے جو نقصانات لازم آتے ہیں وہ ہم نے ذکر کردیئے ہیں۔ باقی اگر اس سے یہ نقصان مراد ہے کہ موجودہ قراءات کا اِنکار وغیرہ لازم آتا ہے تو وہ کسی قول کو بھی اختیار کرنے پر لازم نہیں آتا۔

مولانا تقی عثمانی حفظہ اللہ کی وجوہ ترجیح

مولانا تقی عثمانی حفظہ اللہ کے مؤقف میں ہمیں جو بنیادی کمی نظر آئی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیث سبعہ اَحرف کو بجائے اس کے کہ نص کی علل وحکم کو سامنے رکھتے ہوئے سمجھا جائے اور اسی کی روشنی میں سلف کے مؤقف کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، انہوں نے اسے صرف ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے مؤقف کے تناظر میں سمجھا ہے اور ابن جریر رحمہ اللہ کے مؤقف میں چند ایسے بنیادی نقائص موجود ہیں جن کی بناء پر انہوں نے ابن جزری وغیرہ کے مؤقف کو راجح قرار دیا ہے اور اس کی بھرپور تائید کی ہے۔

ان کی وجوہ راجحہ کو سبعہ اَحرف کی راجح تشریح کے طور پر لینا تو مشکل ہے۔ البتہ ابن جریر رحمہ اللہ کے مقابلہ میں جو انہوں نے وجوہ ترجیح ذکر کی ہیں، ان کے بارے میں مناسب یہی لگتا ہے کہ ابن جریر رحمہ اللہ کا مؤقف، جو ہم دلائل کی روشنی میں سمجھے ہیں، ذکر کرنے کے بعد ہی جائزہ لیں۔

قول ثانی

سبعہ اَحرف بمعنی أوجه مقروءة لا تزيد عن السبع

مذکورہ مؤقف کے مطابق سبعہ اَحرف کا مصداق کسی چیز کو قرار نہیں دیا گیا کہ 'اوجہ' سے مراد کیا ہے۔ نہ ہی انہوں نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد سبعہ لغات ہیں اور نہ ہی یہ حضرات سبعہ وجوہ کے قائلین ہیں جیسا کہ جزری رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا ہے۔ لہٰذا یہ قول بنیادی طور پہ ایک ناقص اور نامکمل مؤقف ہے۔ اس کے رد سے پہلے قول کی وضاحت ضروری ہے جو کہ قائلین نے نہیں کی۔

قول ثالث

سبعہ اَحرف بمعنی سبع لغات مختلفة الألفاظ متفقة المعاني أي المترادفات

سبعہ اَحرف سے مراد سبعہ لغات ہیں، اس طرح کہ ان کے الفاظ مختلف اور معانی متحد ہوں۔ جیسے أقبل، تعال، هلم، عجل، اسر، وانظر، آخر اور أمهل وغیرہ یا جس طرح لفظ 'أف' میں بعض لغات ہیں۔

اس قول کے قائلین میں بہت جلیل القدر علماء شامل ہیں، جن میں امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ، امام طحاوی رحمہ اللہ، سفیان بن عیینۃ رحمہ اللہ، ابن عبدالبر رحمہ اللہ، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، عبداللہ بن وہب رحمہ اللہ، امام قرطبی رحمہ اللہ اور مناع القطان شامل ہیں

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اَحرف سبعہ کے بارے میں وارد مختلف تشریحات ذکر کرنے اور ان پر ردّ کرنے کے بعد

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راجح قول یوں بیان کرتے ہیں:

”بل ا لأحرف السبعة التي أنزل الله بها القرآن هن لغات سبع في حرف واحد وكلمة واحدة باختلاف الألفاظ واتفاق المعاني كقول القائل هلم، وأقبل وتعال وإليّ قصدي ونحوي وقربي ونحو ذلك مما تختلف فيه الألفاظ بضروب من المنطق وتتفق المعاني.“[تفسیر طبری:۱/۴۷،۴۸]

”اَحرف سبعہ جن پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا ہے وہ ایک لفظ اور ایک ہی کلمہ میں سات لغات ہیں، جن کے الفاظ تو مختلف ہیں لیکن معنی متفق ہیں جیسے کوئی کہے هلم، تعال، أقبل، إلى، قصدي، نحوي اور قربي وغیرہ کہ جو اختلاف الفاظ کے باوجود متفق المعانی ہیں۔“

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ

”إنما معنى السبعة الأحرف سبعة أوجه من المعاني المتفقة المقاربة بألفاظ مختلفة نحو: أقبل وهلم وتعال، وعلى هذا الكثير من أهل العلم.“ [التمهید لابن عبدالبر رحمہ اللہ:۸/۲۸۱]

”سبعہ احرف سے مراد متفق المعانی اور مختلف الالفاظ کلمات کی لغات وجوہ ہیں جیسے أقبل، تعال، هلم اور یہی کثیر اہل علم کا قول ہے۔“

امام قرطبی رحمہ اللہ

امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

”وهو الذي عليه أكثر أهل العلم كسفيان بن عينية وعبدالله بن وهب والطبري والطحاوي وغيرهم، أن المراد سبعة أوجه من المعاني المتقاربة بألفاظ مختلفة، نحو أقبل وهلم وتعال۔“ [تفسیر قرطبی:۱/۴۲]

”وہ رائے کہ جس پر اکثر اہل علم سفیان بن عینیہ، عبداللہ بن وہب، طبری اور طحاوی وغیرہم ہیں، وہ یہ ہے کہ احرف سبعہ سے قریب المعنی اور مختلف الالفاظ وجوہ سبعہ مراد ہیں۔“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام قرطبی رحمہ اللہ کے الفاظ میں ابن جریر رحمہ اللہ کے مؤقف کو بیان کرکے بھرپور اَنداز میں اس کی تائید کی ہے۔ (ج۱:۶۱/۱)

ابن جریر رحمہ اللہ اور ان کے ہم خیال حضرات کا مؤقف ہے کہ سبعہ اَحرف سے ایک ہی کلمہ میں مختلف لغات عرب کا اختلاف مراد ہے۔ جسے ہم مترادفات سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی ایک ہی کلمہ میں اس کی جگہ مختلف الفاظ استعمال کرنے کی اجازت تھی جیسے هلم، تعال اور اقبل وغیرہ۔ نیز یہ سبعہ اَحرف میں سے چھ حروف کے حذف، نسخ یا توقف کے قائل ہیں۔

ہمیں اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا دلائل ان کے اَقوال کی تائید بھی کرتے ہیں یا نہیں۔

ابن جریر رحمہ اللہ اپنے مؤقف کی تائید میں درج ذیل نصوص ذکر کرتے ہیں۔

❶ ”عن عبدالرحمن بن أبي بكرة ÷ عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: «قَالَ جِبْرِيْلُ: اِقْرَأْ الْقُرْآنَ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَلٰى حَرْفٍ. قَالَ مِيْكَائِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اِسْتَزِدْهُ، فَقَالَ: عَلٰى حَرْفَيْنِ، حَتّٰى بَلَغَ سِتَّةً أَوْ سَبْعَةً. فَقَالَ: كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ مَا لَمْ تَخْتِمْ آيَةَ عَذَابٍ بِآيَةِ رَحْمَةٍ أَوْ آيَةَ رَحْمَةٍ بِآيَةِ عَذَابٍ». كقولك هلم وتعال.‘‘ [تفسیر طبری:۱/۴۴]

’’سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا: قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھیں تو سیدنا میکائیل علیہ السلام نے کہا مزید طلب کیجئے تو سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے کہا دو حرفوں پر پڑھیں۔ یہاں تک چھ یا سات حروف تک پڑھنے کی اجازت دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان میں سے ہر ایک شافی وکافی ہے جب تک رحمت کی آیت کو عذاب پر اور عذاب کی آیت کو رحمت پر ختم نہ کریں جیسے تیرا کہنا هلم، تعال۔‘‘

❷ ’’عن الأعمش قال: قرأ أنس هذه الآية: ’’ إِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَصْوَبُ قِيْلاً ‘‘فقال قوم: يا أبا حمزة! إنما هي ’’وأقوم‘‘ فقال: أقوم وأصوب وأهيا واحد.‘‘ [تفسیر طبری:۱/۴۵]

’’اعمش رحمہ اللہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ’’سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ﴿إِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً﴾ میں أقوم کے بجائے أصوب پڑھا تو لوگوں نے کہا کہ اے ابوحمزہ یہاں أقوم ہے تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا أقوم، أصوب اور أهيا یہ ایک ہی ہے ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔‘‘

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے قول سے مذکورہ بالا حدیث ابی بکرۃ کا مفہوم بھی متعین ہوگیا یعنی هلم، تعال وغیرہ یہ اس بات کی مثال نہیں ہے کہ قراءات کا اختلاف کوئی تضاد کا اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس بات کی تصریح ہے کہ قرآن کریم میں سبعہ اَحرف سے مراد مترادفات کا اختلاف ہے۔ یقیناً ایسا اختلاف موجود بھی تھا اور عرضۂ اَخیرہ میں جو قرآن مجید کا بہت سا حصہ منسوخ ہوا ہے، وہ یہی تھا۔ ان مترادفات کی کثرت کس قدر تھی اس پر ایک نظر ڈالنے کے لیے مشہور مستشرق آرتھر جیفری کی مقدمتان اور کتاب المصاحف کے تناظر میں تیار کی گئی سورۃ الفاتحہ میں موجود مترادفات کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں جس سے مترادفات کی کثرت کا اَندازہ ہوگا۔ یاد رہے کہ جیفری کی پیش کردہ روایت کی تصدیق تصویب قطعاً مقصود نہیں بلکہ صرف تمثیل منشاءِ تحریر ہے۔

- حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا اس طرح پڑھنا روایت کیا گیا ہے۔
  مالك کی بجائے مليك، اهدنا کی بجائے ثبتنا اور دلنا.
- حضرت علی بن ابن طالب رضی اللہ عنہ سے اس طرح تلاوت کرنا منقول ہے۔
  مالك کی بجائے ملك يوم يامالك، اهدنا کی بجائے ثبتنا اور لا کے بجائے غير.
- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کرنا منقول ہے۔
  صراط کی بجائے سراط
- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس طرح تلاوت کرنا منقول ہے۔
- مالك کی بجائے ملك، الذين کی بجائے من اور ولا الضالين کی بجائے غير الضالين.
- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مالك کی بجائے ملك.

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مالك کی بجائے مليك اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے صراط الذين أنعمت کے بجائے صراط من أنعمت مروی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یحییٰ بن وثاب تابعی نَستعین کی بجائے نِستعین یعنی نون پر زبر کی بجائے زیر پڑھتے تھے۔ ابو سوار العنوی إیاك نعبد وإیاك کی جگہ ھیاك نعبد وھیاك پڑھتے تھے ابو عمرو الصراط کی بجائے الصراط پڑھتے۔
جیفری نے تذکرۃ الائمہ مؤلفہ باقر مجلسی [مطبوعہ تہران:۱۸] کے حوالہ سے سورۃ الفاتحہ کا درج ذیل متن ذکر کیا ہے۔
"نحمد الله رب العالمین○ الرحمن الرحیم○ ملاك یوم الدین○ ھیاك نعبد وویاك نستعین○ ترشد سبیل المستقیم○ سبیل الذین أنعمت علیھم سوی المغضوب علیھم والضالین○"
اس کے علاوہ خلیل بن احمد کی نسبت سے بھی سورۃ الفاتحہ کا ایک متن منقول ہے۔

بسم الله الرحمن الرحیم

"الحمد لله سید العالمین○ الرزاق الرحیم○ ملاك یوم الدین○ إنا لك نعبد وإنا لك نستعین○ أرشدنا سبیل المستقیم○ سبیل الذین مننت علیھم، سوی المغضوب علیھم ولا الضالین○"

اسی طرح انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے سورۃ ألم نشرح کی آیات: "ألم نشرح لك صدرك، وحللنا عنك وزرك" کو یوں تلاوت کیا تو آپ کے اس طرح پڑھنے پر اعتراض کیا گیا تو انہوں نے فرمایا حللنا، حططنا اور وضعنا ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے کے مختلف الفاظ ہیں۔
ایک روایت حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مقدمتان میں مروی ہے کہ وہ ایک فارسی نژاد مسلمان کو آیت ﴿ إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ○ طَعَامُ الْأَثِيمِ﴾[الدخان:۴۳] پڑھا رہے تھے۔ وہ ﴿طعام الأثیم﴾ کے بجائے "طعام الیتیم" پڑھ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے "الطعام الظالم" پڑھا دو جو اس نے آسانی پڑھ لیا۔
ان جملہ اَمثلہ کے بارے میں ہمارا کامل ایمان اور قطعی یقین و اطمینان ہے کہ ان میں سے سوائے وہ اَمثلہ جو قراءات متواترہ میں موجود ہیں، کوئی بھی شے قرآن میں داخل نہیں ہے۔ البتہ ان کے ذکر سے سوائے اس کے کچھ بھی مطلوب نہیں کہ قرآن مجید میں مترادفات کا اختلاف بہت کثرت سے تھا اور ابن جریر رحمہ اللہ اور دیگر اہل علم، جو ان کے نقطہ نظر سے اتفاق کئے ہوئے ہیں، بہرحال دلائل و براہین کی دنیا میں اجنبی نہیں ہیں بلکہ مروّجہ موازین اور مقاییس پر بلا کسی تردد کے پورے اترتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا یہ قول کہ صرف ابن جریر رحمہ اللہ کی شخصیت اور دیگر صاحبان فکر و دانش کے اقوال سے عدم آگہی کی وجہ سے لوگ ان کے نقطہ نظر کے گرویدہ ہیں یہ ایک معقول تحقیق نہیں بلکہ سطحی رائے ہے۔ کیونکہ جب آپ ان کی جلیل القدر شخصیت سے متاثر نہیں ہوئے تو سلف میں سے ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابن کثیر رحمہ اللہ اور قرطبی رحمہ اللہ جیسی ہستیاں بغیر کسی معقول بنیاد کے کیسے قائل ہو سکتے ہیں۔

◉ حافظ ابن جریر رحمہ اللہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کام کے بارے میں مؤقف:

"والآثار الدالة علی أن إمام المسلمین وأمیر المؤمنین عثمان بن عفان جمع المسلمین نظراً منه لھم وإشفاقاً منه علیھم، ورأفةً بھم حذار الردة من بعضھم بعد الإسلام والدخول في الکفر بعد الإیمان إذ ظھر من بعضھم بمحضره وفي عصره التکذیب ببعض الأحرف السبعة التي نزل علیھا القرآن مع سماع أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من رسول الله النھي عن التکذیب بشيء منھا وأخباره إیاھم أن المراء فیھا کفر، فحملھم، إذ رأی ذلك ظاھراً بینھم في عصره ولحداثة عھدھم بنزول القرآن، وفراق رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إیاھم بما أمن علیھم مع

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عظيم البلاء في الدين من تلاوة القرآن على حرف واحد“

”آثار اس پر دال ہیں کہ امام المسلمین اور امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اُمت کو ایک حرف پر اس لیے جمع فرما دیا کہ ان کا مسلمانوں سے ایک الف ومحبت اور شفقت ومہربانی کا تعلق تھا کہ کہیں قرآن کا اِنکار کرکے اسلام سے اِرتداد اور ایمان سے کفر کی طرف نہ منتقل ہوجائیں، کیونکہ قرآن کریم کے کسی ایک حرف کی تکذیب یا کسی لفظ کی قرآنیت کے بارے میں جھگڑا کرنا صریحاً کفر ہے۔ انہوں نے جب اپنے زمانہ میں اس قدر اختلاف دیکھ لیا حالانکہ ان کا زمانہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب کا زمانہ ہے تو انہوں نے اُمت کو اس عظیم آزمائش سے بچانے کے لیے ایک عظیم کدوکاوش کی۔“

◉ مزید فرماتے ہیں:

”وجمعهم على مصحف واحدٍ وحرف واحدٍ وخرق ما عدا المصحف الذي جمعهم عليه وعزم على كل من كان عنده مصحف مخالف المصحف الذي جمعهم عليه أن يحرقه فاستوفقت له الأمة على ذلك بالطاعة، ورأت أن فيما ذلك من الرشد والهداية فتركت القراءة بالأحر ف الستة التي عزم عليها إمامها العادل في تركها طاعة منها له، و نظراً منها لأنفسها ولمن بعدها من سائر أهل ملتها حتى درست من الأمة معرفتها و تعفت آثارها فلا سبيل لأحدٍ اليوم إلى القراءة بها لدثورها و عفو آثارها.“ [تفسير ابن جرير رحمہ اللہ: ۱/۵۰]

”سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کو ایک مصحف پر جمع فرما دیا اور اس کے علاوہ جو مصاحف کسی کے پاس بھی ان مصاحف کے مخالف تھے انہیں ضائع کردیا۔ تو اُمت نے اس معاملہ میں ان کی اطاعت کی، کیونکہ اس میں سراسر بھلائی اور ہدایت کا پہلو ظاہر تھا۔ اور احرف ستہ کو کلیتاً ترک کردیا جس کا امام عادل نے ان سے مطالبہ کیا تھا۔ لہٰذا امت نے اس کو قبول کرنے کے بعد اس پر عمل شروع کردیا جس سے باقی احرف بالکل ختم ہوگئے اور ان احرف کی عدم دستیابی کی بناء پر ان تک رسائی ممکن نہیں ہے۔“

اسی طرح امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں ایک سوال پیدا کیا کہ سائل یہ کہے کہ آپ کے کہنے کے موافق آج ایک ہی حرف باقی ہے تو وہ حروف ستہ جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے پڑھا، اُس کے پڑھنے کا حکم دیا اور خود اللہ رب العزّت نے آسمانوں سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کئے ہیں۔ کیا وہ اٹھا لیے گئے ہیں؟ یا منسوخ کردیئے گئے؟ اگر فی الواقع ایسا ہے تو ان کے رفع اور نسخ کی دلیل کیا ہے؟ یا پھر اُمت ویسے ہی اُسے بھول گئی ہے، تو یہ بھولنا تضییع قرآن ہے۔ حالانکہ اس کی حفاظت اُمت کی ذمہ داری ہے۔ تو اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔

تو اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

”لم تنسخ فترفع، ولا ضيعتها الأمة وهي مأمورة بحفظها. ولكن الأمة أمرت بحفظ القرآن، وخيرت في قراءته و حفظه بأي تلك الأحرف السبعة شاءت كما أمرت، إذا هي حنثت في يمين وهي موسرة، بأن تكفر بأي الكفارات الثلاث شاءت: إما بعتق، أو إطعام، أو كسوة. فلو أجمع جميعها على التكفير بواحدة من الكفارات الثلاث، دون حظرها التكفير بأي الثلاث شاء المكفر، كانت مصيبةً حكمَ الله، مؤدية في ذلك الواجبَ عليها من حق الله. فكذلك الأمة، أمرت بحفظ القرآن وقراءته، وخيرت في قراءته بأي الأحرف السبعة شاءت: فرأت -لعلة من العلل أو جبت عليها الثبات على حرف واحد-

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قراءتَه بحرف واحد، ورفض القراءة بالأحرف الستة الباقية، ولم تحظُر قراءته بجميع حروفه على قارءه، بما أذن له في قراءته به.“

”نہ تو قرآن منسوخ ہوا ہے اور نہ ہی اُسے اٹھا گیا ہے اور نہ ہی اُمت، جو کہ اس کی حفاظت پر مامور ہے، اس کے ضیاع کی مرتکب ہوئی ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اُمت کو حفاظت قرآن کا حکم دیا گیا ہے اور اَحرف سبعہ اور قراءات میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کی مثال اسی طرح ہے جیسے قسم کے کفارے میں عتق غلام، کھانا اور لباس میں سے کسی ایک کے اَدا کرنے میں حانث مخیّر ہے۔ اور اگر اُمت ان میں سے کسی ایک کے اختیار پر اِجماع کرلے اور دوسرے سے منع نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح اُمت حفاظت قرآن اور قراءات کی حفاظت کی مکلّف ہے لیکن قراءات میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے میں آزاد ہے۔ اُمت نے اسی وجہ سے اسی علت کی بنیاد پر حرف واحد کو اختیار کرلیا باقی حروف ستہ کی قراءت ختم ہوگئی۔ باقی رہی یہ بات کہ کسی کو باقی احرف پر قراءات سے منع کیا جائے گا تو بات ٹھیک نہیں ہے بلکہ قاری کو اجازت ہے جس حرف پر چاہے قراءت کرے۔“ [تفسیر طبری:۴۸/۱]

ابن جریر رحمہ اللہ مذکورہ دلیل کے علاوہ چند ایک نصوص مزید اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں:

”عن خارجة بن زيد بن ثابت، عن أبيه زيد، قال: لما قتل أصحاب رسول الله ﷺ باليمامة، دخل عمر بن الخطاب ÷ على أبي بكر ÷ فقال: إن أصحاب رسول ﷺ باليمامة تهافتوا تهافت الفراش في النار، وإني أخشى أن لا يشهدوا موطنا إلا فعلوا ذلك حتى يقتلوا -وهم حملة القرآن- فيضيع القرآن و ينسى، فلو جمعته و كتبته! فنفر منها أبوبكر وقال: أفعل ما لم يفعل رسول الله ﷺ! فتراجعا في ذلك. ثم أرسل أبوبكر إلى زيد بن ثابت، قال زيد: فدخلت عليه و عمر محزئل[1] فقال أبوبكر: إن هذا قد دعاني إلى أمر فأبيت عليه، وأنت كاتب الوحي، فإن تكن معه اتبعتكما، وإن توافقني لا أفعل. قال: فاقتص أبوبكر قول عمر، وعمر ساكت، فنفرت من ذلك وقلت: نفعل ما لم يفعل رسول الله ﷺ! إلى أن قال عمر كلمة: ”وما عليكما لو فعلتما ذلك؟“ قال: فذهبنا ننظر، فقلنا: لا شيء والله! ما علينا في ذلك شيء! قال زيد: فأمرني أبوبكر فكتبته في قطع الأدم وكسر الأكتاف والعسب. فلما هلك أبوبكر وكان عمر، كتب ذلك في صحيفة واحدة، فكانت عنده. فلما هلك، كانت الصحيفة عند حفصة زوج النبي ﷺ. ثم إن حذيفة بن اليمان قدم من غزوة كان غزاها بمرج أرمينية، فلم يدخل بيته حتى أتى عثمان بن عفان فقال: يا أمير المؤمنين! أدرك الناس! فقال عثمان: ”وما ذلك؟“ قال غزوت مرج أرمينية، فحضرها أهل العراق وأهل الشام، فإذا أهل الشام يقرؤون بقراءة أبي بن كعب، فيأتون بما لم يسمع أهل العراق، فتكفرهم أهل العراق. وإذا أهل العراق يقرؤون بقراءة ابن مسعود، فيأتون بما لم يسمع به أهل الشام، فتكفرهم أهل الشام. قال زيد: فأمرني عثمان بن عفان أكتب له مصحفاً، وقال: إني مدخل معك رجلا لبيباً فصيحاً، فما اجتمعتما عليه فاكتباه، وما اختلفتما فيه فارفعاه إلي. فجعل معه أبان بن سعد بن العاص، قال: فلما بلغنا ﴿إِنَّ ءَايَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ﴾ [البقرة:۲۴۸] قال: زيد فقلت: ’التابوه‘ وقال أبان بن سعيد: ’التابوت‘ فرفعنا

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذلك إلى عثمان فكتب: 'التابوت' قال: فلما فرغت عرضته عرضة، فلم أجد فيه هذه الأية: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ [الاحزاب:۲۳] قال: فاستعرضت المهاجرين أسألهم عنها، فلم أجدها عند أحد منهم، ثم استعرضت الأنصار أسألهم عنها، فلم أجدها عند أحد منهم، حتى وجدتها عند خزيمة بن ثابت، فكتبتها، ثم عرضته عرضة أخرى، فلم أجد فيه هاتين الأيتين: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ [التوبۃ:۱۲۸،۱۲۹] فاستعرضت المهاجرين، فلم أجدها عند أحد منهم، ثم استعرضت الأنصار أسألهم عنها فلم أجدها عند أحد منهم، حتى وجدتها مع رجل آخر يدعى خزيمة أيضاً، فأثبتها في آخر 'براءة' ولو تمت ثلاث آيات لجعلتها سورة على حدة۔ ثم عرضته عرضة أخرى، فلم أجد فيه شيئا، ثم أرسل عثمان إلى حفصة يسألها أن تعطيه الصحيفة، وحلف لها ليردنها إليها فأعطته إياها، فعرض المصحف عليها، فلم يختلفا في شيء۔ فردها إليها، وطابت نفسه، وأمر الناس أن يكتبوا مصاحف۔ فلما ماتت حفصة أرسل إلى عبدالله بن عمر في الصحيفة بعزمة، فأعطاهم إياها فغسلت غسلاً."

"زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب شمع نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے یمامہ میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے تھے تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اَصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح جانیں نچھاور کی ہیں، جس طرح شمع پر پروانے قربان ہوتے ہیں اور مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ اپنے گھروں کو لوٹنے کی بجائے اس وقت تک گستاخانِ نبوت کے خلاف برسرِپیکار رہیں گے جب تک جام شہادت نوش نہیں کر لیتے اور وہ سارے کے سارے وہ لوگ ہیں جو حاملین قرآن ہیں ان کی شہادت سے قرآن کے ضیاع کا خطرہ ہے، کیوں نہ ہو کہ ہم قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کر لیں اور لکھ لیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کام کو کرنے سے ہچکچائے اور کہا کہ میں وہ کام کیسے کروں جو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، شیخین کے مابین اس موضوع پر گفتگو جاری رہی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں ان کے ہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ پریشان حال بیٹھے ہیں تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ یہ مجھے ایک کام کے بارہ میں اصرار کرتے ہیں جبکہ میں نے انکار کر دیا ہے۔ آپ کاتب وحی ہیں اگر آپ ان کے ساتھ متفق ہیں تو میں آپ کا ساتھ دوں گا لیکن اگر آپ میری رائے سے اتفاق کریں تو تب میں یہ کام نہیں کروں گا۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ہم وہ کام کیسے کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کلمہ کہا: "اگر تم یہ کر لو تو تم پر کیا بوجھ آ پڑے گا" زید رضی اللہ عنہ کہتے، کہ ہم نے غور و خوض کی غرض سے مجلس برخاست کر دی۔ جب ہم نے اس کے جملہ پہلوؤں پر نظر دوڑائی تو پتہ چلا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے جمع کرنے کا حکم دیا جسے میں نے کھجور کے پتوں، ہڈیوں، چمڑے اور کاغذ کے ٹکڑوں میں سے جمع کر لیا۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ راہی آخرت ہوئے اور خلافت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی تو انہوں نے دوبارہ اُسے ایک صحیفہ میں لکھوایا اور اپنے پاس محفوظ رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں منتقل ہو گیا۔ پھر ایک روز سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اچانک آرمینیہ کی جنگ سے لوٹے اور اپنے گھر جانے کے بجائے سیدھے امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ اے امیر المؤمنین، لوگوں کی خبر لیجئے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا ماجرا کیا ہے تو انہوں نے عرض کیا میں ابھی ابھی مرج آرمینیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے لوٹا ہوں جہاں اہل شام اور اہل عراق جہاد میں مشغول ہیں۔ اہل عراق سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءات پڑھتے ہیں اور اہل شام جناب اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت پر ہیں جبکہ دونوں نے ایک دوسرے کی قراءات کو سنا تو اس کا اِنکار کردیا اور بات اس قدر بڑھی کہ دونوں ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے بلا کر اپنے لیے ایک مصحف لکھنے کا کہا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ ہم بطور معاون آپ کو ایک فصیح اللسان اور ذہین شخص فراہم کریں گے، جس پر تم دونوں متفق ہوجاؤ اُسے لکھ لو اور جس پر تمہارا اختلاف ہوجائے تو میری طرف رجوع کرو۔ لہٰذا انہوں نے ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو میرا معاون مقرر کیا، جب ہم ﴿إِنَّ ءَايَةَ مُلْكِهِۦٓ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ﴾ [البقرہ: ۲۴۸] پر پہنچے تو میں نے کہا: ﴿التابوہ﴾ جبکہ ابان رضی اللہ عنہ نے کہا: ﴿التابوت﴾ ہے۔ ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے التابوت تائے طویلہ کے ساتھ لکھا۔ کہتے ہیں کہ جب میں کتابت سے فارغ ہوا تو میں نے پورے مصحف کی مراجعت کی تو میں نے ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ...﴾ آیت نہ پائی۔ تو میں نے مہاجرین سے کہا کہ کسی کے پاس یہ آیت موجود ہے؟ تو ان کے پاس نہ پایا پھر میں نے انصار سے سوال کیا تو خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مل گئی جسے میں نے لکھ لیا اور دوسری بار پھر مراجعت کی تو سورۃ توبہ کی دو آخری آیات نہیں تھیں۔ مہاجرین اور انصار سے اس بارے میں دریافت کیا تو ان کے پاس نہ پائیں بالآخر خزیمہ نامی صحابی کے پاس مل گئیں جسے میں نے درج کرلیا۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر ایسی تین آیات مجھے مل جاتیں تو میں ایک علیحدہ سورۃ بنا دیتا۔ اس کے بعد میں نے مزید ایک دفعہ مراجعت کی تو میں نے ہر طرح سے مکمل پایا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مصحف منگوایا اور وعدہ کیا کہ یہ واپس لوٹایا جائے گا۔ پھر ان دونوں مصاحف کا موازنہ کیا گیا۔ اور دونوں کو متفق پایا تو مطمئن ہوگئے اور لوگوں کو اس کے مطابق سیکھنے کا حکم دے دیا۔ جب سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئی تو انہوں نے یہ مصحف سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کردیا تو انہوں نے حکام کے حوالے کردیا جسے بعد میں دھو دیا گیا۔‘‘

”عن أبي قلابة، قال: لما كان في خلافة عثمان، جعل المعلّم قراءة الرجل، والمعلم يعلم قراءة الرجل، فجعل الغلمان يلتقون فيختلفون، حتى ارتفع ذلك إلى المعلمين. قال أيوب: لا أعلمه إلا قال: حتى كفر بعضهم بقراءة بعض. فبلغ ذلك عثمان، فقام خطيباً فقال: ”أنتم عندي تختلفون فيه وتلحنون، فمن نأى عني من أهل الأمصار أشد فيه اختلافاً وأشد لحناً، اجتمعوا يا أصحاب محمد! فاكتبوا للناس إماما.“

قال أبو قلابة: فحدثني أنس بن مالك قال: كنت فيمن أملي عليهم، فربما اختلفوا في الآية فيذكرون الرجل قد تلقاها من رسول الله ﷺ، ولعله أن يكون غائباً أو في بعض البوادي، فيكتبون ما قبلها وما بعدها، ويدعون موضعها، حتى يجيء أو يرسل إليه. فلما فرغ من المصحف، كتب عثمان إلى أهل الأمصار: ”إني قد صنعت كذا وكذا، ومحوت ما عندي، فامحوا ما عندكم.“

’’ابی قلابہ سے مروی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں باقاعدہ معلّم مقرر کئے گئے، ایک معلّم کسی ایک صحابی کی قراءات سکھاتا جبکہ دوسرا کسی دوسرے صحابی کی، ہوا یہ کہ بچوں نے اختلاف شروع کردیا اور یہ بات معلّمین تک پہنچ گئی۔ ایوب راوی حدیث کہتے ہیں کہ شاید ابوقلابہ نے یہ بھی کہا کہ بعض نے بعض کی قراءت کا اِنکار شروع کردیا۔ جب یہ بات سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو وہ کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا کہ تم میرے پاس ہوتے ہوئے غلطیاں کرتے ہو اور اختلاف میں پڑے ہوئے ہو، یقیناً وہ لوگ جو ہم سے دور ہوں گے وہ زیادہ غلطیاں کرتے ہوں گے اور شدید اختلاف کا شکار ہوں گے، انہوں نے کہا کہ اے اصحاب محمد ﷺ جمع ہوجاؤ اور لوگوں کے لیے ایک ایسا مصحف لکھو جو امام

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے درجہ پر فائز ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جو قرآن کی کتابت کر رہے تھے۔ ہمارے درمیان بعض دفعہ کسی آیت میں اختلاف ہوتا تو ہمیں کہا جاتا کہ اسے فلاں بستی میں رہنے والے صحابی نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ سنا ہے تو ہم یوں کرتے کہ اس آیت سے پہلی اور بعد والی آیات لکھ دیتے اور اس کی جگہ خالی چھوڑ دیتے، یہاں تک کہ وہ آدمی خود آجاتا یا اُسے بلا لیا جاتا۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب مصاحف کی کتابت سے فارغ ہوگئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام شہروں کی جانب لکھ دیا کہ میں نے یہ کام کیا ہے اور اس کے علاوہ جو میرے پاس تھا اُسے ختم کر دیا ہے لہٰذا جو تمہارے پاس ہے اُسے تم بھی ختم کر دو۔''

عن أنس بن مالك الأنصاري أنه اجتمع في غزوة أذربيجان وأرمينية أهل الشام وأهل العراق، فتذاكروا القرآن، واختلفوا فيه حتى كاد يكون بينهم فتنة. فركب حذيفة بن اليمان -لما رأى اختلافهم في القرآن- إلى عثمان، فقال: "إن الناس قد اختلفوا في القرآن، حتى إني والله لأخشى أن يصيبهم مثل ما أصاب اليهود والنصارى من الاختلاف." قال: ففزع لذلك عثمان فزعا شديداً، فأرسل إلى حفصة فاستخرج الصحيفة التي كان أبوبكر أمر زيداً بجمعها، فنسخ منها مصاحف، فبعث بها إلى الآفاق."

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ آذربائیجان اور آرمینیہ کے غزوہ میں اہل عراق اور اہل شام کے ساتھ شامل تھے ان کے مابین قرآن کے بارے میں گفتگو شروع ہوگئی جو اس قدر شدت اختیار کرگئی کہ فتنہ کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ جب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کے بارے میں اختلاف دیکھا تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور فرمایا کہ لوگ قرآن میں اس قدر اختلاف کر رہے ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ ان کی حالت یہود و نصاریٰ سی ہوجائے گی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو بہت زیادہ پریشان ہوگئے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مصحف منگوایا اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قرآن کو جمع کرنے اور اس کی نقلیں تیار کرنے کا حکم دیا اور اس کو آفاق عالم میں پھیلا دیا۔''

"عن أنس بن مالك أن عثمان دعا زيد بن ثابت وعبدالله بن الزبير وسعيد بن العاص وعبدالرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها في المصاحف وقال عثمان للرهط القريشين الثلاثة: "إذا اختلفتم أنتم و زيد بن ثابت في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش، فإنما نزل بلسانهم" ففعلو ذلك." [صحیح البخاری: ۳۲۴۴]

''سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سعید بن العاص رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ مصحف ابوبکر کی کاپیاں تیار کریں اور قریشیوں کو یہ بھی کہا کہ جب تمہارے اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مابین کسی چیز میں اختلاف ہوجائے تو اُسے لغت قریش میں لکھو، کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔''

ترمذی کتاب التفسیر باب تفسیر سورۃ التوبۃ میں ''فإنه نزل بلسان قريش'' کے الفاظ بھی موجود ہیں یعنی وہاں حصر نہیں ہے۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ مذکورہ بالا دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان جمیع اختلافات اور نزاعات کو سامنے رکھتے ہوئے اُمت کو ایک حرف پر جمع کر دیا تھا اور یہی آپ کا وہ عظیم کارنامہ ہے جس کی وجہ سے آپ کو جامع القرآن کے عظیم لقب سے نوازا گیا ہے اور آپ کے اس کام کی بدولت اُمت میں جو قرآن کریم کے معاملہ میں فتنہ پیدا ہو رہا تھا، فرو ہوگیا۔ یہ تو ہم بعد میں واضح کریں گے کہ امام ابن جریر رحمہ اللہ کے پیش کردہ دلائل کس حد تک اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مؤقف کی تائید کر رہے ہیں اس سے پہلے ہم ذرا ان ائمہ کے اقوال بھی پیش کرنا چاہیں گے جو امام ابن جریر رحمہ اللہ کے موقف کے کسی نہ کسی طرح مؤیدین ہیں تاکہ جمیع آراء اور نصوص سامنے رکھتے ہوئے ان پر ایک جامع تجزیہ پیش کیا جاسکے۔

امام ابوجعفر الطحاوی رحمہ اللہ

"وكانت هذه السبعة للناس في هذه الحروف لعجزهم عن أخذ القرآن على غيرها مما لا يقدرون عليه لما قد تقدم ذكرنا له في هذا الباب وكانوا على ذلك حتى كثر من يكتب منهم وحتى عادت لغاتهم إلى لسان رسول الله ﷺ فقرءوا بذلك على تحفظ القرآن بألفاظه التي نزل بها فلم يسعهم حينئذٍ أن يقرءوه بخلافها وبأن بما ذكرنا أن تلك السبعة الأحرف إنما كانت في وقت خاص لضرورة دعت إلى ذلك ثم ارتفعت تلك الضرورة فارتفع حكم هذه السبعة الأحرف وعاد ما يقرأ به القرآن على حرفٍ واحدٍ" [مشكل الآثار:۴/۱۹۱،۱۹۰]

''لوگوں کے لیے حروف سبعہ کو اس وجہ سے نازل کیا گیا تھا کہ وہ ان حروف کے بغیر اَخذ قرآن سے ہی قاصر تھے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے اس وقت وہ ان حروف کو تلاوت کرتے رہے جب تک ان کے لیے مشکل تھا۔ لیکن جب یہ آپ ﷺ کی زبان کثرت سے لکھنا شروع ہوگئے اور ان کی زبانیں بولنے کی عادی ہوگئیں تو پھر ان کو دوبارہ اللہ کے رسول ﷺ کی لغت کے مطابق پڑھنے کا حکم دے دیا گیا تاکہ وہ قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری اَدا کرسکیں اور دیگر احرف پر پڑھنے کی وسعت ختم کردی گئی۔ گویا کہ اَحرف سبعہ پر تلاوت قرآن کی اجازت، خاص وقت اور خاص ضرورت کی بنا پر تھی جب ضرورت ختم ہوگئی تو اجازت بھی اٹھالی گئی اور حرف واحد کی قراءت شروع ہوگئی''۔

نوٹ: امام ابن جریر رحمہ اللہ اور طحاوی رحمہ اللہ کے مؤقف میں ایک فرق ہے اگرچہ نتیجہ کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اَحرف ستہّ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فتنہ کے اندیشہ سے باجماع صحابہ موقوف کردیا تھا لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کی اجازت ایک وقتی ضرورت کی بناء پر تھی جب یہ پوری ہوگئی تو وہ اجازت بھی خود بخود ختم ہوگئی یعنی انتهاء الحكم بانتهاء العلة کی ایک شکل تھی۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس سوال کہ آیا قراءاتِ سبعہ حروف سبعہ پر مشتمل ہیں یا حروفِ سبعہ میں سے کسی ایک پر؟ کے جواب میں فرمایا:

"فالذي عليه جمهور العلماء من السلف والأئمة أنها حرف من الحروف السبعة بل يقولون: إن مصحف عثمان هو أحد الحروف السبعة، وهو متضمن للعرضة الآخرة التي عرضها النبي ﷺ على جبريل . والأحاديث والآثار المشهورة المستفيضة تدل على هذا القول . " [مجموع الفتاوی:۱۳/۳۸۹]

''سلف میں سے جمہور اہل علم اور ائمہ اس بات کے قائل ہیں کہ موجودہ قراءاتِ سبعہ یہ احرفِ سبعہ میں سے صرف ایک حرف پر مشتمل ہیں بلکہ ان کا کہنا ہے کہ مصاحف عثمانیہ بھی اُسی ایک حرف پر ترتیب دیئے گئے ہیں جو آپ ﷺ نے عرضۂ اخیرہ میں سیدنا جبرئیل علیہ السلام سے مدارسہ کرتے ہوئے تلاوت فرمایا تھا، نیز احادیث مستفیضہ اور آثار مشہورہ بھی اسی قول کے مؤید نظر آتے ہیں۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا قاری طاہر رحیمی رحمہ اللہ

اِنسان کے علم میں وقت کے ساتھ ساتھ وسعت اور گہرائی آتی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے ائمہ کے مؤقف ایک وقت تک اور رہے جبکہ بعد ازاں ان کا رجحان کسی دوسری طرف ہوگیا۔ جن کی مثالیں کتب فقہ میں مذہب قدیم اور جدید کے نام سے معروف ہیں۔ بالکل اسی طرح حضرت مولانا قاری طاہر رحیمی رحمہ اللہ کے بارے میں معروف ہے کہ وہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ یا امام طحاوی رحمہ اللہ کے مؤقف کے گرویدہ نظر آتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے سبعہ احرف کی تشریح کبھی بھی ابن جریر رحمہ اللہ کے مؤقف سے نہیں فرمائی۔ کیونکہ وہ کشف النظر میں سبعہ اَحرف کی تشریح سبعہ لغات عرب سے فرماتے ہیں اور اس قول کے قائلین ابوعبید رحمہ اللہ، ابن عطیہ رحمہ اللہ، بیہقی وغیرہ کو قرار دیتے ہیں اور جب مزید تفصیل میں جاتے ہیں تو امام طحاوی رحمہ اللہ کے مؤقف کی طرف میلان نظر آتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ احرف سبعہ منسوخ ہوچکے ہیں اور آج مصحف صرف حرف قریش پر ہے۔ [کشف النظر: ۱/۸۸،۸۷]

لیکن دفاع قراء ات میں جب اس مسئلہ پر تفصیلی بحث فرمائی ہے تو ابن جریر کے مؤقف کو مرجوح قرار دیا ہے اور اس پر بارہ اعتراض کئے ہیں جو ان شاء اللہ ہم نقل کریں گے۔

ان کے علاوہ منّاع القطّان نے بھی ابن جریر ہی کے مؤقف کو اختیار کرتے ہوئے اسے راجح قرار دیا ہے۔ مزید کوئی اضافی بات نہیں کی جو لائق ذکر ہو۔

ابن جریر رحمہ اللہ کے مؤقف کا تجزیہ اور اُن پر وارد ہونے والے اِعتراضات

ابن جریر رحمہ اللہ کے بارے میں کہنا کہ یہ ایک بالکل ناقابل فہم مؤقف ہے، درست نہیں ہے۔ بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ انہوں نے منزل من اللہ اختلافات کی صرف ایک جہت کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ دوسرا یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جن حالات میں مصاحف مرتب کروائے تھے، اور ان کے مرتب اور شائع ہوجانے کے بعد اختلاف کا ختم ہوجانا انہیں اس طرف لے گیا ہے کہ انہوں نے شاید ایک حرف ہی باقی رکھا تھا۔ البتہ یہ کہنا مشکل اَمر ہے کہ سبعہ اَحرف کی صحیح ترین تشریح یہی ہے، کیونکہ اس مؤقف پر وارد ہونے والے اعتراضات اس رائے کو اختیار کرنے کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

مذکورہ مؤقف پر وارد ہونے والے اعتراضات

سب سے پہلے ہم مولانا تقی عثمانی حفظہ اللہ کے اس مؤقف پر اِعتراضات کو ایک نظر دیکھتے ہیں۔

① اس مؤقف پر حروف اور قراء ات کو دو الگ الگ چیزیں قرار دینا پڑتا ہے۔ یقیناً یہ الجھن ابن جریر رحمہ اللہ کے مؤقف میں باقی رہتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ سبعہ وجوہ والا مؤقف راجح ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ کے مؤقف کے نقص کو واضح کرنے کے لیے کسی ایسے مؤقف کو قطعاً اختیار نہیں کیا جاسکتا جو خود کئی اشکالات لیے ہوئے ہو، جو ہم پہلے واضح کرچکے ہیں۔

② ابن جریر رحمہ اللہ کے مؤقف پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ سات حروف میں سے چھ منسوخ یا متروک ہوگئے اور صرف حرف قریش باقی رہ گیا۔ ابن جریر رحمہ اللہ کے مؤقف میں واقعی یہ کمی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ صرف حرف قریش باقی ہے دیگر منسوخ ہوگئے ہیں۔ لیکن سبعہ وجوہ کے قائلین نے یہ کب کہا ہے کہ حرف قریش کے علاوہ دیگر لغات بھی اس میں موجود

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں، انہوں نے تو ایسی کوئی بات ذکر نہیں کی۔ بلکہ ہماری رائے کے مطابق مذکورہ حضرات (جزری وغیرہ) بھی یہ مانتے ہیں کہ موجودہ قراءات صرف حرف قریش ہی کی وجوہ مختلفہ ہیں، کیونکہ سبعہ وجوہ کا مؤقف اختیار کرنے والوں کے سرخیل ابن قتیبہ رحمہ اللہ ہیں جن کے بارے میں امام ابن جزری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ابوالفضل رازی رحمہ اللہ کا مؤقف، جو اَوجہ سبعہ میں سب سے بہتر تشریح ہے، ابن قتیبہ کے مؤقف کی ہی توضیح ہے۔ان سے نصاً منقول ہے کہ قرآن کریم صرف اور صرف لغت قریش میں نازل ہوا ہے اس کے علاوہ کسی دوسری لغت پر قطعاً نازل نہیں ہوا۔

③ ابن جریر رحمہ اللہ کے مؤقف پر ایک اعتراض یہ ہے کہ ابن جزری وغیرہ کے مؤقف کے حاملین بہت ہی جلیل القدر علماء ہیں۔ یہ بات تو شاید وجہ ترجیح نہ بن پائے، کیونکہ دوسری طرف بھی بہت ہی نابغۂ روزگار شخصیات ہیں۔لیکن اصل بات یہ ہے کہ تحقیق کی دنیا میں شخصیات کے بجائے دلائل کی قوت پر ہی بات ہونی چاہئے۔

البتہ مولانا نے امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے مؤقف پر ایک معتدل اور مدلل تنقید کی ہے جس کو ہم واقعی ایک وزنی اور مسکت تنقید سمجھتے ہیں۔ ذیل میں ہم انہی کے الفاظ نقل کرتے ہیں:

حافظ ابن جریر رحمہ اللہ کا نظریہ اور اُس کی قباحتیں

حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے چونکہ اپنا یہ نظریہ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں بڑی تفصیل اور جزم و وثوق کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔اس لیے یہ قول بہت مشہور ہوگیا اور آج کل حروف سبعہ کی تشریح عموماً اسی کے مطابق کی جاتی ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیشتر محقق علماء (ان علماء کے اَسماء گرامی آگے آرہے ہیں) نے اسے اختیار نہیں کیا بلکہ اس کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے۔ کیونکہ اس قول پر متعدد اُلجھنیں ایسی کھڑی ہوجاتی ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہے۔

اس نظریہ پر سب سے پہلا اعتراض تو وہی ہوتا ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس میں 'حروف' اور 'قراءات' کو دو الگ الگ چیزیں قرار دیا گیا ہے۔حالانکہ یہ بات کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ ایک طرف تو یہ تسلیم فرماتے ہیں کہ ساتوں حروف منزل من اللہ تھے۔ دوسری طرف یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے سے چھ حروف کی تلاوت کو ختم فرما دیا حالانکہ اس بات کو باور کرنا بہت مشکل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُن حروف کو یکسر ختم کرنے پر متفق ہوگئے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائش پر اُمت کی آسانی کے لیے نازل فرمائے تھے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع بیشک دین میں حجت ہے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ ممکن معلوم نہیں ہوتا کہ جس چیز کا قرآن ہونا تواتر کے ساتھ ثابت ہو، اُسے وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دینے پر متفق ہوجائیں۔

حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ دراصل امت کو قرآن کریم کی حفاظت کا حکم ہوا تھا اور اسے ساتھ ہی یہ اختیار بھی دے دیا تھا کہ وہ سات حروف میں سے جس حرف کو چاہے اختیار کرلے، چنانچہ اُمت نے اس اختیار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک اجتماعی مصلحت کی خاطر چھ حروف کی تلاوت چھوڑ دی اور ایک حرف کی حفاظت پر متفق ہوگئی۔ اس اقدام کا منشاء نہ اُن حروف کو منسوخ قرار دینا تھا اور نہ اُن کی تلاوت کو حرام قرار دینا تھا، بلکہ اپنے لیے اجتماعی طور پر ایک حرف کا انتخاب تھا۔

لیکن یہ جواب بھی اس لیے کمزور معلوم ہوتا ہے کہ اگر صورت یہی تھی تو کیا یہ مناسب نہ تھا کہ اُمت اپنے عمل کے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے خواہ ایک حرف کو اختیار کرلیتی، باقی چھ حروف کا وجود سرے سے ختم کرنے کے بجائے اُسے کم از کم کسی ایک جگہ محفوظ رکھتی، تاکہ اُن کا وجود ختم نہ ہو، قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ [الحجر:۹]

''بلا شبہ ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

جب ساتوں حروف قرآن تھے تو اس آیت کا صاف تقاضا یہ ہے کہ وہ ساتوں حروف قیامت تک محفوظ رہیں گے اور کوئی شخص ان کی تلاوت چھوڑنا بھی چاہے تو وہ ختم نہیں ہوسکیں گے، حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اس کی نظیر میں یہ مسئلہ پیش کیا ہے کہ قرآن کریم نے جھوٹی قسم کھانے کے کفارے میں انسانوں کو تین باتوں کا اختیار دیا ہے، یا تو وہ ایک غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا دس مسکینوں کو کپڑے دے۔ اب اگر اُمت باقی صورتوں کو ناجائز قرار دیئے بغیر اپنے عمل کے لیے ان میں سے کوئی ایک صورت اختیار کرلے تو یہ اُس کے لیے جائز ہے، اسی طرح قرآن کے سات حروف میں سے اُمت نے ایک حرف کو اجتماعی طور پر اختیار کرلیا، لیکن یہ مثال اس لیے درست نہیں کہ اگر امت کفارۂ یمین کی تین صورتوں میں سے ایک صورت اس طرح اختیار کرلے کہ باقی صورتوں کو ناجائز تو نہ کہے لیکن عملاً ان کا وجود بالکل ختم ہوکر رہ جائے اور لوگوں کو صرف اتنا معلوم رہ جائے کہ کفارۂ یمین کی دو صورتیں اور تھیں جن پر اُمت نے عمل ترک کردیا، لیکن وہ صورتیں کیا تھیں؟ اُن کا جاننے والا بھی کوئی باقی نہ رہے تو یقیناً اُمت کے لیے ایسے اقدام کی گنجائش نہیں ہے۔

پھر سوال یہ ہے کہ باقی چھ حروف کو ترک کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟ حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مسلمانوں میں ان حروف کے اختلاف کی وجہ سے شدید جھگڑے ہورہے تھے۔ اس لیے حضرت عثمان نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے یہ مناسب سمجھا کہ ان سب کو ایک حرف پر متحد کردیا جائے، لیکن یہ بھی ایسی بات ہے جسے باور کرنا بہت مشکل ہے۔ حروف کے اختلاف کی بناء پر مسلمانوں کا اختلاف تو خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی پیش آیا تھا، احادیث میں ایسے متعدد واقعات مروی ہیں کہ ایک صحابی نے دوسرے صحابی کو مختلف طریقے سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے سنا تو باہمی اختلاف کی نوبت آ گئی، یہاں تک کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو حضرت ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے گلے میں چادر ڈال کر انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے تھے۔ اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حروف کا یہ اختلاف سن کر میرے دل میں زبردست شکوک پیدا ہونے لگے تھے، لیکن اس قسم کے واقعات کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حروف سبعہ کو ختم کرنے کے بجائے انہیں حروف کی رخصت سے آگاہ فرمایا، اور اس طرح کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوسکا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بعید ہے کہ انہوں نے اس اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کے بجائے چھ حروف ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا ہو۔

پھر عجیب بات ہے کہ علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کے قول کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم نے چھ حروف تو اختلاف کے ڈر سے ختم فرما دیئے اور قراءتیں (جو اُن کے قول میں حروف سے الگ ہیں) جوں کی توں باقی رکھیں، چنانچہ وہ آج تک محفوظ چلی آتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ افتراق و اختلاف کا جو اندیشہ مختلف حروف پر قرآن کی تلاوت جاری رکھنے میں تھا کیا وہی اندیشہ قراءات کے اختلاف میں نہیں تھا؟ جبکہ ان قراءتوں کی روشنی میں بعض مرتبہ ایک ایک لفظ بیس بیس مختلف طریقوں سے پڑھا جاتا ہے؟ اگر چھ حروف ختم کرنے کا منشاء یہی تھا کہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو اور وہ سب ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طریقہ سے قرآن کی تلاوت کیا کریں تو قراءتوں کے اختلاف کو آخر کیوں ختم نہیں کیا گیا؟ جب قراءات کے اختلاف کو باوجود مسلمانوں کے انتشار کو روکا جاسکتا تھا اور مسلمانوں کو یہ سمجھایا جاسکتا تھا کہ ان تمام طریقوں سے تلاوت جائز ہے تو یہی تعلیم حروف سبعہ کے باب میں فتنہ کا سبب کیوں سمجھ لی گئی؟ حقیقت یہ ہے کہ حافظ ابن جریر رحمہ اللہ کے قول پر 'حروف سبعہ' اور 'قراءات' کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف ایسی حیرت انگیز دو عملی منسوب کرنا پڑتی ہے جس کی کوئی معقول توجیہ سمجھ میں نہیں آتی۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف اتنے بڑے اقدام کی نسبت کسی صریح اور صحیح روایت کی بناء پر نہیں بلکہ بعض مجمل الفاظ کی قیاسی تشریح کے ذریعہ کی گئی ہے۔ جن روایات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع قرآن کا واقعہ بیان ہوا ہے اس میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ انہوں نے چھ حروف کو ختم فرما دیا تھا بلکہ اس کے خلاف دلیلیں موجود ہیں جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اب کسی صحیح اور صریح روایت کے بغیر یہ کہنا کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُن چھ حروف کو بالکل بے نشان کردینا گوارا کرلیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار فرمائش پر بذریعہ وحی نازل ہوئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جمع و ترتیبِ قرآن کے نیک کام میں محض اس لیے تأمل رہا ہو کہ یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، جنہوں نے قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کو محفوظ رکھنے میں اپنی عمریں کھپائی ہوں اور جنہوں نے منسوخ التلاوۃ آیات تک کو محفوظ کرکے اُمت تک پہنچایا ہو، اُن سے یہ بات بے انتہا بعید ہے کہ وہ سب کے سب چھ حروف کو ختم کرنے پر اس طرح متفق ہوجائیں کہ آج اُن حروف کا کوئی نام و نشان تک باقی نہ رہے، جن آیات کی تلاوت منسوخ ہوچکی تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں بھی کم از کم تاریخی حیثیت میں باقی رکھ کر ہم تک پہنچایا ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ وہ 'حروف' جن کے بارے میں حافظ ابن جریر رحمہ اللہ بھی تسلیم فرماتے ہیں کہ وہ منسوخ نہیں ہوئے، بلکہ محض مصلحۃً اُن کی قراءت و کتابت ختم کردی گئی، اُن کی کوئی ایک مثال کسی ضعیف روایت میں بھی محفوظ نہ رہ سکی۔

یہی وجہ ہے کہ بیشتر محقق علماء نے حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے اس قول کی تردید فرمائی ہے۔ [علوم القرآن: ۱۱۹، ۱۲۱]
اس کے علاوہ متعدد علماء نے اس پر کئی ایک اعتراضات کئے ہیں۔ شیخ الزرقانی رحمہ اللہ نے مناهل العرفان میں کہا ہے کہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے مؤقف پر بارہ اعتراضات وارد ہوتے ہیں، جنہیں مولانا قاری طاہر رحیمی صاحب نے دفاع قراءات میں بھی درج کیا ہے ہم شیخ زرقانی رحمہ اللہ کے اعتراضات کو قاری طاہر رحیمی کی زبانی نقل کرتے ہیں:

① اس قول کا رجوع، لفظی اختلاف کی سات انواع تو کُجا اُن میں سے صرف ایک کامل نوع کی طرف بھی نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک نوع کے بعض حصے یعنی إبدال كلمه بأخرىٰ علىٰ شرط الترادُف ہی کی طرف ہوتا ہے تو قراءات متواترہ مكتوبة بين دفتي المصحف کی اس نوع کے علاوہ دیگر متعدد انواع جو تاقیامت باقی ہیں اُن انواع کے احاطہ سے یہ قول، قاصر اور اُن کے لیے غیر جامع ثابت ہوا۔ [مناہل: ۱۶۸]

② قول ہذا کے قائلین کے نزدیک اس وقت سبعہ احرف میں سے صرف ایک حرف باقی ہے اور باقی چھ احرف کا قطعی کوئی وجود نہیں لیکن یہ حضرات کسی بھی دلیل سے اُن چھ احرف کی منسوخیت یا مرفوعیت قطعاً ثابت نہیں کرسکتے ہیں۔

③ اس مسلک کے قائلین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف ایک حرف کے ثبوت اور بقیہ چھ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَحرف کے ترک پر اجماع منعقد ہو چکا ہے لیکن اجماع کا یہ دعویٰ قطعاً بے دلیل ہے۔

④ ان حضرات کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ''عہد عثمانی میں عثمانی مصاحف کا لکھوانا اُمت کی جانب سے احرف ستہ کے ترک اور صرف اُس ایک حرف کی بقاء واقتصار پر اجماع ہے جو عثمانی مصاحف میں لکھا گیا ہے'' باوجود یہ کہ دلائل سے یہ اَمر ثابت ہے کہ عثمانی مصاحف میں حرفاً حرفاً ساتوں احرف باقی ہیں۔

⑤ ان حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ ''عہد عثمانی میں اختلاف قراءات کی وجہ سے اُمت کا اس حد تک تنازع ہوا کہ بعض نے بعض کی تکفیر تک شروع کر دی اور اس فتنہ پردازی کے خوف سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اُس وقت کے بقید حیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ مناسب سمجھا کہ سب لوگوں کو ایک ہی حرف پر جمع کر کے باقی چھ احرف کو ترک کر دیا جائے۔'' لیکن ان حضرات کی توجہ اس جانب مبذول نہ ہو سکی کہ تعدُّدِ وجود قراءات تو درحقیقت منجانب اللہ اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رحمت کا معاملہ ہے اور ان وجود کا تو خود حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کر کے تخفیف کی درخواست فرمائی تھی اور متعدد وجوہ قراءات کا حوالہ دے کر ہی تو حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزاع و جدال کا عقدہ حل فرمایا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے تسلیم کرنے پر آمادہ کیا تھا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس فعل وسلوک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت وتخفیف والے اُس دروازے کو کیونکر بند کر سکتے تھے جس کو ذات خُداوندی نے خاص اُمت اسلامیہ کے لیے مفتوح فرمایا تھا۔ [صفحہ:۱۶۹]

⑥ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وفعل کے ذریعہ اس امر کی تقریر فرمائی ہے کہ کوئی بھی شخص، احرف سبعہ نازلہ میں سے کسی بھی حرف کے موافق پڑھے اُسی میں وہ حق وصواب طریقہ پر پہنچے گا۔ اور کسی بھی شخص کے لیے قطعاً یہ اجازت نہیں کہ وہ کسی بھی شخص کو احرف سبعہ نازلہ میں سے کسی بھی حرف کے موافق پڑھنے سے منع کرے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف قراءات کی بابت باہم اختلاف کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک صحابی سے یہی فرمایا هکذا أنزلت، أصبت، أحسنت، نیز جب اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو اختلاف قراءات کے تسلیم کرنے کے بارے میں کچھ تردّد لاحق ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے سینے پر دست مبارک مار کر اُن کے تردّد کو دور فرما دیا۔ علیٰ ہذا ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: «فَأَيُّمَا حَرْفٍ قَرَءُوْا عَلَيْهِ فَقَدْ أَصَابُوْا» نیز روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں فرمان عالی ''کلاکما محسن'' اور روایت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ میں ارشاد نبوی «فَأَيَّ ذٰلِكَ قَرَأْتُمْ أَصَبْتُمْ» نیز حضور علیہ السلام کا، اختلاف قراءات کا مقدمہ لے کر حاضر خدمت ہونے والے کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ (عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وغیرھما) کے معارضہ پر ان کی موافقت نہ فرمانا بلکہ ان کی تردید فرما کر ہر دو طُرق اختلاف قراءات کی تصدیق فرمانا، نیز ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم «فَلَا تَمَارَوْا فِيْهِ فَإِنَّ الْمِرَاءَ فِيْهِ كُفْرٌ». یہ تمام اُمور بلا ریب اس امر کی دلیل ہیں کہ کسی بھی شخص کو نازل شدہ احرف سبعہ میں سے کسی بھی حرف کے موافق تلاوت کرنے سے منع کرنے کی قطعی ممانعت ہے۔ ایسی صورت حال میں یہ کہنا کیونکر درست ہے کہ ''عہد عثمانی میں صرف ایک حرف کو باقی رکھ کر باقی چھ حروف کو متروک قرار دے دیا گیا تھا۔'' [صفحہ:۱۴۳]

⑦ مصاحف عثمانیہ رضی اللہ عنہ کو اُن صحف بکریہ سے نقل کیا گیا تھا جو اختلاف حروف قراءات کے سبب اقطار اسلام میں نزاع و شقاق کی صورت حال پیدا ہونے سے پہلے لکھے گئے تھے اور صحف بکریہ ساتوں احرف کے جامع و حامل

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے، کیونکہ اُس وقت تک نزاع و شقاق کی وہ صورت حال پیدا نہ ہوئی تھی جو ان حضرات کے خیال کے مطابق صرف ایک حرف پر اقتصار واکتفاء کی متقاضی و باعث بنی اور یہ بات کسی بھی دلیل سے ثابت نہیں کہ عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صحف بکریہ میں سے کسی ایک حرف کو بھی ترک کیا ہو چہ جائیکہ پورے چھ کے چھ احرف ہی کو ان حضرات نے اُڑا دیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ چیز ہم تک متواتراً منقول ہوتی باوجود یہ کہ غیر متواتر طریق سے بھی یہ چیز ثابت نہیں ہوئی، معلوم ہوا کہ عہد عثمانی میں چھ احرف کی متروکیت کا قضیہ قطعی بے بنیاد ہے۔[صفحہ:۱۷۰]

⑧ اگر قائلین مسلکِ ہذا کے قول کے مطابق عہد عثمانی میں اُمت چھ احرف کے ترک اور صرف ایک ہی حرف کے ابقاء پر متفق ہوگئی ہوتی تو ناممکن ہے کہ اس کے بعد بھی علماء خواہ مخواہ ان اَحرفِ سبعہ کی تفسیر کے متعلق چالیس اَقوال کی حد تک باہم اختلاف کرتے اور قائلین مسلک ہذا کے علی الرغم یہ سب علماء اس اَمر پر متفق الرائے ہو جاتے کہ یہ ساتوں احرف باقی و ثابت ہیں جبکہ اجماع علماء، حجت ہے لہٰذا ان ساتوں ہی احرف پر باقی و ثابت تسلیم کرنا ہوگا۔

⑨ اگر یہ تسلیم بھی کرلیں کہ بزمانۂ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ، اقطار الارض میں نزاع مسلمین کی وجہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس بات پر مجبور ہوگئے تھے کہ سب مسلمانوں کو تلاوت قرآن کے بارے میں صرف ایک ہی حرف پر جمع کردیا جائے تو پھر بھی یہ اشکال ہے کہ بقاعدۂ الضرورۃ تقدر بقدرھا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایسی صورت حال میں صرف قراءات کی حد تک تو ان چھ احرف کی ممانعت کردیتے مگر کم ازکم تاریخ کے صفحات میں تو ان کے تذکرہ کو ضرور برقرار رکھتے باوجود یہ کہ یہ احرف ستہ نہ تلاوۃً منسوخ ہیں نہ حکماً اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وسلف صالحین واکابر عظام نے تو ان سے بھی کمتر چیزیں مثلاً آیات منسوخہ، قراءات شاذہ، احادیث منسوخہ بلکہ احادیث موضوعہ تک اوراق تاریخ میں محفوظ کردی ہیں۔ پس جب تاریخ میں بھی ان احرف ستہ مترادفہ متروکہ کا کوئی ذکر موجود نہیں تو لامحالہ تسلیم کرنا ہوگا کہ قراء ات متداولہ میں بھی یہ سب کے سب احرف ثابت و باقی ہیں (معلوم ہوا کہ احرف سبعہ، کلمات مترادفہ کے معنی میں نہیں بلکہ سبعہ لغات وغیرہ ان احرف سبعہ کے مصداق ہیں۔)[صفحہ:۱۷۱]

⑩ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دفاع قرآن اور محافظت قراءات میں اس قدر متصلب و بیدار مغز ومحتاط تھے کہ جہاں کہیں کوئی معمولی سی نئی بات بھی اپنے اَخذ کردہ طریقۂ اَدا کے برخلاف سنتے فوراً پوری ہمت وتندہی کے ساتھ اس کے خلاف برسرپیکار ہو جاتے اپنے مؤقف پر انتہائی سختی ومضبوطی کامل جرأت وقوت کے ساتھ جم جاتے اور کامل تشفی وتسلی ہوئے بغیر قطعاً اس سے ہٹنے کا نام نہ لیتے۔ دیکھئے! ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ اپنی قراءات میں فی الواقع حق پر تھے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے وہ یہ بھی کہتے جارہے تھے کہ مجھے یہ قراءات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے مگر اس کے باوجود عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُن کی ایک نہ سُنی اور ان کو کشاں کشاں خدمت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لے آئے اور فیصلہ کے خواستگار ہوئے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہشام رضی اللہ عنہ کی قراءت کی تصویب فرما دی تب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُنہیں چھوڑا۔ ایسی صورت حال میں یہ قطعاً ناممکن ومستبعد ہے کہ عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے چھ احرف کے ترک پر اجماع کرلیا ہو۔[مناہل:۱۴۴،۱۴۵]

⑪ قراءاتِ حاضرہ متداولہ میں الفاظ مترادفہ نیز لغات قبائل وغیرہ کی قسم سے مختلف اَنواع کا اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس مذہب کے قائلین کی رائے کے موافق، باوجود اس قدر کثرت و وسعت کے پورے کے پورے اختلاف

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا رجوع صرف ایک ہی حرف کی طرف ہو رہا ہے، جو باطل ہے۔

⑭ احرف سبعہ کی حکمت، قرآنی اداء میں اُمت اسلامیہ کو تخفیف و آسانی کا مہیا کرنا ہے اور یہ حکمت تبھی باقی رہ سکتی ہے جبکہ پورے کے پورے سبعہ اَحرف کو باقی مانا جائے لہٰذا چھ احرف کی متروکیت کا قول غلط ہے۔

[مناہل: ۱۷۲]

ان کے علاوہ مزید چند ایک اعتراضات ایسے ہیں جو ابن جریر رحمہ اللہ کے مؤقف کی ترجیح میں ہمارے سامنے حائل ہیں:

① اس بارے میں ایک اہم دلیل یہ ہے کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو جمع کرنے کا پروگرام مرتب کیا تو سب سے پہلے صحابہ کو خطاب فرمایا جس میں صحابہ سے اس بات کا اِقرار لیا گیا کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن سبعہ اَحرف پر اترا ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ اتنے صحابہ نے ہاتھ کھڑے کر کے گواہی دی کہ ان کا شمار مشکل تھا۔

اس حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اگر حروف ستہ کو منسوخ کرنا تھا، جیسا کہ ابن جریر رحمہ اللہ کا مؤقف ہے، تو صحابہ سے نزول سبعہ اَحرف کے باب میں تائید کی ضرورت ہرگز نہ تھی بلکہ سوال یوں کرتے کہ کیا تم جانتے ہو کہ سبعہ اَحرف کو اللہ رب العزت نے انسانوں کی آسانی کی خاطر اتارا تھا اور اُمت کو یہ اختیار بخشا تھا کہ اس میں سے جس کو چاہے اختیار کرلیں۔ اور آج چونکہ اُمت میں ایسا اختلاف پیدا ہوگیا ہے جس کی وجہ سے ضروری ہے کہ احرف ستہ کو ختم کر دیا جائے اور ایک حرف کو باقی رکھ کر اختلاف کا سدباب کیا جائے، اس پر مجھے جمیع اصحاب کی رائے درکار ہے۔ اور صحابہ اس پر اتفاق کر لیتے۔ یہ صورت تھی کہ وہ صحابہ سے مشورہ کرتے اور اُمت کے سامنے واضح ہو جاتا کہ واقعی احرف ستہؔ جو کہ صرف مترادفات کا اختلاف ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باجماع صحابہ ختم فرما دیے تھے۔

اس کے برعکس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا صحابہ سے یہ پوچھنا کہ سبعہ اَحرف کا واقعی نزول ہوا ہے؟ تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آپ سبعہ اَحرف کی بقاء کے لیے اور اس کے مطابق مصاحف تیار کرنے کے لیے صحابہ سے بھی مہر توثیق ثبت کروانا چاہتے تھے۔ لہٰذا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مذکورہ عمل ہی احرف ستہ کے عدم تنسیخ و توقیف پر ظاہر و باہر ہے چہ جائیکہ مزید خارجی قرائن بھی اس کے مؤید ہوں۔

② امام ابن جریر رحمہ اللہ کے مؤقف کے مطابق اَحرفِ سبعہ سے مراد صرف مترادفات کا اختلاف ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ جو اختلاف آج کل موجود ہے وہ کیا اَحرف سبعہ کے نزول سے پہلے کا ہے؟ اور اگر پہلے کا ہے تو کیا صرف قریش کے لیے ان جمیع لہجات کو نازل کیا گیا تھا؟ یعنی امالہ بھی ان کے لیے نازل کیا گیا اور تحقیق بھی؟ ابدال بھی ان کی مشکل کو رفع کرنے کے لیے اُتارا گیا اور تسہیل کے نزول کی بھی یہی غرض تھی؟ اور یہی مسئلہ ادغام و اظہار وغیرہ کے نزول میں پیش نظر تھا؟۔ تو یہ بات تو عملی طور پر ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک ہی قبیلہ کے افراد کئی ایک لہجات کے حامل ہوں جبکہ علماء لغت اور ائمہ قراءات نے اس بات کی صراحت بھی کی ہے کہ فلاں طرز اَدا کا تعلق فلاں قبیلے سے تھا مثلاً ھمزہ کے بارے میں یہ قول معروف ہے کہ قریش ھمزہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ ابدال کرتے تھے وغیرھم۔ اور اگر یہ کہا

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے کہ نہیں یہ جمیع اختلافات بعد ازاں نازل ہوئے ہیں تو کب نازل ہوئے؟ اور ان کے بطور قرآن نزول کی تاریخ اور دلیل کیا ہے؟ آپ انتہائی محنت اور جانفشانی سے ذخیرۂ حدیث کھنگال لیں تو سوائے ''أنزل القرآن علی سبعة أحرف'' کے، ایسی کوئی ایک روایت بھی نہ ڈھونڈ سکیں گے۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ان کا نزول ہوگیا تھا تو پھر باقی جمیع احرف کو ختم کرکے صرف انہی اختلافات کو باقی رکھنے کی کیا دلیل ہے؟ یقیناً مذکورہ سوالات کا اس کے علاوہ کوئی بھی جواب ممکن نہیں ہے کہ یہ جمیع اختلاف قراءات سبعہ احرف کے ہی ذیل میں داخل ہیں اور سبعہ احرف ہی کے ذریعہ ان کا نزول ہوا ہے اور انہیں اختیار کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ لہٰذا سبعہ اَحرف کی جو تشریح حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے فرمائی ہے وہ ایک ناقص، مرجوح اور ناقابل فہم تشریح ہے جو اپنے اندر بے شمار لاینحل پیچیدگیاں لیے ہوئے ہے۔

سبعہ اَحرف بمعنی سبع لغات متفرقة فی القرآن

اس قول کے قائلین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ، ابن عطیہ رحمہ اللہ، امام بیہقی رحمہ اللہ، ابوحاتم السجستانی رحمہ اللہ، ثعلب رحمہ اللہ، احمد الازھری رحمہ اللہ اور امام دانی رحمہ اللہ وغیرہم شامل ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

''نزل القرآن بلغة مضر'' [فتح الباری:۹/۲۷]

''قرآن کریم مضر کی لغت میں نازل کیا گیا ہے۔''

- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

''وعين بعضهم فيما حكاه ابن عبد البر السبع من مضر أنهم هذيل وكنانة وقيس وضبة وتيم الرّباب وأسد بن خزيمة وقريش فهذه قبائل مضر تستوعب سبع لغات.''

''بعض لوگوں نے لغاتِ مضر کی تعیین بھی کی ہے۔ جیسا کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مضر کی سات لغات سے ھذیل، کنانہ، ضبۃ، قیس، تیم الرباب، اسد بن خزیمہ اور قریش مراد ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

''نزل القرآن على سبع لغات منها خمس بلغة العجز من هوازن والعجز سعد بن بكر وجشم ابن بكر ونصر بن معاوية و ثقيف و هؤلاء كلهم من هوازن ويقال: هم عليا هوازن.''

[فتح الباری:۸/۲۷]

''قرآن کریم سبع لغات پر نازل کیا گیا ہے جن میں پانچ عجز ھوازن سے ہیں جن میں سعد بن بکر، جشم بن بکر، نصر ابن معاویہ اور ثقیف کی لغات شامل ہیں، انہیں علیا ھوازن بھی کہا جاتا ہے۔''

ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ

سبعہ لغات کے قول کی نمائندہ شخصیت ابوعبید ہی ہیں، فرماتے ہیں:

''نزل القرآن على سبعة أحرف والأحرف لا معنى لها إلا اللغات.'' [فضائل القرآن:۲/۱۷۵]

''قرآن سبعہ اَحرف پر نازل ہوا ہے اور سبعہ اَحرف کا معنی صرف اور صرف لغات ہیں۔''

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”ليس معنى تلك السبعة أن يكون الحرف الواحد يقرأ على سبعة أوجه هذا شيء غير موجود ولكنه عندنا إنه نزل على سبع لغات متفرقة في جميع القرآن من لغات العرب فيكون الحرف منها بلغة قبيلة والثاني بلغة أخرى سوى الأولى والثالث بلغة أخرى سواهما كذلك إلى السبعة وبعض الأحياء أسعد بها وأكثر حظاً فيها من بعض . “

[فضائل القرآن:۲/۹،۱۶۸]

’’سبعہ اَحرف کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ ایک ہی حرف میں سات وجوہ پائی جائیں ایسا بالکل موجود نہیں۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن سبع لغات پر نازل ہوا ہے جو متفرق طور پر قرآن میں موجود ہیں۔ ایک حرف ایک لغت پر، دوسرا دوسری پر اور تیسرا ان دونوں کے علاوہ ایک تیسری لغات پر ہے یہاں تک کہ سات لغات مکمل ہوجائیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام قبائل کی لغات ایک ہی تناسب سے موجود ہوں بلکہ بعض قبائل اس میں زیادہ سعادت مند ٹھہرے ہیں کہ ان کی لغات پر قرآن کا زیادہ حصہ نازل ہوا ہے۔‘‘

امام ابوحاتم السجستانی رحمہ اللہ

◉ امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”نزل بلغة قريش وهذيل و تميم والأزد و ربيعة و هوازن و سعد بن بكر . “

’’قرآن کریم لغت قریش، ھذیل، تمیم، ازد، ربیعہ، ھوازن اور سعد بن بکر پر نازل ہوا ہے۔‘‘

[الاتقان:۱/۹۵، فتح الباری:۹/۲۷]

ابن عطیہ رحمہ اللہ

ابن عطیہ رحمہ اللہ بھی سبعہ اَحرف کی تشریح سبعہ لغات سے کرتے ہیں اور اس پر اُنہوں نے المحرر الوجیز کے مقدمہ میں تفصیلی بحث کی ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ قرآن کریم کو سبعہ لغات پر ہی کیوں اُتارا گیا ہے، ذیل میں ہم صرف ان کا سبعہ اَحرف بمعنی سبعہ لغات کے باب میں تائیدی قول پیش کرتے ہیں:

”إن القرآن منزل على سبعة أحرف من اللغات والإعراب وتغيير الأسماء والصور وإن ذلك مفترق في كتاب الله ليس بموجود في حرف واحد وسورة واحدة . “

[المحرر الوجيز:۱/۴۰،۳۹]

’’بلا شبہ قرآن کریم لغات کی سات اقسام پر نازل کیا گیا ہے جس میں اعراب، اَسماء اور الفاظ کی شکل کی تبدیلی کا اختلاف شامل ہے جو کسی ایک کلمہ میں نہیں بلکہ پورے قرآن میں پھیلا ہوا ہے۔‘‘

دوسری جگہ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وأنا ألخص الغرض جهدي بحول الله ، فأصل ذلك وقاعدته قريش ثم بنو سعد بن بكر لأن النبي ﷺ قرشي و استرضع في بني سعد و نشأ فيهم ثم ترعرع وعقت تمائمه وهو يخالط في اللسان كنانة وهذيلاً وثقيفا و خزاعة وأسداً وضبة وألفافها لقربهم من مكة و تكرارهم عليها ثم بعد هذه تميماً وقيساً ومن إنضاف إليهم وسط الجزيرة العرب فلما بعثه الله تعالىٰ ويسّر عليه أمر الأحرف أنزل عليه القرآن بلغة هذه الجملة المذكورة . “

[المحرر الوجيز:۱/۴۲]

’’میں پوری بحث کو یوں دیکھتا ہوں کہ بنیادی زبان، جس پر قرآن نازل ہوا، قریش ہے اور پھر بنوسعد بن بکر۔ کیونکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ خود قریشی ہیں اور آپ ﷺ نے پرورش اور نشو و نما بنو سعد میں پائی ہے اسی طرح آپ کی زبان میں کنانہ، ھذیل، ثقیف، خزاعہ، اسدان کے حلفا کی ملاوٹ ہے نیز آپ ﷺ قیس و تمیم اور وسطی جزیرۃ العرب کی لغات کے بھی امین ہیں۔ لہٰذا جب اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو قرآن کو ان جملہ عرب کے افصح لہجوں کی پوشاک پہنائی۔''

- امام بیہقی رحمہ اللہ شعب الایمان میں فرماتے ہیں:

"إنه الصحيح أي المراد اللغات السبع" [البرهان:۱/۱۱۰]

''صحیح ترین مذہب یہی کہ اَحرف سبعہ سے مراد لغات سبعہ ہیں۔''

اسی طرح امام محمد الازہری الشافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب التہذیب میں فرماتے ہیں:

''مختار مذہب یہی ہے کہ اَحرفِ سبعہ سے مراد سبعہ لغات ہی ہیں۔'' [البرہان:۱/۲۰۹]

ان کے علاوہ احمد بن الثعلب النحوی اور صاحب قاموس فیروز آبادی کا بھی یہی مذہب کہ سبعہ اَحرف کی صحیح تشریح سبعہ لغات ہی ہیں۔

مذکورہ قول پر وارد ہونے والے اعتراضات اور ان کا تجزیہ

مذکورہ قول پر ابھی تک جو اعتراضات کئے گئے وہ تین سے زیادہ نہیں ہیں۔ ذیل میں ہم ان اعتراضات کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی علمی اور عقلی حیثیت واضح کرتے ہیں:

پہلا اعتراض

اس قول پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس کے حاملین نے سبعہ لغات کی تعیین میں اختلاف کیا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ اور ابوحاتم سجستانی رحمہ اللہ وغیرہم نے سبعہ لغات کا مصداق جن قبائل کو ٹھہرایا ہے وہ مختلف ہیں۔ لہٰذا سبعہ اَحرف کی یہ تشریح قابل قبول نہیں ہے۔

اس اعتراض کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے، کیونکہ مذکورہ جمیع حضرات دو باتوں میں متفق ہیں۔ پہلی بات یہ کہ سبعہ اَحرف کی تشریح لغات عرب سے ہی کی جائے گی اور سبعہ لغاتِ عرب کوئی مترادفات کی قسم کا اختلاف نہیں ہے بلکہ سبعہ لغات قرآن مجید میں بکھری ہوئی ہیں۔ اب اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ وہ کون سے افصح ترین قبائل ہیں جن کی لغات پر قرآن نازل ہوا ہے۔ اس بارے میں ہر ایک شخص، جو لغت و لسانیات کا ماہر اور عالم ہے، کا اپنا مشاہدہ ہے۔ اور آدمی کے کسی چیز کو دیکھنے کے خاص زاویے ہوتے ہیں جن کے مطابق وہ کسی چیز کو پرکھتا ہے۔ اس لیے تعیینِ قبائل میں مختلف الاقوال ہونا اس کے ضعف کا باعث نہیں ہے۔ اور اس سے قول کی بنیادی صحت پر کوئی زد نہیں پڑتی، کیونکہ وہ بہرحال سبعہ لغات قبائل عرب ہی ہیں۔

دوسرا اعتراض

اس قول پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں تو تقریباً جمیع قبائل عرب کی لغات موجود ہیں جو کہ عملاً ثابت بھی ہو چکا ہے۔ تو پھر یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ سبعہ احرف سے مراد سبعہ لغات عرب ہیں۔

یہ اعتراض یقیناً ایک اہم اعتراض ہے کہ استقراء عملاً اس بات کا اِنکار کر رہا ہے کہ قرآن مجید فقط لغات سبعہ پر

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی منحصر ہو۔ یقیناً یہ بات اسی طرح ہی ہے کہ قرآن مجید میں دیگر قبائل عرب کی لغات بھی موجود ہیں جن کی تعداد سات سے بہت زیادہ ہے لیکن اس کا قطعاً مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم سات لغات سے زائد پر اُترا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں اگر کسی لغت کے ایک دوحرف موجود ہیں تو اس کا قطعاً مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم میں باقاعدہ اس لغت کا لحاظ رکھا گیا ہے بلکہ قرآن کریم میں جن لغات کا زیادہ حصہ موجود ہے تو ان میں سے بھی ان کی وہی لغات منتخب کی گئی ہیں جو فصیح تھیں اور ان کے جو استعمالات غیر فصیح اور ردی قسم کے تھے ان کا یکسر خیال نہیں کیا گیا۔ اور جن لغات کے ایک دو الفاظ موجود ہیں وہ ان لغات سے نہیں لیے گئے بلکہ وہ لغت قریش سے ہی ماخوذ ہیں کیونکہ قریش مرجع الخلائق تھے۔ان کے پاس جمیع عرب کی آمدورفت رہتی تھی اور وہ کسی بھی لغت کے بہترین الفاظ جوانہیں پسند آتے، اختیار کر لیتے تھے اور ان کا عام بول چال میں استعمال شروع کر دیتے تھے۔لغت قریش کے افصح اللغات ہونے کی بھی بنیادی وجہ یہی ہے۔ جس کا اظہار کئی ماہرین لغت و بیان نے بھی کیا ہے۔جیسا کہ قاری طاہر رحیمی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

❶ لغت قریش اپنے ماحول کی بہت سی لغات سے متاثر ہوئی ۔ دوسری لغات کے بہت سے الفاظ اور صیغے چن کر قریش نے اپنی لغت میں شامل کر لئے تھے جس کے متعدد عوامل ومواقع انہیں مہیا ہوتے تھے مثلاً وہ بیت اللہ کے مجاورین اور مرجع الخلائق تھے، سردی وگرمی میں قریش دو اسفار کرتے تھے، عرب میں متعدد بازار لگتے تھے، شعر ونقدِ ادبِ عربی کی مختلف مجالس منعقد ہوا کرتی تھیں۔ پس جب ہم لغتِ قریش بولتے ہیں تو گویا ہم اس سے وہ پوری لغت عربیہ مشترکہ مراد لیتے ہیں جو عرب کے ان جملہ چیدہ چیدہ فصیح ادباء، شعراء، خطباء کیمشترکہ زبان تھی جنہیں قرآن نے اپنے مثل صرف ایک سورت یا صرف ایک جملہ ہی بنا کر پیش کرنے کا چیلنج کیا تھا۔[حیات ترمذی:٦٧٧]

❷ وكانت قريش أجود انتقاداً للأفصح من الألفاظ وأسهلها على اللسان عند النطق وأحسنها جرساً وإيقاعا في السمع وأقواها إبانة عما يختلج في النفس من مشاعر وأحاسن وأوضحها تعبيراً عما يجول فى الذهن من فكر ومعان لذلك غدت قريش أفصح العرب .

[الصاحبي فى فقه اللغة:٢٣]

’’قریش، دیگر قبائل کے لغات ولہجات میں سے انتخاب وچناؤ کے بارے میں سب سے زیادہ باذوق واقع ہوئے تھے کہ وہ ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے جو انتہائی فصیح ہوتے، بولتے وقت زبان پر بہت آسان، سننے میں پرشوکت، اندرونی جذبات واحساسات کے اِظہار میں سب سے قوی اور ذہنی اَفکار ومعانی کی تعبیر میں انتہائی واضح ہوتے تھے لہٰذا قریش افصح العرب قرار پائے۔‘‘

❸ قال الفراء: كانت العرب تحضر الموسم في كل عام وتحج البيت في الجاهلية ، وقريش يسمعون لغات العرب فما استحسنوه من لغاتهم تكلموا به فصاروا أفصح العرب وخلت لغتهم من مستبشع اللغات ومستقبح الألفاظ . وذهب ثعلب في إماليه مذهب الفراء .

[المزهر:١/٢١١،٢٢١]

’’فراء کہتے ہیں کہ عرب ہر سال موسم میں آتے اور جاہلیت کے طریقے پر حج کرتے تھے،قریش اس موقع پر سب عرب کی لغات سنتے اور جو لغت انہیں اچھی لگتی اسے بولنا شروع کر دیتے تھے۔ اس طرح وہ افصح العرب بن گئے اور ان کی لغت کریہہ وقبیح الفاظ سے خالی محفوظ ہوگئی۔ امالی میں ثعلب نے بھی یہی فراء رحمہ اللہ والی تقریر کی ہے۔‘‘

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❹ علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

”قول من قال: إن القرآن نزل بلغة قريش معناه عندي ”في الأغلب“ -والله أعلم- لأن غير لغة قريش موجودة في صحيح القراءات من تحقيق الهمزات ونحوها وقريش لا تهمز.“

[تفسیر القرطبی: ۱/۳۳]

”جس قائل نے یہ کہا ہے کہ ”قرآن لغت قریش میں نازل ہوا ہے“ میرے نزدیک اس کا مقصد یہ ہے کہ ”اکثر و بیشتر ایسا ہی ہے“ واللہ اعلم۔ وجہ یہ ہے کہ قراءات صحیحہ میں غیر لغت قریش بھی موجود ہے مثلاً ہمزات وغیرہ کی تحقیق (بلغة تمیم) باوجودیکہ قریش تحقیق نہیں کرتے (بلکہ ابدال کرتے ہیں)“ [حیات ترمذی: ۶۷۸]

تیسرا اعتراض

اس قول پر تیسرا اعتراض جو اکثر کیا جاتا ہے اور عموماً اسی کی بنیاد پر اس قول کو مرجوح بھی قرار دیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث میں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کا قصہ مذکور ہے وہ اس بات کا اِنکار کرتا ہے کہ سبعہ اَحرف سے مراد سبعہ لغات ہیں، کیونکہ اس قول سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ قبائل عرب کو سبعہ اَحرف کے ذریعہ جو آسانی دی گئی وہ یہ ہے کہ ہر ایک شخص اپنی اپنی لغت میں تلاوت کرے تاکہ اُسے قرآن پڑھنے میں مشکل نہ ہو، جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ہشام رضی اللہ عنہ دونوں قریشی ہیں۔ ان کا اختلاف اس قول کے موافق اس بات کا متقاضی ہے کہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کسی دوسری لغت پر تلاوت کررہے ہیں یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسری لغت کے مطابق قرآن سکھلایا تھا۔

اس کا ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا ہشام رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود ہوں اور آپ کسی کو دوسری لغت کے مطابق قرآن پڑھا رہے ہوں۔ انہوں نے سن کر یاد کرلیا ہو اور اسی کے مطابق پڑھنا شروع کردیا ہو، یہ جواب اس لیے اطمینان بخش نہیں ہے کہ خود الفاظ حدیث اس کا اِنکار کررہے ہیں کیونکہ ہشام اس بات کے مدعی تھے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے پڑھایا ہے جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نہیں پڑھایا یعنی صرف یہ سماعت کی بنیاد پر تلاوت نہیں ہورہی تھی بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پڑھایا تھا۔

اس کا ہماری نظر میں صحیح اور قرین قیاس جواب یہ ہے کہ نہ تو حضرت ہشام رضی اللہ عنہ لغت قریش کے خلاف پڑھ رہے تھے اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لغت قریش کے علاوہ کسی دوسری لغت پر قرآن کریم سیکھا تھا بلکہ دونوں ہی لغت قریش پر تلاوت کرتے تھے، اور مذکورہ مسئلہ جس کی وجہ سے ان کے مابین نزاع ہوا ہے یہ اِختیارات کا مسئلہ تھا نہ کہ لغات کا۔ وہ اس طرح سے کہ اللہ رب العزت نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اجازت دی تھی کہ کوئی بھی شخص اپنی پسند اور اختیار کے مطابق قراءت کرسکتا ہے، یعنی ترتیب (Set) اپنی مرضی سے بنائی جاسکتی ہے۔ جس کو اس مثال سے زیادہ سمجھنا آسان ہے کہ سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہم یہ جمیع انصاری صحابہ ہیں، لیکن تمام کے قرآن پڑھنے کے انداز مختلف تھے جو حرف ابی رضی اللہ عنہ، حرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حرف زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حرف ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام سے معروف ہیں اور ان کی قراءت میں خاصا اختلاف تھا جیسا کہ کتب میں موجود ہے۔ اور بعینہٖ یہی مسئلہ سیدنا ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف کا تھا یعنی لغت کا اختلاف نہیں بلکہ اختیارات کا اختلاف تھا۔ اس کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ حروف تو صرف سات اترے تھے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور آج جو صحیح اور متواتر روایات اور طرق ہیں، جس کے مطابق قرآن پڑھنا درست ہے، ان کی تعداد اَسّی ہے تو یہ سب بھی اختیارات کی بنیاد پر ہوا ہے۔

راجح مؤقف

ہمارے فہم میں راجح مؤقف امام ابوعبید رحمہ اللہ وغیرہم کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو اَحرف کی تشریح کسی ریاضیاتی اور استقرائی قول کی بنیاد پر نہیں کرنی پڑتی جس کا صدور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اَحوال وظروف میں ممکن ہی نہ ہو اور ایک بے جا تکلف محسوس ہو، اور نہ ہی اس کی ایسی تشریح کی جاسکتی ہے کہ جس کی وجہ سے ہمیں ویسے ہی سبعہ اَحرف، جو اللہ رب العزت کا اُمت محمدیہ پر بہت بڑا احسان اور عنایت ہیں، سے ہی ہاتھ دھونا پڑیں، اور نعوذ باللہ صحابہ کے ذمہ ہم ایسی بات ڈالیں جو ان کے بارے میں سوچنا ہی مشکل ہے کہ اُنہوں نے سبعہ اَحرف کو ویسے ہی ختم کردیا تھا۔ اور امام ابوعبید رحمہ اللہ وغیرہ کے قول کے موافق سبعہ اَحرف کا مفہوم بھی حل ہوجاتا ہے اور کسی غیر منطقی تاویل کا سہارا بھی نہیں لینا پڑتا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ مذکورہ جمیع تشریحات، اَقوال اور اختلافات کا نفسِ قراءات پر بھی کوئی اثر پڑتا ہے تو یقیناً اس کا جواب نفی میں ہوگا کیونکہ مذکورہ جمیع علماء اور ان کے علاوہ اہل السنة والجماعة کے دیگر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ موجودہ قراءاتِ عشرہ جو تواتر کے ساتھ ہماری طرف منقول ہیں، تمام کی تمام ثابت ہیں اور ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے اور جو شخص ان کے اِنکار کا مرتکب ہوگا وہ اِنکار قرآن کا مرتکب ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

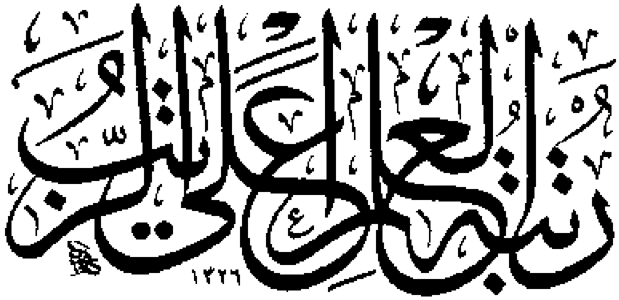

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ الحدیث مُحمّد عبدہ الفلاحؒ

القراء ات والقراء

اُستاد الاساتذہ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد عبدہ کا یہ مضمون مجلّہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں شائع ہو چکا ہے۔ لیکن مؤلف کی بلند پایہ شخصیت اور موضوع کی مناسبت سے قارئین رشد کیلئے خاص طور پر اس تحریر کو شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ یاد رَہے کہ موصوف عملی طور پر متنوع قراء ات کے مکمل طور پر قائل تھے لیکن فکری طور پر سبعہ احرف کی متعدد تشریحات میں سے دیگر اہل علم کی طرح امام ابن جریر طبری کی رائے کی طرف رجحان رکھتے تھے۔ چنانچہ اس تحریر کے مطالعہ کے ضمن میں قارئین کو پچھلے دو شماروں میں سبعہ احرف کی تشریح وتعبیر کے حوالے سے مطبوع دیگر مضامین کا عموماً اور اس شمارہ میں موجود قاری فہداللہ رسولنگری کے مضمون 'سبعہ احرف ...... توضیحات وتنقیحات' کا خصوصاً جائزہ لے لینا چاہیے جن میں سبعہ احرف کے ضمن میں راجح رائے کا تعین اور امام ابن جریر کے مؤقف کی توضیح کی کوشش کی گئی ہے۔ [ادارہ]

علم القراء ات میں تالیف کی اِبتداء تو دوسری صدی ہجری کے نصف اوّل میں ہی شروع ہوگئی تھی۔ اس کے بعد یہ موضوع وسعت اختیار کرتا گیا اور اس علم پر ہزاروں کتابیں تالیف ہوتی گئیں۔

اس فن پر قدیم کتابوں میں 'اَفواج القراء' بہت اہم ہے جو أبوالحسن احمد بن جعفر ابن المناوی (م ۳۳۶ھ) کی تالیف ہے۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں اس سے اقتباسات نقل کیے ہیں۔ اور فہرست ابن الندیم میں مذکور محمد بن الحسن بن زیاد النقاش (م ۳۵۱ھ) کی کتاب 'المعجم الکبیر في أسماء القراء والقراء ات' (تراجم قراء اور قراءات کے حوالے سے) ایک معروف کتاب ہے۔ ابن الندیم لکھتے ہیں:

وقد سمع منه ابن مجاهد شيئا من الحديث [الفهرست:۵۶]

تراجم قراء پر لکھنے والوں میں سے امام عثمان بن سعید ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ (م ۴۴۱ھ) امام ابوبکر احمد بن الفضل رحمہ اللہ (۴۶۰ھ) ہیں ان سے قبل خلف بن ہشام رحمہ اللہ (م ۲۲۹ھ) نے 'کتاب القراء ات' مرتب کی تھی۔ علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے 'الإعلان بالتوبیخ' میں اور ابن الندیم نے 'الفهرست' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

[الاعلان:۵۶۴، الفہرست:۳۵]

ابوطاہر عبدالواحد بن عمر بن محمد بن ابی ہاشم البزار رحمہ اللہ (م ۳۴۹ھ) البغدادی نے 'کتاب البیان' لکھی جو کہ مفقود ہوچکی ہے۔ ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ (م ۴۴۱ھ) اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور پھر ذہبی کے تلامذہ نے اس فن کو فروغ دیا۔ پھر ابن الجزری رحمہ اللہ نے ذہبی کی کتاب کو بنیاد بنا کر اس پر اضافے کیے ہیں اور 'طبقات القراء' کے نام سے

☆ شیخ الحدیث والتفسیر، اُستاذ الاساتذہ، محشّی اشرف الحواشی ومصنف کتب کثیرہ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔

القراء ۃ کوحرف بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

"ان القرآن أنزل على سبعة أحرف" [صحيح بخارى:۴۹۹۲]

حرف کے معنی جانب یا جانب کے ایک حصہ کے ہیں اور حروف تہجی چونکہ کلمہ کا جزو بنتے ہیں اس لیے ان کو حروف کہا جاتا ہے۔

مذکورہ حدیث میں حرف کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

الف: قرآن سات لہجات مختلفہ پر نازل ہوا پس یہاں حرف بمعنی وجہ ہے اور لغت میں حرف بمعنی وجہ آتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾[الحج:۱۱]

یعنی بعض لوگ ایک وجہ پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں یعنی جب تک ان کو خیر و نعمت حاصل ہوتی رہتی ہے تو عبادت کرتے رہتے ہیں اور جب کبھی سختی اور شدت سے دوچار ہوتے ہیں تو عبادت ترک کر دیتے ہیں اسی معنی کے اعتبار سے مختلف قراءات کو اَحرف کہا گیا ہے اور یہ موضوع تفصیل طلب ہے۔

ب: قراءات کو اَحرف کہنا توسع کے طور پر ہے جب کہ کل کا نام جز پر رکھ دیتے ہیں قراءات میں چونکہ کلمہ ایک حرف کے تبدیل ہونے سے مختلف ہوجاتا ہے اس لیے قراء ات کو احرف کہا گیا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ہشام رضی اللہ عنہ کے قصہ میں مذکور ہے۔

"يقرأ سورة الفرقان على حروف لم يقرئنيها رسول الله "[صحيح بخارى:۲۴۱۹]

''کہ یہ سورۃ الفرقان ان حروف پر پڑھ رہا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے۔''

اِس تمہید کے بعد اَب ہم اصل موضوع کو شروع کرتے ہیں۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم و تعلم کو سب سے اَفضل عمل گردانا ہے صحیح بخاری میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"خيركم من تعلم القران و علمه" [صحيح بخارى فضائل القرآن مع الفتح:۴۵/۱۰]

''کہ تم میں بہتر وہ ہیں جو قرآن کی تعلیم و تعلم میں مشغول رہتے ہیں۔''

یہ حدیث سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جو طبرانی نے اسناد جید کے ساتھ روایت کی ہے اور شعب الایمان بیہقی میں ہے۔

"أشراف أمتى حملة القرآن و أصحاب الليل "

[فصل فى تنوير موضع القرآن، أشراف أمتى:۲۵۸۹]

''حفاظ قرآن اور رات کو قیام کرنے والے میری اُمت کے اشراف ہیں۔''

ابوعبدالرحمٰن السلمی جلیل القدر تابعی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تلمذ اَرشد تھے انہوں نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس بیان کردہ حدیث کی وجہ سے ہی میں چالیس سال سے زیادہ عرصہ تک کوفہ کی جامع مسجد میں قرآن پڑھا رہا ہوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ نے سلمی سے ہی قرآن پڑھا تھا چنانچہ بخاری میں ہے:

"وأقرأ أبو عبد الرحمن فى امرة عثمان حتى كان الحجاج قال: وذاك الذى اقعدنى مقعدى

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ھذا" [النشر:۸ واخرجہ الترمذی مع تحفہ:۴/۵۲،۵۳]

''اور سلمی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امارت میں قرآن پڑھانا شروع کیا اور کوفہ میں حجاج کے زمانہ امارت تک پڑھاتے رہے اور انہوں نے کہا۔ اس حدیث کی وجہ سے ہی میں اس جگہ پر بیٹھا ہوں۔''

◉ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اگر اوّل خلافت عثمان رضی اللہ عنہ سے آخر ولایت حجاج کی مدت شمار کی جائے تو تین ماہ کم ۷۲/ سال بنتی ہے اور آخر خلافت عثمان رضی اللہ عنہ سے ابتداء ولایت حجاج کی مدت لی جائے تو ۳۸/ سال بنتی ہے اور معلوم نہیں ہوسکتا کہ سلمی نے تدریس قرآن کس سنہ سے شروع کی اور کس سنہ تک پڑھاتے رہے۔ [جامع الترمذی:۴/۵۳]

اور ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جس کو قرآن نے مجھ سے سوال کرنے سے مشغول کر دیا اس کو میں تمام سائلوں سے بہتر دیتا ہوں۔ [تحفۃ الاحوذی بحوالہ فتح الباری]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

"أفضل العبادۃ قراءۃ القرآن" [شعب الایمان]

''کہ قرآن کی تلاوت ہی بہترین عبادت ہے۔''

الغرض متعدد اَحادیث میں تلاوت قرآن کی فضیلت آئی ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

قرآن فہم کے ساتھ پڑھا جائے یا بلافہم دونوں صورتوں میں تلاوت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

اور یہی سوال کسی نے حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے کیا کہ اگر تلاوت کے لیے نہیں بلکہ علمی طور پر تحقیق و مطالعہ کے لیے قرآن پڑھا جائے تو کیا اس کا ثواب ملتا ہے؟ تو شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سبق کے طور پر پڑھنا بھی اس میں شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں غور و فکر کا حکم دیا ہے اور یہ صرف قرآن کی فضیلت ہے کہ اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی قراءت و حفظ کو سہل کر دیا گیا ہے قرآن کے سوا دنیا میں ایسی کوئی کتاب نہیں ہے جو کئی ملین لوگوں کو زبانی یاد ہو حتیٰ کہ پانچ سے دس سال کے مسلمان بچے بھی الحمد سے والناس تک روانی سے پڑھتے ہیں۔ صحیح مسلم کی قدسی حدیث میں ہے۔

"ومنزل علیك كتاباً لا یغسله الماء" [صحیح مسلم:۵۱۰۹]

''اور تجھ پر ایسی کتاب نازل کر رہا ہوں جسے پانی نہیں دھو سکے گا۔''

تو یہ حفظ ہی کی طرف اِشارہ ہے کیونکہ جو کتاب محض اَوراق میں ہو وہ تو پانی سے دھوئی جاسکتی ہے مگر جو صدور و قلوب میں محفوظ ہو اس کو پانی سے دھو ڈالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کے حفظ میں غیر معمولی دلچسپی لی اور ایک ایک حرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا حتیٰ کہ حرکات و سکنات اور اثبات و حذف کو بھی محفوظ کر لیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں قراء قرآن کی معتد بہ تعداد موجود تھی جیسا کہ آئندہ آ رہا ہے مگر چار صحابہ کرام وہ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو اسی کام کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو کی حدیث میں ہے۔

"خذوا القرآن من أربعة من عبد الله بن مسعود و سالم بن معقل (مولیٰ ابی حذیفة) و معاذ بن جبل و اُبی بن کعب" [صحیح بخاری مع الفتح:۱۰/۴۲۲]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

’’چار صحابہ سے قرآن حاصل کرو، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ‘‘

تاہم وجوہِ قراء ۃ متعدد صحابہ سے محفوظ ہیں۔ ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ نے اپنی کتاب القراء ات میں جن صحابہ کا ذکر کیا ہے ان میں بیس مہاجرین اور سات اَنصار بھی شامل ہیں۔

① حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ
② حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
③ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
④ حضرت علی رضی اللہ عنہ
⑤ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ
⑥ حضرت سعد رضی اللہ عنہ
⑦ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ
⑧ حضرت سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ
⑨ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ
⑩ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ
⑪ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
⑫ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ
⑬ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
⑭ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
⑮ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ
⑯ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ
⑰ حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ
⑱ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
⑲ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا
⑳ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا

اِن تمام کا تعلق مہاجرین سے ہے اَنصار میں سات قراء مشہور ہیں:

① حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ
② حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
③ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ
④ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ
⑤ حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ
⑥ حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ
⑦ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو فتنہ اِرتداد اور پھر جنگ یمامہ میں سات سو کے قریب نامور صحابہ کرام شہید ہوگئے جن میں قراء قرآن بھی تھے تو اس صورت حال کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید جمع کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلے تو تامل کیا مگر بالآخر صحابہ کرام کے مشورہ سے طے پایا کہ قرآن کو یکجا کردیا جائے کیونکہ صحابہ کے پاس مختلف صحف تھے۔ مگر یکجا کسی کے پاس نہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کمیٹی مقرر کردی اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس کمیٹی کا صدر بنا دیا گیا۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے محنت شاقہ کے بعد قرآن کا ایک نسخہ تیار کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سپرد کردیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ نسخہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحویل میں رہا اور پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس اَمانت رہا۔

[صحیح بخاری باب جمع القرآن، فتح الباری:۱۰/۳۸۴]

مصاحف عثمانی

۳۰ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں آرمینیہ اور آذربائیجان کے علاقہ فتح ہوئے۔ فاتحین میں عراقی اور شامی فوج جمع تھی۔ ان میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ قرآن

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اختلاف کررہے ہیں اور ایک دوسرے پر اپنی قراءۃ کو ترجیح دے رہے ہیں جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اہل کوفہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف پر متفق تھے اور اہل بصرہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے مصحف کو اختیار کیے ہوئے تھے اور اہل دمشق مقداد بن اسود کے مصحف پر مجتمع تھے اور اہل شام کے پاس ابی بن کعب کا مصحف تھا اور مذکورہ مصاحف ترتیب اور بعض حروف میں مختلف تھے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

" یا أمیر المؤمنین! أدرك هذا الأمة، قبل أن یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیهود و النصاری "[صحیح بخاری باب جمع القرآن:۳۰۲۹]

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار آدمیوں کی ایک کمیٹی مقرر کردی جو سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ پر مشتمل تھی ان میں حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ تھے اور بقیہ تینوں قریشی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو متعلقہ مواد جمع کر کے دے دیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس جو نسخہ تھا وہ بھی منگوا لیا اور ان کو ہدایت کردی کہ قرآن کے کچھ نسخے تیار کریں جو مراکز اسلامی میں بھیجے جائیں اور یہ بھی ہدایت کردی کہ اگر کسی کلمہ میں ان کا باہم اختلاف ہوجائے تو قریش کے رسم الخط پر لکھا جائے کیونکہ قرآن انہی کے لہجہ پر نازل ہوا ہے۔ (چنانچہ ترمذی میں ہے کہ لفظ التابوت اور التابوۃ کے رسم میں اختلاف ہوگیا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ 'التابوۃ' لکھنا چاہتے تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس یہ معاملہ پہنچا تو انہوں نے قریش لہجہ کے مطابق 'التابوت' لکھنے کا حکم دیا۔)

چنانچہ سرکاری ہدایت کے مطابق قرآن کے نسخے تیار کردیئے گئے جن کو مصاحف کا نام دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مصحف مدینہ میں رکھا جسے 'الإمام' کہا جاتا ہے اور دوسرے پانچ یا چھ مصاحف مختلف بلادِ اسلامیہ میں بھیج دیئے۔ (مصاحف کے متعلق مشہور تو یہی ہے کہ ان کی تعداد پانچ تھی جیسا کتاب المصاحف لابن ابی داؤد میں ہے مگر ابن ابی حاتم نے سات بتائی ہے جو مندرجہ ذیل مراکز میں بھیجے گئے۔ کوفہ، بصرہ، مکہ، شام، یمن اور بحرین اور ہر مصحف کے ساتھ ایک مقری مقرر کیا گیا تاکہ صحیح طور پر قرآن پڑھا جائے۔)

[فتح الباری:۳۹۵/۱۰، کتاب المصاحف للسجستانی:۲۴]

ابن سیرین رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ رکنی کمیٹی بنائی تھی جن میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا۔ سب سے خوشخط کون ہے؟ تو لوگوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا نام لیا پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ فصیح کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ [فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے مصاحف سجستانی کا حوالہ دیا ہے۔ راجع: ۳۹۳/۱۰] اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" لوکان المملی من هذیل والکاتب من ثقیف لم یوجد فیه لحن "[کتاب المصاحف لابن أبی داؤد، باب المصاحف العثمانیة]

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ مملی ہوگا اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتب ہوگا۔ کیونکہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کا لہجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لہجہ کے مشابہہ تھا۔ [طبقات ابن سعد]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض رِوایات میں سعید کی بجائے ابان بن سعید بھی مروی ہے۔خطیب لکھتے ہیں یہ عمارہ بن غزیۃ کا وہم ہے کیونکہ ابان تو شام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہی قتل ہو چکا تھا۔

ابوبکر سجستانی نے بقیہ ارکان کی فہرست بھی دی ہے جو یہ ہے:

⑤ مالک بن ابی عامر رضی اللہ عنہ امام مالک کے جدامجد ⑥ کثیر بن افلح رضی اللہ عنہ

⑦ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ⑧ انس بن مالک رضی اللہ عنہ ⑨ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں بارہ رکنی کمیٹی سے یہ کل نو آدمی معلوم ہو سکے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”لا یملین فی مصاحفنا الاعلماء قریش أو ثقیف“[کتاب المصاحف لابن أبی داؤد، باب جمع عمر بن الخطاب]

لیکن مذکورہ کمیٹی میں کوئی بھی ثقفی نظر نہیں آتا بلکہ قریشی یا انصاری ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِبتداء تو سعید رضی اللہ عنہ اور زید رضی اللہ عنہ نے کی پھر ثنی مصاحف کی تیاری کے لیے دوسرے لوگ بھی شامل کر لیے گئے اور اِملاء میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مدد لی گئی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی برہمی

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کو نہ تو چار رکنی کمیٹی کا رکن بنایا گیا اور نہ ہی بارہ رکنی کمیٹی میں شامل کیے گئے اس لیے انہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر اپنے رنج وملال کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

”یا معشر المسلمین! أعزل عن نسخ کتابة المصاحف یتولاھا رجل واللہ! أسلمت وإنه لفي صلب رجل کافر.“[جامع الترمذي:۳۱۰۴]

اور مصاحف ابن ابوداود سجستانی میں ہے کہ انہوں نے کہا:

”ولقد أخذت مِن في رسول اللہ ﷺ سبعین سورة وإن زید بن ثابت لصبي من الصبیان.“

ابووائل کی روایت میں بضع وسبعین سورة بھی آیا ہے۔ [فتح الباري:۱۰]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے معذرت

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے معذرت کی جاسکتی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی آمد تک اتنا بڑا اہم منصوبہ معرض التواء میں نہیں ڈال سکتے تھے، کیونکہ یہ ہنگامی قسم کی ضرورت تھی اور حالات کا فوری تقاضا تھا نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے موجودہ صحف کو ایک مصحف کی شکل دینا تھی تاکہ حروف کا اختلاف ختم ہوجائے۔اور پہلے صحف کو چونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا لہٰذا دوبارہ لکھنے کے لیے بھی یہی موزوں تر تھے۔ترمذی کی روایت کے آخر میں ہے:

”فکرہ ذلك من مقالة عبداللہ بن مسعود رجال من أفاضل الصحابة.“[جامع الترمذي: ۳۱۰۴]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک اہم سوال

لیکن یہاں پر ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو وہ مصاحف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیئے تھے تو بعد میں ان کا انجام کیا ہوا؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سجستانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد مروان نے وہ صحف ضائع کر دیئے تھے تاکہ مرورِ ایام کے ساتھ کسی قسم کا نزاع پیدا نہ ہو۔ لیکن اولاً تو ان تختیوں کا ضیاع اَلمیہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں لکھی گئی تھیں اور پھر ان صحف کا ضیاع بڑا اَلمیہ ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں جمع کئے گئے تھے۔ یہ اِظہار افسوس کسی شک وشبہ کی بناء پر نہیں ہے، بلکہ ایک دستاویز کی اصل شکل ضائع ہونے کی بناء پر ہے اور موجودہ دور کے تقاضوں اور اصل مخطوطوں کی اہمیت کو سامنے رکھا جائے تو ان صحف کی قدر و قیمت کا اَندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے، خصوصاً جب تحقیق کے لیے اَصل شہادۃ بھی آثارِ قدیمہ ہی رہ گئے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے آخر میں ہے:

”وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة ومصحف أن يحرق“

[بخاري شريف مع الفتح:۱۰/۳۹۵]

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے سوا تمام صحف اور مصاحف کو جلا ڈالنے کا حکم دیا۔“

اس حکم کے تحت عراق میں بھی مصاحف جلا ڈالے گئے لیکن بہت سے لوگوں نے اسے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ اور اپنی ناراضگی ظاہر کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو 'محرق مصاحف' کہا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دفاع کیا اور کہا:

”لا تقولوا لعثمان في تحريق المصاحف إلا خيرًا.“

اس وقت صحابہ کی بہت بڑی جماعت موجود تھی لیکن ان میں سے کسی نے بھی کوئی اِعتراض نہیں کیا۔ اس بناء پر ابن بطال اس فقہی مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”في هذا الحديث جواز تحريق الكتب بالنار فيها اسم الله.“

کیونکہ اس طریق سے پرانے اور بوسیدہ کاغذات بے ادبی سے بچ جاتے ہیں لیکن علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جلا ڈالنے سے دھوڈالنا زیادہ بہتر ہے (فی زمانہ کاغذ سازی میں پرانے قرآن کے کاغذات اسی طریق سے استعمال کیے جاتے ہیں، جو کہ جائز ہے اور اس مسئلہ پر راقم کا ایک فتویٰ بھی شائع ہو چکا ہے)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جن پرائیویٹ مصاحف کو جلا ڈالنے کا حکم دیا تھا ان میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا والے صحف شامل نہیں تھے بلکہ تمام صحابہ کے مصاحف محفوظ رہے تھے جیسا کہ مصاحف سجستانی سے معلوم ہوتا ہے۔

[المصاحف للسجستاني وفتاویٰ ابن تيمية:۱۳/۴۲۰]

لیکن مروان نے حضرت حفصہ والے صحف ضائع کر دیئے تھے (حضرت علی بن اَبی طالب، حضرت زبیر، طلحہ، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کے پاس اپنے مصاحف موجود تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رسم مصاحف سے مختلف تھے۔)

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہرحال اَب مصاحف عثمانی میں جو کچھ ہے وہی قرآن ہے اور اس میں نقص وزیادۃ یا حذف وابدال جائز نہیں ہے، کیونکہ اُمت مرحومہ کا اس پر اِجماع ہو چکا ہے۔ یہ مصاحف اختلاف کو ختم کرنے کے لیے سبعہ اَحرف کی بجائے ایک حرف پر لکھے گئے تھے اور وہ بھی عرضۂ اَخیرہ والا حرف ہاں نقاط اور اعراب سے مجرد تھے اور ان میں یہ گنجائش تھی کہ جو قراءۃ صحابہ کرام کی نقل سے ثابت ہو اور سند صحیح ہو تو اس پر بھی پڑھا جا سکے۔

تابعین کرام کا دور

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین رحمہم اللہ نے قرآن کی تعلیم وتعلّم کو زندہ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو قراءات وحروف منقول تھے ان کی پوری حفاظت کی۔ اس دور میں چونکہ سلسلہ تلمذ بہت وسیع ہوجاتا ہے اس لیے ہم ہر مرکزی شہر کے تابعین کا ذکر کرتے ہیں جن سے سلسلہ اسناد قائم رہا۔

ابن الجزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مدینۃ النبی کے قراء

مدینہ طیبہ میں حسب ذیل تابعین قراء مشہور ہوئے۔

① سعيد بن مسيب القرشی المخزومي رحمہ اللہ المتوفي ۹۳ھ
② عروۃ بن زبير أبو عبداللہ القرشي رحمہ اللہ عالم المدينة واحد الفقهاء السبعة (المتوفی ۹۳ھ(۲۷ھ)
③ سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۱ھ)
④ عمر بن عبدالعزيز الأموي رحمہ اللہ خليفه راشد (۱۰۱ھ)
⑤ سليمان بن يسار رحمہ اللہ (۱۰۷ھ) ⑥ عطاء بن يسار رحمہ اللہ (۱۰۳ھ)
⑦ معاذ بن الحارث المعروف بمعاذ القاری رحمہ اللہ
⑧ عبدالرحمن بن هرمز رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۷ھ) کاتب المصاحف وشيخ نافع بن أبي نعيم
⑨ ابن شهاب الزهري رحمہ اللہ (۹۴ھ) ⑩ مسلم بن جندب رحمہ اللہ (۱۳۰ھ)
⑪ زيد بن أسلم رحمہ اللہ (۱۲۶ھ)

مکہ مکرمہ کے قراء

① عبيدة بن عمير رحمہ اللہ (۹۴ھ) ② عطاء بن أبی رباح رحمہ اللہ (۱۱۰ھ)
③ طاؤس رحمہ اللہ (۱۰۶ھ) ④ مجاهد بن جبير أبو الحجاج المكی رحمہ اللہ (۱۰۳ھ)
⑤ عكرمة رحمہ اللہ (۱۱۵ھ) ⑥ ابن أبی مليكة رحمہ اللہ

کوفہ کے قراء

① علقمه رحمہ اللہ (۶۲ھ) ② أسود رحمہ اللہ (۷۵ھ)
③ مسروق رحمہ اللہ (۷۳ھ) ④ عبيدة بن عمرو السلماني رحمہ اللہ (۷۳ھ)

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑤ عمرو بن شرجيل في أيام عبيدالله بن زياد رحمه الله
⑥ عمرو بن ميمون رحمه الله (۷۵ھ) ⑦ ربيع بن حيثم رحمه الله توفي قبل (۹۰ھ)
⑧ عمرو بن ميمون رحمه الله (۷۵ھ) ⑨ أبوعبدالرحمن السلمي رحمه الله (۹۲ھ)
⑩ زر بن حبيش رحمه الله (۸۲ھ) ⑪ عبيد بن نضلة في حدود رحمه الله (۷۵ھ)
⑫ أبوزرعه بن عمرو بن جرير رحمه الله ⑬ سعيد بن جبير رحمه الله (۹۵ھ)
⑭ إبراهيم بن يزيد أبو عمران النخعي رحمه الله (۹۶ھ)
⑮ إمام شعبي رحمه الله (۱۰۵ھ) ⑯ عامر بن شرحبيل رحمه الله

بصرہ کے قراء

① عامر بن عبد قيس رحمه الله (۱۰۰ھ) ② أبو العالية رفيع بن مهران الرياحي رحمه الله (۹۳ھ)
③ أبو رجاء أوطاردی رحمه الله (۱۰۵ھ) ④ نصر بن عاصم رحمه الله (۱۰۰ھ یا (۹۰ھ)
⑤ يحيى بن يعمر رحمه الله قبل (۹۰ھ) ⑥ معاذ بن معاذ رحمه الله (۱۰۶ھ)
⑦ أبو الشعثاء جابر بن يزيد رحمه الله (۹۳ھ) ⑧ حسن بن سيرين رحمه الله (۱۱۰ھ)
⑨ قتاده بن دعامة السدوسي رحمه الله (۱۱۸ھ)

شام کے قراء

① مغيرة بن أبي شهاب المخزومي صاحب عثمان بن عفان رحمه الله (۹۱ھ)
② خليد بن سعد صاحب أبي الدرداء رحمه الله

ان تابعین میں بعض کے مصاحف بھی مشہور ہیں

① مصحف عبيد بن عمير الليثي رواه عنه عمرو بن دينار رحمه الله
② مصحف عطاء بن أبي رباح رواه عنه طلحة رحمه الله
③ مصحف عكرمه رواه عنه عاصم الأحول رحمه الله
④ مصحف مجاهد رواه عنه حميد رحمه الله
⑤ مصحف سعيد بن جبير رواه عنه أبو بشر رحمه الله
⑥ مصحف أسود بن يزيد وعلقمه بن قيس رواه عنهما النخعی رحمه الله
⑦ مصحف محمد بن أبي موسىٰ الشامی رواه عنه داؤد بن أبي هند رحمه الله
⑧ مصحف حطان بن عبدالله الرقاشی رواه عنه أبوهارون الغنوي رحمه الله
⑨ مصحف صالح بن كيسان مديني رواه عنه ابن عيينه رحمه الله
⑩ مصحف طلحة بن مصرف الأيامی رحمه الله
⑪ مصحف سليمان بن مهران الأعمش رواه أبو نعيم رحمه الله

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبع تابعین اور دیگر ائمہ

ان کے بہت سے علماء کلیّۃ اسی کام میں لگ گئے اور ضبط قراء ۃ میں انہوں نے اعتناء سے کام لیا حتیٰ کے اس فن کے امام مشہور ہوئے اور ہر شہر میں اہل علم نے ان کی قراء ۃ کو تلقی بالقبول کا شرف بخشا اور قراء ات ان کی طرف منسوب ہوئیں۔

مثلاً مدینہ میں ابوجعفر یزید بن القعقاع شیبہ بن نصاح رحمہ اللہ اور پھر نافع بن ابی نعیم رحمہ اللہ کی قراء ۃ کو شہرت حاصل ہوئی اور مکہ میں عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ، حمید بن قیس الاعرج رحمہ اللہ اور محمد بن محیصن رحمہ اللہ کی قراء ۃ کو اور کوفہ میں یحییٰ بن وثاب الاسدی رحمہ اللہ، عاصم بن ابی النجود رحمہ اللہ، سلیمان الاعمش رحمہ اللہ، حمزہ رحمہ اللہ اور الکسائی رحمہ اللہ کو شہرت ہوئی۔

اور بصرہ میں عبداللہ بن ابی اسحاق رحمہ اللہ، عیسیٰ بن عمر رحمہ اللہ، ابوعمرو بن العلاء رحمہ اللہ، عاصم الجحدری رحمہ اللہ اور یعقوب الحضرمی رحمہ اللہ مشہور ہوئے۔

اور شام میں عبداللہ بن عامر رحمہ اللہ، عطیہ بن قیس الکلابی رحمہ اللہ، اسماعیل بن عبداللہ بن المهاجر رحمہ اللہ، یحییٰ بن الحارث الذماری رحمہ اللہ اور شریح بن یزید الحضرمی رحمہ اللہ نے شہرت حاصل کی۔

پھر ان کے بعد تو قراء کثرت سے بلاد اسلامیہ میں پھیل گئے اور ان میں اضافہ در اضافہ ہوتا گیا ان میں بعض متقن (ماہر) في التلاوۃ اور روایت ودرایت میں مشہور تھے اور بعض ان اَوصاف میں قاصر تھے۔

اس وجہ سے ان میں اختلاف کا پیدا ہونا یقینی تھا لہٰذا جہابذہ اور صنادید ائمہ نے نہایت اجتہاد سے کام لے کر حروف وقراء ات کو جمع کیا اور مشہور اور شاذ میں فرق کی وضاحت کی اور ان کے اصول و اَرکان مقرر کیے۔ دوسرے فنون کی طرح علم القراءۃ میں بھی ارتقاء ہوا اور آخر کار اس نے ایک فن کی حیثیت اختیار کر لی، قراء ات کے ضبط اور قراء کے تراجم پر مستقل کتابیں مرتب ہوئیں۔

قراءۃِ صحیحہ کا ضابطہ

جو قراء ۃ قواعد عربیہ کے موافق ہو، مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک مصحف کے بھی مطابق ہو اور صحت سند کے ساتھ ثابت ہو وہ قراء ۃ صحیحہ میں داخل ہے۔ اس کو رد کرنا یا اس کا انکار کرنا جائز نہیں ہے اس کو ان احرف سبعہ میں شمار کیا جائے گا جن پر قرآن نازل ہوا۔ وہ قراء ۃ خواہ قراءِ سبعہ سے منقول ہو، قراءِ عشرہ سے یا پھر ان کے علاوہ دوسرے ائمہ سے۔

محققین ائمہ سلف اور خلف نے 'قراء ۃ صحیحۃ' کی یہی تعریف کی ہے ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ، ابومحمد المکی رحمہ اللہ اور ابو العباس احمد عمار المهدوی رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں میں متعدد مواضع میں اس کی تصریح کی ہے۔

- علامہ ابوشامہ رحمہ اللہ 'المرشد الوجیز' میں لکھتے ہیں:

اعتماد ان اَوصاف ثلاثہ کے جمع ہونے پر ہے نہ کہ ان قراء میں سے کسی ایک قاری کی طرف منسوب ہونے پر، کیونکہ قراءِ سبعہ اور دوسرے قراء کی طرف جو قراء ات منسوب ہیں دو قسم پر ہیں:

① مجمع علیها ② شواذ

- علامہ الجعبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

’’اصل شرط صحت نقل ہے اور دوسری دونوں شرطیں اس کو لازم ہیں۔‘‘

◉ ابو محمد المکی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

’’قرآن میں جو قراءات مروی ہیں وہ تین قسم کی ہیں جو فی زمانہ رائج ہیں اور ان میں تین اَوصاف پائے جاتے ہیں۔

① ثقات نبی ﷺ سے روایت کریں۔ ② عربیت کی رو سے صحیح ہو۔

③ رسم مصحف کے مطابق ہو۔

اگر وہ قراءۃ ان تین اوصاف کی حامل ہو تو اس کے مطابق پڑھا جائے گا اور اس کی صحت پر قطعی حکم لگایا جائے گا اس کے منکر کو کافر کہا جائے گا۔‘‘

◉ علامہ سیوطی رحمہ اللہ الاتقان میں لکھتے ہیں کہ قراءات چھ قسم پر ہیں:

① المتواتر

جو ایک جماعت دوسری جماعت سے نقل کرے کہ ان کا تواطؤ علی الکذب عادۃً محال ہو (جھوٹ پر اتفاق ناممکن ہو) اور وہ قراءت جسے سبعہ یا عشرہ روایت کریں۔

② المشهور

جو صحت سند کے ساتھ ثابت ہو اور مصاحف عثمانی میں کسی ایک مصحف کے مطابق ہو، عام ہے کہ اس کو سبعہ یا عشرہ نقل کریں یا کسی دوسرے قاری سے منقول ہو۔ لیکن حد تواتر تک کو پہنچی ہو۔

یہ دونوں قسم کی قراءات نماز میں جائز ہیں۔

③ ماصح سنده

یعنی جو صحت سند کے ساتھ ثابت ہو لیکن رسم المصحف یا عربیت کے خلاف ہو، یا اسے شہرت حاصل نہ ہوئی ہو اس نوع کی قراءت نماز میں جائز نہیں ہے اور نہ اس کی قرآنیت کا اعتقاد واجب ہے جیسا کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے۔

’عَلَى رِفَارِفَ خُضْرٍ وعباقري حسان‘ [الرحمن:٧٦]

یا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قراءت میں ہے۔

’لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفَسِكُمْ‘ [التوبة:١٢٨]

④ الشاذة

اس سے مراد وہ قراءات ہے جو صحت اسناد کے ساتھ ثابت نہ ہو جیسا کہ ابن السمفیع ؟؟؟ کی قراءت میں ہے:

’فَالْيَوْمَ نُنَحِّيْكَ بِبَدَنِكَ‘ [یونس:٩٢]

یعنی حا مهمله کے ساتھ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑤ الموضوع

جو کسی طرف بلا اسناد منسوب ہو جیسا کہ وہ قراءات جو محمد بن جعفر الخزاعی نے جمع کر کے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کردیں۔

⑥ المدرج

جو مدرج حدیث کی مثل ہو یعنی وہ قراءت جو بطور تفسیر اضافہ کی گئی ہو۔[الاتقان:۱/۱۳۲،۱۳۱] مثلاً مصحف عائشہ میں 'والصلاۃ الوسطی، صلاۃ العصر' کی ہے اور عبداللہ بن مسعود کی منفرد قراءات اسی قسم سے ہیں۔
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ پہلی دو قسم کی قراءات صحیحہ کی ہیں اور باقی اَقسام اَربعہ غیر صحیحہ کی ہیں۔ واللہ أعلم بالصّواب

قراءاتِ شاذۃ اور ائمہ اسلام

قراءت کے تسلسل میں اَسانید کو بہت بڑا دخل ہے جس طرح کوئی حدیث صحت سند کے بغیر معتبر نہیں اسی طرح اگر کوئی قراءت اسناداً متصل نہ ہو تو وہ بھی قابل قبول نہیں ہے۔[التیسیر للداني:۸]
اور پھر قراءات توقیفی ہیں اس میں قیاس کو دخل نہیں ہے۔ بایں وجہ علامہ زمخشری رحمہ اللہ کا یہ قول قابل التفات نہیں ہے:

''قراءات محض اختیاری ہیں اور جو عربی قواعد کے مطابق اور انسب ہو اسے پڑھا جا سکتا ہے اور یہ فصحاء وبلغاء کے اختیار واجتہاد پر دائر ہے۔'' [الاتقان:۱/۳۲]

پس جو قراءت صحت سند کیساتھ منقول نہ ہو، وہ خواہ قواعد عربیہ اور رسم الخط کے موافق ہی کیوں نہ ہو، مقبول نہیں ہے۔ بلکہ وہ مردود کے حکم میں ہوگی۔
متعدد قراء ات وہ ہیں جن کا علماء نحو اِنکار کرتے ہیں مگر ان کے انکار کو کچھ اہمیت حاصل نہیں ہے۔ مثلاً ﴿بَارِئْكُمْ﴾ اور ﴿يَأْمُرْكُمْ﴾ میں ہمزہ اور راء کو ساکن کرنا اور ﴿وَالْأَرْحَامِ﴾ کی میم کو جر دینا اور ﴿لِيُجْزَىٰ قَوْمًا﴾ میں میم کو نصب اور ﴿قَتْلُ أَوْلَادَهُمْ شُرَكَائِهِمْ﴾ میں مضاف، مضاف الیہ کے درمیان فصل لانا وغیرہ۔
[البرھان للزرکشي:۱/۳۲۱]

ابوبکر بن مقسم کی مخالفت

یہی وجہ تھی کہ قراء کرام نے ابوبکر بن مقسم کی قراءت کو ممنوع قرار دے دیا، کیونکہ ابن مقسم ہر اس قراءت کو جائز رکھتے جو عربیت کے اعتبار سے صحیح ہو خواہ نقل روایت اور رسم مصحف کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔
اسی طرح قراء نے 'ابن شنبوذ' سے توبہ کروانے کے لیے مجلس قائم کی جو کہ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق لکھوانا چاہتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ قراء نے اَعمش کی قراءت کو غیر مقبول قرار دیا، کیونکہ وہ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کی اتباع کرتا[المصاحف للسجستاني:۹۱] اور اسی وجہ ان کی قراءۃ کا نام شاذۃ رکھا گیا۔ ابن خالویہ نے القراءات الشاذۃ پر ایک مستقل تصنیف کی ہے جس کا نام 'المحتسب في القراءات الشاذۃ' ہے اور ابوالبقاء العبکری نے بھی اس موضوع پر ایک مفصل کتاب لکھی جس کا نام 'إملاء ما من به الرحمن من وجوه الإعراب والقراءات في جميع القرآن' رکھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بناء پر علماء نے بلاتردد یہ بات کہی ہے کہ قراءات شاذہ کی توجیہ بلحاظ قواعد 'قراءت مشہورۃ' کی توجیہ سے زیادہ قوی ہے۔[البرھان: ۳۴۱/۱] اور شاذۃ کی توجیہ صحت تاویل پر معاون ہے۔ مثلاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ﴿ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا ﴾[المائدۃ:۳۸] ہے، جس سے حد سرقہ میں قطع کی توضیح ہوجاتی ہے۔ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قراءت 'وله أخ أو أخت من أم سے واضح ہوجاتا ہے کہ اگر ماں کی طرف سے بھائی ہوں تو پھر ہر ایک کے لیے سدس ہے یعنی خاص قسم کے إخوۃ مراد ہیں۔ اور زید بن علی کی قراءت 'الله نَوَّرَ السَّمٰوٰتِ وَالأرض' ہے جو معنی کے اعتبار سے 'نُوْرُ السَّمٰوٰتِ' سے زیادہ واضح ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ 'إِنَّمَا يَخْشَى اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءَ' پڑھتے، یعنی اللہ تعالیٰ علماء کی تعظیم وتکریم فرماتے ہیں۔

چنانچہ زرکشی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"إن الخشية هنا بمعنى الإجلال والتعظيم لا الخوف."

پس ان قراءات شاذہ سے کم ازکم صحت تاویل ضرور مستفاد ہوتی ہے لیکن بعض قراءات شاذہ میں بظاہر تکلف اور بشاعت (کراہت) پائی جاتی ہے تاہم تاویل صحیح ہونے کی بناء پر بشاعت وکراہت رفع ہوجاتی ہے مثلاً ﴿ هُوَ اللهُ الْخٰلِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوَّرُ ﴾[الحشر:۲۴] کہ مصور اسم مفعول کا صیغہ ہے اور الباری کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی 'الذی برء المصور' [البرھان: ۳۴۱/۱] تاہم کسی کے نزدیک بھی شاذہ کے کلام اللہ ہونے کا اعتقاد واجب نہیں ہے۔

قراءتِ شاذہ کے اَحکام

جب اس کا قرآن ہونا صحیح نہیں ہے تو نماز میں بھی اس کی قراءت جائز نہیں ہے۔

- علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"لا يجوز القراءة في الصلاة بالقراءة الشاذة لأنها ليست بقرآن لأن القرآن لا يثبت إلا بالمتواتر والشاذة ليست بمتواترة ومن قال غيره فغالط، أو جاهل فلو خالف وقرأ بالشاذة أنكر عليه القراءات في الصلاة وغيرها"۔ [البرھان: ۳۳۳/۱]

''شاذ قراءت نماز میں جائز نہیں، کیونکہ وہ قرآن نہیں، اس لیے کہ قرآن تواتر کے بغیر ثابت نہیں ہوتا اور قراءت شاذۃ تواتر سے ثابت نہیں ہوتیں۔ اور جس نے اس بات کے علاوہ کہا اس نے غلطی کی یا جاہل ہونے کا ثبوت دیا، اگر وہ اس کی مخالفت کرتے ہوئے نماز میں یا نماز کے علاوہ اس کی قراءت کرتا ہے تو اس قراءت کا اس پر انکار کیا گیا ہے۔''

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی اس کے نماز میں عدم جواز پر اجماع نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس قاری کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے جو نماز میں قراءت شاذہ پڑھتا ہے۔

اس طرح امام مالک رحمہ اللہ نے بھی عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے[البرھان: ۲۲۲/۱] اور کہا ہے:

"من قرأ في صلاة بقراءة ابن مسعود وغيره من الصحابة مما يخالف المصحف لم

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یصل وراءہ.“

”جس شخص نے نماز میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے صحابی کی (منفرد یا مخصوص) قراء ت کو پڑھا جو مصحف کے خلاف ہے اس کے پیچھے (امامت میں) نماز نہ پڑھی جائے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی قراءت کے متعلق علماء کا یہ مؤقف اس بناء پر ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما معوذتین کے قرآن ہونے کے قائل نہیں تھے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ کو دم کیا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مصحف ان دونوں سے خالی ہے۔[الاتقان: ۱۳۷، ۱۳۸]

اسی طرح حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے مصحف کے آخر میں دعاء الإستفتاح اور دعائے قنوت کو بمنزلہ دو سورتوں کے جمع کر رکھا تھا۔[البرھان: ۱۲۸/۲] حالانکہ اس پر کوئی دلیل نہ تھی لیکن علامہ الباقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ابن مسعود، ابی، زید، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم یا ان کی آل واولاد میں سے کسی کی طرف یہ نسبت جائز نہیں ہے کہ انہوں نے مصحف جماعت کے خلاف کوئی قراءت درج کی ہو یا اخبار آحاد کی بناء پر کسی قسم کی تبدیلی کی ہو ایسی بات ایک ادنیٰ مسلمان بھی نہیں کرسکتا چہ جائیکہ آئمہ کی طرف منسوب کی جائے۔[البرھان: ۱۲۹۱]

قراءِ سبعہ

اب ہم قراءِ سبعہ عشرہ اور اَربعہ عشرہ کا تعارف کرواتے ہیں تاکہ قراء ات کی اَسانید معلوم ہوسکیں۔ سبعہ کی اصطلاح سب سے پہلے ابن مجاہد نے متعارف کرائی لہٰذا تمہید کے طور پر ابن مجاہد کا تعارف پیش خدمت ہے۔

ابن مجاہد رحمہ اللہ

ابن مجاہد رحمہ اللہ مصنف 'کتاب سبعة' کا پورا نام ونسب یہ ہے: أبوبکر أحمد بن موسیٰ بن العباس ابن مجاھد البغدادي (المولود ۲۴۵ھ المتوفی ۳۲۴ھ) قراءت کے امام، محدث، نحوی اور شیخ المقرئین کے لقب سے معروف تھے۔[تاریخ بغداد: ۱۴۴/۵]

سعدان بن نصر، الرمادی، محمد بن عبداللہ المخرمی، محمد بن اسحاق صاغانی اور ان کے ہم طبقہ سے سماع کیا قنبل المکی اور ابو الزعراء بن عبدوس پر قرآن کی تلاوت کی اور حروف ایک جماعت سے عرضاً حاصل کیے۔ ابن الجزری رحمہ اللہ نے غایة النھایة میں ان کے نام بالإستیعاب ذکر کیے ہیں خلق کثیر نے اس پر قراءت کی جن میں منصور بن محمد القرار اور شنبوذی بھی شامل ہیں۔

- علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”انتھی إلیه علم ھذا الشأن وتصدر مرة.“ [النبلاء: ۲۷۲/۱۵]

امام دارقطنی رحمہ اللہ، ابن شاہین رحمہ اللہ اور ابوبکر بن شاذان رحمہ اللہ نے ان سے روایت کی ہے۔

- ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”فاق ابن مجاھد سائر نظائرہ مع اتساع علمه وبراءة فھمه وصدق لھجته وظھور نطقه.“ [طبقات سبکی: ۵۸/۳]

- ابن الجزری رحمہ اللہ غایة النھایة میں لکھتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

’’آپ نے نہایت مشہور ومعروف اور آپ کے تلامذہ کا حلقہ نہایت وسیع تھا آپ نے اپنے اقران ونظراء سے بازی لے گئے اور محمد یحییٰ الکسائی کی زندگی میں ہی صدر مجلس بن گئے۔‘‘

ابن ابی ہاشم کا بیان ہے کہ کسی نے ابن مجاہد سے پوچھا:

”لم لا تختار حرفا لنفسك .“

’’تم اپنے لیے ایک قراءت کو کیوں نہیں پسند کرتے ہو۔‘‘

تو اُنہوں نے فرمایا:

ہمارے ائمہ نے جو حروف (قراءت) اختیار کیے ہیں ان کی حفاظت زیادہ ضروری ہے اس کی بجائے کہ ہم اپنی قراءت اختیار کریں۔[الطبقات للسبکي:۵۸/۳]

موصوف طبعی طور پر لطافت وظرافت کے ماہر تھے۔[تاریخ بغداد:۱۴۷/۵] ان کے حلقہ درس میں مجلس کنٹرول کرنے کے لیے ۸۴/مقری موجود رہے۔[غایة النهایة:۱۳۲/۱]

کتابُ السبعة

ابن مجاہد رحمہ اللہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ’کتاب السبعة‘ لکھی ورنہ اس سے پہلے یہ اصطلاح متعارف نہ تھی۔ موصوف نے سات مشہور قراء کی قراءات جمع کر کے اس کا نام ’کتاب السبعة‘ رکھا۔ یہ قراء گو فقہ وامانت اور ضبط وملازمت قراءت میں مشاہیر تھے تاہم یہ انتخاب کسی معیار کے مطابق نہ تھا بلکہ حسب اتفاق جمع کر دیئے گئے تھے۔

[البرهان للزرکشي:۳۲۷/۱]

پھر انہوں نے کتاب السبعة لکھ کر اس فن کی کوئی خدمت نہیں کی بلکہ عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے اور کوتاہ نظر یہ سمجھنے لگے کہ حدیث ’أنزل القرآن علی سبعة أحرف‘ سے یہی سات قراءات مراد ہیں۔ جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے اس لیے ابو العباس عمار، ابن مجاہد کو ملامت کرتے اور کہتے:

”لیته اقتصر ، نقص عن السبعة أو زاد لیزیل الشبهة“

’’کاش کہ وہ رک جاتے سات سے کم یا زیادہ لکھتے تاکہ شبہ ختم ہو جاتا۔‘‘

اسی طرح ابو شامۃ اپنی کتاب ’المرشد الوجیز‘ میں لکھتے ہیں:

’’بعض لوگ یہ خیال رکھتے ہیں کہ حدیث اُنزل القرآن ...... الخ سے قراءاتِ سبعہ مراد ہیں، حالانکہ یہ اجماع اہل علم کے خلاف ہے یہ محض جہالت کا گمان ہے۔‘‘[الإتقان:۱۳۸/۱، الزرقاني:۱۳۴/۱، الوجیز:۱۴۶]

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب علماء نے قراءات پر کتابیں لکھنا شروع کیں تو اس وقت ’سبعہ‘ کی اصطلاح بلادِ اِسلامیہ میں قطعی متعارف نہ تھی مثلاً ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ، صاحب الشافعي، أبو جعفر الطبری رحمہ اللہ اور أبو حاتم السجستانی رحمہ اللہ کی کتابوں میں بہت سی قراءات مذکور ہیں لیکن ان میں ’سبعہ‘ کی اصطلاح کا نام ونشان تک نہیں ہے اندازہ ہے کہ ابن مجاہد رحمہ اللہ کی اس کتاب کے بعد اس اصطلاح کا تعارف ہوا اور اس وقت لوگوں نے ائمہ کی قراءت پر اکتفاء کرنا شروع کر دیا تھا۔

- علامہ زرکشی رحمہ اللہ ’البرھان‘ میں لکھتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

’’إن القراءات لم تكن متميزة عن غيرها إلا في قرن الأربعمائة جمعها أبو بكر ابن مجاهد ولم يكن متسع الرواية والرحلة كغيره، والمراد بالقراءات السبع المنقولة عن الأئمة السبعة . “

الغرض علماء نے ابن مجاہد رحمہ اللہ کی اس کوشش کو بنظرِ استحسان نہیں دیکھا یہ کتاب دکتور شوقی ضیف کی تحقیق سے طبع ہوچکی ہے۔

مصادر ومراجع

تاریخ بغداد: ۱۴۴/۵، ۱۴۸۔ المنتظم: ۲۸۲/۶، ۲۸۳۔ معجم الأدباء: ۵ل۶۵، ۷۳۔ معرفة القراء: ۲۱۶/۱، ۱۱۸۔ العبر: ۲۰۱/۲۔ شذرات: ۳۰۲/۲۔ النجوم الزاهرة: ۲۵۸/۳۔ طبقات السبكي: ۵۷/۳، ۵۸۔ الوافي: ۲۰۰/۸۔ غاية النهاية: ۱۳۹/۱، ۱۴۲۔ البداية النهاية: ۱۸۵/۱۱۔

اَب ہم قراء سبعہ کا مفصل تعارف کرواتے ہیں جس میں ان کے سلسلۂ اَسناد پر بھی بحث کریں گے۔

علامہ زرکشی رحمہ اللہ لکھتے ہیں وہ ائمہ سبعہ یہ ہیں:

① عبدالله بن كثير المكي القرشي
② نافع بن عبدالرحمن بن أبي نعيم
③ عبدالله بن عامر بن يزيد
④ أبوعمرو بن العلاء البصري
⑤ عاصم بن أبي النجود الكوفي
⑥ حمزة بن حبيب بن عمارة الكوفي
⑦ أبو علي الكسائي الكوفي

◉ ابومحمد مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مامون الرشید کے زمانہ میں ابوعلی الکسائی الکوفی رحمہ اللہ کو یعقوب الحضرمی رحمہ اللہ کی بجائے ساتواں قرار دیا گیا، کیونکہ الکسائی رحمہ اللہ مامون کا مؤدب تھا اور یہ ’سبعہ‘ دو یعنی ابن عامر رحمہ اللہ اور ابوعمرو رحمہ اللہ کے سوا سب کے سب عجمی ہیں بعض نے لکھا ہے کہ ان کے سبعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ’مصاحف سبعة‘ لکھ کر بھیجے تھے تو قراء بھی مصاحف کے مطابق سات قرار دیئے گئے اور بعض نے ’أنزل القرآن على سبعة أحرف‘ کے ساتھ مربوط کیا ہے جو بے معنی بات ہے۔ ابن حبیب المقری رحمہ اللہ، جو ابن مجاہد رحمہ اللہ سے متقدم ہیں، نے قراءات میں اپنی کتاب کا نام ’کتاب الخمسة‘ رکھا ہے اور اس میں صرف پانچ قراء کا ذکر کیا ہے اور بعض نے ’کتاب الثمانية‘ لکھی ہے اور یعقوب الحضرمی رحمہ اللہ کا اضافہ کردیا ہے اور بعض نے ’کتاب العشرة‘ الغرض ہر ایک نے اپنے ذوق کے مطابق انتخاب کیا ہے۔’’وللناس فيما يعشقون مذاهب“

① عبداللہ بن کثیر الداری رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۰ھ

یہ تابعی ہیں اور مکہ میں بھی ان کی قراءت کو خاص شہرت حاصل تھی صحابہ کرام میں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ثابت ہے بعض نے ان کا نسب یوں لکھا ہے:

”عبدالله بن كثير بن عمرو بن عبدالله بن زاذان بن فيروزان بن هرمز الإمام أبو معبد المكي الداري إمام أهل مكة في القراءت . “

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الداری عطار کو کہا جاتا ہے کیونکہ اس زمانہ میں بحرین میں ’دارین‘ مقام سے عطر لایا جاتا تھا اس لیے عطار کو الداری کہا جاتا تھا۔ لیکن بعض نے لکھا ہے کہ یہ بنی عبدالدار بن ہانی تمیم الداری کی نسل سے تھے۔ اس لیے ان کو الداری کہا جاتا ہے۔ [التاریخ الکبیر: ۱۸۱/۵]

پہلی وجہ صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہ ابناء فارس سے تھے جیسا کہ بیان کردہ نسب سے ظاہر ہے اور عبداللہ بن کثیر القرشی اور عبداللہ بن کثیر القاری میں التباس کی وجہ سے دونوں کو ایک ہی سمجھ لیا گیا ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ ۴۵ھ کو مکہ میں پیدا ہوئے اور مکہ میں مذکور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ اور درباس مولیٰ ابن عباس سے ملاقات کی اور ان سے روایت کا شرف بھی حاصل کیا۔

◉ حافظ ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ وغیرہ نے لکھا ہے:

”صاحب ترجمہ نے عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ سے عرضاً قراءت حاصل کی۔ اس قول کو گو أبو العلاء الهمداني نے ضعیف کہا ہے لیکن اس میں ضعف کی کوئی وجہ نہیں ہے جبکہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے متعدد صحابہ کو پایا ہے اور ان سے روایت بھی کی ہے۔“

◉ ابن الجزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ابن مجاہد رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے طریق سے اس کو صراحتاً ذکر کیا ہے ان کے تلامذہ میں اسماعیل بن عبداللہ بن القسط رحمہ اللہ، جریر بن حازم رحمہ اللہ، اسماعیل بن مسلم رحمہ اللہ اور ابن جریج رحمہ اللہ وغیرہ شامل ہیں جو ان سے قراءت کے راوی بھی ہیں۔ ابن الجزری رحمہ اللہ نے قریباً تیس راویوں کے نام ذکر کئے ہیں جن میں سفیان بن عیینہ اور حماد بن سلمہ بھی شامل ہیں۔“ [غاية النهاية: ۴۴۳/۱]

◉ ابوعمرو رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ابن کثیر مجاہد رحمہ اللہ سے عربیت میں فائق تھے ابن مجاہد رحمہ اللہ ’كتاب السبعة‘ میں لکھتے ہیں:

”ولم يزل عبدالله هو الإمام المجتمع عليه في القراءات بمكة حتى توفي سنة عشرين ومائة.“

② نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم رحمہ اللہ المتوفی ۱۶۹ھ

◉ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”الإمام، حبر القرآن، أبورويم...... ويقال: أبوالحسن ويقال: أبونعيم مولى جعونة ابن شعوب الليثى، حليف حمزة عم رسول الله ﷺ أصله أصبهاني.“

نافع معمرین میں شمار ہوتے ہیں ۹۵ھ میں قراءت اَخذ کی اور ۱۲۰ھ کو مسند قراءت پر متمکن ہوئے جب کہ ان کے اکثر مشائخ زندہ تھے امام مالک رحمہ اللہ نافع رحمہ اللہ کو امام الناس فی القراءت کا لقب دیتے اور یہ بھی فرمایا کرتے:

”قراءة نافع سنة“

مدینہ منورہ میں ان کی قراءت نے خصوصی شہرت حاصل کی ستر تابعین سے قراءت حاصل کی جو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ سے تھے۔

◉ ابن الجزری رحمہ اللہ نے نافع رحمہ اللہ سے ۱۴۴ طرق ذکر کئے اور لکھا ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”وأما قراءة نافع من روايتي قالون وورش عنه . “

’’امام نافع رحمہ اللہ سے قالون رحمہ اللہ اور ورش رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے۔‘‘

پھر دونوں سے روایات نقل کی ہیں اور اَسانید صحیحہ سے تمام طرق کا احصاء کیا ہے۔ اَولاً قالون رحمہ اللہ سے روایات ذکر کر کے آخر میں لکھا ہے:

”فهذه ثلاث وثمانون لقالون من طريقي الحلواني وأبي نشيط . “

’’حلوانی اور ابونشیط کی سند سے قالون کی تراسی اسناد ہیں۔‘‘

اور پھر ورش رحمہ اللہ تک طریق بیان کیے ہیں اور لکھا ہے:

”فهذه إحدى وستون طريقا لورش . “

’’ورش رحمہ اللہ کی اکسٹھ اَسناد ہیں۔‘‘

اور یہ دونوں نافع رحمہ اللہ کے تلمیذ ہیں جو کل ۱۴۴ طرق (اسناد) نافع تک پہنچتے ہیں ان میں سے پانچ کی قراءت مشہور ہے:

- عبدالرحمن بن هرمز الأعرج صاحب أبي هريرة ÷
- أبو جعفر يزيد بن القعقاع أحد القراء العشرة
- شيبة بن نصاح مقرئ المدينة ومولى أم سلمة + توفي ۱۳۰ھ
- مسلم بن جندب الهذلي
- يزيد بن رومان

حالات

النبلاء: ۳۱۶/۱۰، إرشاد الأريب: ۱۰۳/۶، شذرات: ۴۸/۲، النجوم الزاهرة: ۳۱۵/۲، العبر: ۳۱۸/۱، معرفة القراء الكبار: ۱۲۸/۱، طبقات القراء للجزري

اوران خمسہ نے مقری المدینہ عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ رحمہ اللہ پر بھی قراءت کی ہے۔

- ابن عدی الکامل میں نافع رحمہ اللہ کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

”له نسخة عن الأعرج (يرويها عنه ابن أبي فديك وعنه أحمد صالح) تبلغ مائة حديث، وله نسخة أخرى عن أبي الزناد وله من التفاريق (عما يحدث به عنه جماعة من أهل البيت) قدر خمسين حديثا ولم أر له شيئا منكرا . (فأذكره وأرجو أنه لا بأس به)“

- علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’بہتر ہے کہ اس کی حدیث حسن شمار کی جائے۔‘‘ [النبلاء: ۳۳۸/۷ وطبقات القراء]

حالات امام نافع کے مصادر

التاريخ الكبير: ۸۷/۸، مشاهير علماء الأمصار: ۱۴۱، الكامل لابن عدى: ۲۵/۵، تهذيب التهذيب: ۹/۴، ميزان الاعتدال: ۲۴۲/۴، العبر للذهبي: ۲۵۷/۱، شذرات: ۲۷۰/۱، غاية النهاية: ۳۳۰/۲

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسالہ شاطبیہ اور التیسیر میں ان تک سات طرق ذکر ہوئے ہیں صاحب التیسیر نے اَسانید ذکر کی ہیں جو نافع رحمہ اللہ تک پہنچتی ہیں اور الشاطبیہ میں الدانی رحمہ اللہ تک اَسانید مذکور ہیں دوسرا طریق ابن بویان تک الهدایہ میں ابن شریح اور المهدوی سے مذکور ہے تیسرا طریق ابوالحسن بن علی العلان کا ہے جو ابن السوار نے ذکر کیا ہے چوتھا طریق ابوبکر بن مہران کا ہے جو کتاب النہایہ سے منقول ہے۔

ابن الجزری رحمہ اللہ نے ان تک اپنی اَسانید ذکر کی ہیں اور ابن بویان تک ۲۳ طریق ذکر کیے ہیں اور القراز تک ۱۱ طرق اور القراز اور ابن بویان دونوں قاضی ابوحسان کے تلمیذ ہیں یہ طریق ابن الجزری رحمہ اللہ نے ذکر کیے ہیں۔

حالات

أبونشيط ۲۵۸هـ، الحلواني ۲۵۰هـ، ابن بويان ۳۴۴هـ، ابن أبي مهران: ۲۸۹هـ، جعفر بن محمد ۲۹۰هـ، الزرق ۲۴۰هـ، الأصبهاني: ۲۹۶هـ۔

ابونشیط محمد بن ہارون الامام المقری، المجود المروزی البغدادی قرء علی عیسیٰ بن مینا بحرف نافع

ہم بیان کر آئے ہیں کہ نافع رحمہ اللہ نے ستر تابعین پر قرآن کی قراءت کی ہے جن میں ابوجعفر رحمہ اللہ، محمد ابن ہرمز الاعرج رحمہ اللہ، مسلم بن جندب رحمہ اللہ، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری رحمہ اللہ، صالح بن خوات رحمہ اللہ اور یزید رحمہ اللہ مشہور تر ہیں۔

اور عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ المخزومی رضی اللہ عنہ کی ہے اور مسلم بن جندب رضی اللہ عنہ اور ابن رومان رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عیاش رضی اللہ عنہ کے بھی تلمیذ ہیں اور نافع رحمہ اللہ کے اَساتذہ میں ایک شیبہ بن نصاح رضی اللہ عنہ بھی ہیں جنہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے قراءت کی اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے اور ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ وابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن عیاش رضی اللہ عنہ تینوں تلمیذ ہیں اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر بھی قراءت کی ہے اور یہ تینوں صحابہ (زید رضی اللہ عنہ، ابی رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ) بلا واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد ہیں۔

③ عبداللہ بن عامر الیحصبی رحمہ اللہ المتوفی ۱۰۸ھ

ان کی قراءت شام میں رائج ہوئی۔ یہ حضرت مغیرہ بن شہاب المخزومی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں اور مغیرہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے۔ علاوہ ازیں ان کو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اور واثلہ بن الاسقع سے بھی لقاء حاصل ہے۔ بعض نے ان کو بلاواسطہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا شاگرد گردانا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قراءت کی ہے۔

[طبقات القراء: ۱/۴۲۳، ۴۲۵]

◉ ابن الجزری رحمہ اللہ نے ان کا پورا نسب لکھا ہے:

”عبدالله بن عمر بن يزيد بن تميم بن ربيعه بن عامر بن عبدالله بن عمران اليحصبي . “

[غاية النهاية: ۱/۴۲۴، الجرح والتعديل: ۵/۱۲۲]

یعنی یہ عربی ہیں ان کی کنیت ابوعمران ہے قراءت میں اہل شام کے امام مانے جاتے ہیں۔

◉ ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”أخذ القراءة عرضا عن أبي الدرداء وعن المغيرة بن أبي شهاب صاحب عثمان بن عفان، وقيل: عرض على عثمان نفسه.“ [ميزان الاعتدال:۲/۴۴۹]

’’انہوں نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے اور مغیرہ بن ابی شہاب رضی اللہ عنہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھی ہیں ان سے قراءت حاصل کی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے براہ راست حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قراءت حاصل کی ہے۔‘‘

- ابن الجزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”قلت وقد ورد في إسناده تسعة أقوال أصحها أنه قرأ على المغيرة“

’’میں کہتا ہوں کہ اس کی اسناد کے متعلق نو اَقوال مروی ہیں سب سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ انہوں نے مغیرہ رضی اللہ عنہ پر قراءت کی ہے۔‘‘

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر پورا قرآن تلاوت کرنا بعید سا ہے اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے تلمذ کی نسبت بھی صحیح نہیں ہے بعض نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر قراءت کو بھی بعید سا شمار کیا ہے۔ لیکن ان پر استبعاد کی کوئی وجہ نہیں ہے اور ابن مجاہد رحمہ اللہ کا انکار بے معنی ہے۔

الغرض ابن عامر رحمہ اللہ کی قراءت صحیح اور معتمد ہے اور اس پر طعن صحیح نہیں۔ خصوصاً جبکہ ابن مجاہد رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وہ قراءت میں اہل شام اور جزیرہ کے اُستاد ہیں۔

- ابوعلی الاہوازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”كان إماما عالما ثقة فيما آتاه، حافظا لما رواه، من أفاضل المسلمين وخيار التابعين وأجلة الراوين.“

’’جو چیز انہیں میسر ہوئی ہے اس میں یہ عالم ثقہ امام ہیں۔ مرویات کے محافظ ہیں یاد رکھنے میں بلا کے حافظ تھے مسلمانوں میں فاضل تابعین میں پسندیدہ اور روایت کرنے والوں میں جلیل القدر تھے۔

جامع دمشق کے امام رہے جب کوئی بدعت دیکھتے تو اس کو مٹا دیتے۔ ۲۱ھ کو پیدا ہوئے وہ دوسال کے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے اور دمشق کی فتح کے وقت نو سال کے تھے۔ آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے سماع حاصل ہے جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ اور فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔

ان سے قراءت کے رواۃ حسب ذیل ہیں۔

① يحيىٰ بن الحارث رحمہ اللہ
② عبدالرحمن بن عامر رحمہ اللہ
③ ربيعة بن يزيد رحمہ اللہ
④ جعفر بن ربيعة رحمہ اللہ
⑤ إسماعيل بن عبيد الله بن أبي المهاج رحمہ اللہ ر
⑥ سعيد بن عبد العزيز رحمہ اللہ
⑦ خلاء بن يزيد بن صبيح المرى رحمہ اللہ
⑧ يزيد بن ابى مالك رحمہ اللہ

دمشق میں ۱۱۸ھ کو وفات پائی۔

حالات

التاريخ الصغير: ١٠٠، الجرح والتعديل: ٥/١٢٢، تهذيب الكمال: ٦٩٧، ميزان الاعتدال: ٢/٤٢٣، خلاصة تهذيب الكمال: ٢٠٢، سير أعلام النبلاء: ٥/١٩٢

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

④ أبوعمروزبان بن العلاء بن عمار الخزاعی التمیمی المعدی العدنانی رحمہ اللہ المتوفی ۱۵۴ھ

ابن الجزری رحمہ اللہ نے اس کو الامام السید لکھا ہے اور اس کا نسب مالک بن عمرو بن تمیم کے واسطہ سے مضر بن معد بن عدنان تک پہنچتا ہے۔ آپ ۶۸ھ کو پیدا ہوئے اور حرمین میں قراءت حاصل کی پھر کوفہ اور بصرہ پہنچ کر قراء کی ایک جماعت سے قرآن پڑھا اس لیے قراء سبعہ میں ان کے شیوخ سب سے زیادہ ہیں پہلے حرمین میں مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے قراءت حاصل کی جو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تلمیذ ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ [طبقات القراء: ۱/۲۸۸، ۲۹۲]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سماع حاصل ہے۔ اور مندرجہ ذیل سے قراءت اَخذ کی:

① الحسن بن أبي الحسن البصري رحمہ اللہ ② حمید بن قیس الأعرج رحمہ اللہ
③ أبوالعالیہ رفیع بن مهران الریاحي رحمہ اللہ ④ سعید بن جبیر رحمہ اللہ
⑤ شیبہ بن نصاح رحمہ اللہ ⑥ عاصم بن أبي النجود رحمہ اللہ
⑦ عبداللہ بن أبي إسحاق المخضرمي رحمہ اللہ ⑧ عبداللہ بن کثیر المکي رحمہ اللہ

وکان أعلم الناس بالقرآن والعربیة مع الثقة والصدق

’’قرآن کریم اور عربی زبان کو لوگوں سے سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ قابل وثوق اور صاحب صدق وزہد تھے۔‘‘

◉ ابوعبیدہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

”کانت دفاتر أبي عمرو ملء بیت الی السقف“

’’ابوعمرو رحمہ اللہ کے رجسٹر اتنے تھے کہ گھر چھت تک بھرا ہوا تھا۔‘‘

◉ وہب بن جریر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ شعبہ رحمہ اللہ نے مجھ سے کہا:

”تمسك بقراءة أبي عمرو فإنها ستصیر للناس إسنادا.“

’’ابوعمرو رحمہ اللہ کی قراءت حاصل کیجیے کیونکہ وہ لوگوں کے لیے سند کی حیثیت رکھتی ہے۔‘‘

چنانچہ شعبہ کا یہ قول صحیح ثابت ہوا اور اب شام وحجاز اور مصر ویمن میں ابوعمرو رحمہ اللہ کی قراءت ہی مشہور ہے شام میں ۵۰۰ھ تک ابن عامر رحمہ اللہ کی قراءت مقبول رہی لیکن اس کے بعد اہل شام نے بھی ابوعمرو بن العلاء رحمہ اللہ کی قراءۃ اختیار کر لی۔ پس یہ بات شعبہ کی کرامت شمار ہوتی ہے۔

ابوعمرو رحمہ اللہ مکہ میں پیدا ہوئے، بصرہ میں تربیت پائی اور کوفہ میں فوت ہوئے ان کی وفات ۱۵۵ھ یا ۱۵۷ھ میں ہے۔

ترجمہ

التاریخ الکبیر والکنی: ۹/۵۵، وفیات: ۳/۳۶۶، تهذیب الکمال: ۱۶۲۶، تاریخ إسلام: ۶/۳۲۲، تهذیب: ۴/۲۲۵

⑤ یعقوب بن اسحاق بن زید الحضرمی ۲۰۵ھ

یہ بھی بصرہ کے قاری ہیں اور سلام بن سلیمان الطّویل سے روایت کرتے ہیں جو کہ ابوعمرو رحمہ اللہ اور عاصم رحمہ اللہ سے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت کرتے ہیں۔

موصوف نے حسب ذیل قراء سے عرضاً قراءت اَخذ کی:

① سلام بن سليمان الطويل أبو المنذر المزني الكوفي

② مهدي بن ميمون أبويحيى البصري ③ سلمة بن محارب

④ أبو الأشهب العطاردي جعفر بن حيان البصري

⑤ شهاب بن شرنفة الجاشعي البصري ⑥ عصمة بن عروة فقيمي البصري

⑦ روى عنه الحروف يعقوب بن إسحاق ⑧ يونس بن عبيد أبو عبدالله البصري

◉ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قراء فقہاء اور صلحاء میں سے کوئی بھی اس کی قراءۃ کا اِنکار نہیں کرتا تھا۔ [غاية النهاية: ۵۱۲/۱]

ان کے شیوخ میں مسلمہ بن محارب رحمہ اللہ، ابوالاسود الدؤلی رحمہ اللہ کے واسطہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔

ابن الجزری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ مجھے ابوالاشہاب عن ابی الرجاء عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ روایت حاصل ہے جو نہایت ہی عالی ہے۔ [غاية النهاية: ۲/]

اور یعقوب حضرمی رحمہ اللہ سے بہت سے اَئمہ نے روایت کی ہے۔

◉ ابوحاتم السجستانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”هو أعلم من رأيت بالحروف والاختلاف في القرآن وعلله ومذاهب ومذاهبه النحو،

”وأروى الناس بحروف القرآن ولحديث الفقهاء.“ [معرفة القراء الكبار: ۱۵۸/۱]

”جن کو میں نے دیکھا ہے ان میں سب سے زیادہ قراءات وقراءت کی تشریح اور اس کے مختلف طرق نیز قواعد نحو کے مختلف اصولوں کو بیان کرنے والے تھے اور قرآن کی قراءات اور فقہاء کے اَقوال کو نقل کرنے والے تھے۔“

◉ سعیدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”كان يعقوب أقرأ أهل زمانه وكان لا يلحن في كلامه وكان أبوحاتم السجستانى من بعض تلاميذه.“ [معرفة القراء الكبار: ۱۵۸/۱]

”یعقوب اپنے زمانہ میں بڑے قاری تھے جو اپنی گفتگو میں غلطی نہ کرتے تھے سجستانی ان کے شاگردوں سے تھے۔“

◉ مزید لکھتے ہیں:

”كان يعقوب من أعلم زمانه بالقرآن والنحو وغيره وكذا أبوه جنده.“

”یعقوب اپنے زمانہ میں قرآن اور نحو کے سب سے بڑے عالم تھے اسی طرح اس کے آباؤ اَجداد بھی عالم تھے۔“

جن علماء نے یعقوب کی قراءۃ کو شواذ میں شمار کیا ہے ان میں ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ پہلا شخص ہے۔ اور اَئمہ متقدمین نے اس کی مخالفت کی ہے۔

الغرض موصوف قرآن، عربیت کے بہت بڑے عالم تھے۔

◉ ابوحاتم السجستانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ ایک ایسے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جو علوم قرآن عربی زبان بے شمار روایات اور قراءات اور فقہ کو جاننے والے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے اور بہت بڑے قاری نیز قرآن کریم کی قراءات اور فقہاء کی باتوں کو نقل کرنے والے تھے۔''
امام بخاری رحمہ اللہ کے مطابق بعمر ۸۸ سال ۲۵۰ھ میں فوت ہوئے ان کے والد اور جدامجد بھی اسی عمر میں فوت ہوئے۔

ترجمہ

بغية الوعاة: ۳۴۸/۳، شذرات: ۱۴/۲، طبقات القراء للجزري: ۳۸۶/۲، تهذيب التهذيب: ۳۸۴/۱۱، معرفة القراء الكبار: ۱۳۰/۱، التاريخ الصغير: ۲۱۹، معجم الأدباء: ۵۲/۲، طبقات ابن سعد: ۳۰۴/۷، التاريخ الكبير: ۳۹۹/۸

⑥ حمزه بن حبيب الزيات مولىٰ عكرمة بن ربيع التيمى رحمہ اللہ المتوفى ۱۸۸ھ

سلسلہ اسناد یہ ہے:

”قرأ على سليمان بن مهران على يحيىٰ بن وثاب على زر بن حبيش على عثمان وعلى وابن مسعود .“

''حمزہ حبیب الزیات رحمہ اللہ نے سلیمان بن مہران رحمہ اللہ انہوں نے یحییٰ بن وثاب رضی اللہ عنہ انہوں زر بن حبیش رضی اللہ عنہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تلاوت کی۔''

◉ ابن الجزری رضی اللہ عنہ ان کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

”هو حمزة بن حبيب بن عمارة بن إسماعيل، الإمام الحبر أبوعمارة الكوفي التيمي مولاهم الزيات أحد القراء السبعة .“

۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔عمر کے اعتبار سے بعض صحابہ کے زمانہ کو پایا ہے ممکن ہے بعض کی روایت بھی کی ہو۔حسب ذیل سے قراءۃ اخذ کی:

① سليمان الأعمش رحمہ اللہ
② جعفر بن محمد الصادق رحمہ اللہ
③ عمران بن الحسين رحمہ اللہ
④ أبو أسحاق السبيعي رحمہ اللہ
⑤ محمد بن عبدالرحمن بن أبي ليلى
⑥ علقمه بن مصرف رحمہ اللہ
⑦ مغيره بن مقسم رحمہ اللہ
⑧ منصور بن زاذان رحمہ اللہ
⑨ ليث بن أبي سليم رحمہ اللہ

◉ علی بن مدینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

بعض نے لکھا ہے کہ اعمش رحمہ اللہ پر پورا قرآن نہیں پڑھا بلکہ کچھ حروف کی قراءت کی اور یہ بھی قول ہے کہ حمزہ رحمہ اللہ نے قرآن تو حمران سے شروع کیا اور پھر اعمش ابی اسحاق اور ابن ابی لیلیٰ پر پیش کیا ان میں سے اعمش، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حروف کو ادا کرتا اور ابن ابی لیلیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حرف کا ماہر تھا اور ابو اسحاق دونوں کے حروف ادا کرتا اور حمران کے متعلق مشہور ہے۔

”كان يقرأ قراءة ابن مسعود ولا يخالف مصحف عثمان يعتبر حروف معاني عبدالله ولا يخرج من مصحف عثمان وهذا كان اختيار حمزة قرأ عليه .“

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حمزہ رحمہ اللہ سے بہت سے آئمہ قراء نے قراءت حاصل کی اور روایت کی ہے ابن الجزری رحمہ اللہ نے بالاستیعاب ان کے تلامذہ کے نام ابجدی ترتیب سے لکھے ہیں اور لکھا ہے۔

ان اَصحاب میں سلیم بن عیسیٰ اَضبط رحمہ اللہ تھے اور سب سے جلیل القدر علی بن حجر الکسائي رحمہ اللہ تھے اور نعیم بن یحییٰ السعیدي رحمہ اللہ اور یحییٰ بن زیاد الفراء رحمہ اللہ بھی ان کے اَصحاب میں داخل ہیں۔

الغرض حمزہ بن حبیب الزیات عاصم رحمہ اللہ اور اَعمش رحمہ اللہ کے بعد کوفہ میں قراء کے امام بن گئے۔ امام حجت ثقہ اور اثبت تھے۔''

”کان قیما بکتاب الله بصیرا بالفرائض عارفا بالعربیة حافظا للحدیث فإننا نجده عدیم النظر . “

- امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے:

''حمزہ رحمہ اللہ دو چیزوں میں ہم پر سبقت لے گئے جن کو ہم بلانزاع تسلیم کرتے ہیں۔قراءت القرآن وعلم الفرائض۔''

- اَعمش رحمہ اللہ جب حمزہ رحمہ اللہ کو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھتے تو کہتے:

”هذا حبر القرآن . “

بعض نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے حمزہ رحمہ اللہ کی قراءت کی قراہت نقل کی ہے۔تو یہ کراہت صرف اس قراءت کے بارے میں ہے جو امام احمد رحمہ اللہ نے دوسروں سے سنی ہے۔

- چنانچہ ابن الجزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وأما ما ذکر عن عبدالله بن إدریس وأحمد بن حنبل من کراهة قراءة حمزة فإن ذلك محمول علی قراءة من سمعا منه ناقلا حمزة وما آفته الأخبار إلا رواتها . “

حمزہ رحمہ اللہ سنہ ۱۵۶ھ یا ۱۵۷ھ میں فوت ہوئے ان کی قبر حلوان میں معروف ہے۔

وقال الثوري: ما قرأ حمزة حرفا من کتاب الله إلا بأثر وقال الذهبی: قد انعقد الإجماع بآخرة علی تلقي قراءة حمزة بالقبول والإنکار علی من تکلم فیها فقد کان من بعض السلف في الصدر الأول فیها مقال۔ والله أعلم .

ترجمہ:

ابن الجزري: ۲۶۱/۱،۲۶۳، شذرات: ۲۴۰/۱، تهذیب التهذیب: ۲۷/۳، وفیات الأعیان: ۲۱۶/۲، میزان الاعتدال:۲۸۴/۱

⑦ عاصم بن ابی النجود الاسدی رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۷ھ

اسناده:قرأ علی زر بن حبیش علی عبدالله بن مسعود وأبي عبدالرحمن السلمي وهو معدود في صغار التابعین .

- ابن الجزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”هو عاصم بن بهدله أبي النجود، أبوبکر الأسدي مولاهم الکوفي الحناط، شیخ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الأقراء بالكوفة وأحد القراء السبعة .“

یہ قراءۃ کے مسلم امام ہیں ابوعبدالرحمٰن السلمی کے بعد رئاسة الأقراء ان تک منتہی ہوتی ہے۔فصاحت وبلاغت اور تحریر وتقریر کے جامع تھے اور بہترین آواز کے ساتھ قرآن پڑھتے۔

- أبو إسحاق السبيعي فرماتے ہیں:

”مارأيت أحدا أقرأ للقرآن من عاصم بن أبي النجود .“

نہایت فصیح وبلیغ تھے جب کلام کرتے تو بڑے باوقار لہجہ میں کلام کرتے تابعین میں شمار ہوتے ہیں أبو رمثة رفاعة تميمي اور حارث بن حسان بکری سے روایت کی ہے اور یہ دونوں صحابی ہیں ابو رمثہ کی روایت مسند احمد بن حنبل میں ہے اور حارث کی روایت ابوعبید قاسم بن سلام کی کتاب میں ہے۔

- نعیم بن حماد عن سفیان عن عاصم نقل کرتے ہیں کہ عاصم رحمہ اللہ نے کہا:

”قرأت على أنس بن مالك ﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ﴾ فقال: أن لا يطوفا بهما .“

پھر میں نے کئی بار اس کلمہ کو لوٹایا مگر اس نے وہی جواب دیا عاصم نے عرضاً بہت سے قراء سے قراءت حاصل کی جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

1. زر بن حبيش رضی اللہ عنہ
2. أبو عبدالرحمن السلمي رضی اللہ عنہ
3. أبو عمرو الشيباني رضی اللہ عنہ

بعض کا بیان ہے کہ عاصم رحمہ اللہ نے مجھ سے کہا:

”ما كان من القراءة التي أقرأتك فهي القراءة التي قرأت بها على أبي عبدالرحمن السلمي وما كان من القراءة التي بها أبابكر بن عياش فهي القراءة التي كنت أعرضها على زر بن حبيش عن ابن مسعود = .“

- اِمام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اصل قراءۃ تو اہل مدینہ کی ہے اور اس کے نہ ملنے کی صورت میں عاصم کی قراءۃ پسند کرتا ہوں۔“

عاصم 'آلم' وغیرہ حروف مقطعات کو آیت شمار نہ کرتا اس کے برعکس کوفی اس کو آیت شمار کرتے ہیں۔۱۲۷ھ یا ۱۲۸ھ کو فوت ہوا اور سماوۃ میں مدفون ہے۔

⑧ علی بن حمزہ الکسائی رحمہ اللہ المتوفی ۱۸۹ھ

ابن مجاہد رحمہ اللہ نے یعقوب الحضرمی رحمہ اللہ کی بجائے ساتواں قاری علی بن حمزہ الکسائی رحمہ اللہ کو شمار کیا ہے جو کوفی ہیں جبکہ یعقوب بصری رحمہ اللہ ہیں۔ ابن مجاہد رحمہ اللہ نے بصرہ کے ایک ہی قاری پر اکتفاء کیا ہے جبکہ کوفہ کے تین قراء کو شامل کیا ہے یعنی حمزہ رحمہ اللہ، عاصم رحمہ اللہ اور الکسائی رحمہ اللہ اور پھر ان قراء میں خالص عربی صرف دو قاری ہیں ابن عامر رحمہ اللہ اور ابوعمرو رحمہ اللہ باقی عجمی اور موالی ہیں كما أشرنا إليه فيما مضى۔

ان قراءِ سبعہ کی قراءات کو بہت شہرت حاصل ہوئی حتیٰ کہ بعض نے ازراہ جہالت یہ باور کرلیا کہ حدیث ”أنزل القرآن على سبعة أحرف“ سے یہی سات قراءات مراد ہیں۔ پھر شہرت تو قراءاتِ عشرہ اور اَربعہ عشرہ کو بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہے لہٰذا مذکورہ قراء کے ساتھ خلف بن ہشام اور یزید بن قعقاع کو ضم کر دیا جائے تو یہ کل دس بن جاتے ہیں۔
پھر ان دس کے ساتھ حسن بصري ، محمد بن عبدالرحمن ، یحییٰ بن مبارك الیزیدي اور أبوالفرج محمد بن أحمد الشنبوذي کو بھی ملا لیا جائے تو یہ کل ۱۴ قراء بن جاتے ہیں۔سات قراء کا تعارف تو ہم بیان کر چکے ہیں بقیہ سات قراء کے تراجم اور اَسانید پیش خدمت ہیں۔

❶ علی بن حمزہ الکسائی

ان کا پورا نام ونسب یہ ہے: علی بن حمزہ بن عبداللہ بن بہمن بن فیروز الاسدی مولاہم ابوالحسن الکسائی

◉ أبوبکر السجستاني رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''کوفہ میں ریاست اقراء ان پر ختم ہے حمزہ کے بعد یہ رئیس الاقراء شمار کیے جاتے ہیں۔انہوں نے حمزہ الزیات پر چار مرتبہ قرآن پیش کیا اور اسی پر وہ اعتماد کرتے ہیں اس کے علاوہ محمد بن ابی لیلیٰ، عیسیٰ بن عمر الھمذانی سے عرضا قراءت حاصل کی اور ابوبکر بن عیاش سے حروف روایت کیے اسماعیل اور یعقوب کے واسطہ سے عرضا قراءت حاصل کی اور ابوبکر بن عیاش سے حروف روایت کیے اسماعیل اور یعقوب کے واسطہ سے نافع سے قراءت اخذ کی لیکن بلاواسطہ نافع سے قراءت ثابت نہیں ہے۔علاوہ اَزیں چند اَصحاب سے استفادہ کیا ہے۔بصرہ میں خلیل سے لغت حاصل کی۔''

تلامذہ

إبراهيم بن زاذان ، إبراهيم العريش ، أحمد بن جبير اور دیگر بہت سے علماء نے ان سے اِستفادہ کیا۔

◉ أبوعمرو الداني رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

'' عبداللہ جب دمشق میں آئے تو انہوں نے الکسائي سے حروف کا سماع کیا اور النقاش کا بیان ہے کہ ابن ذکوان الکسائي رحمہ اللہ کے پاس چار ماہ ٹھہرے رہے اور متعدد باران پر قرآن پیش کیا لیکن نقاش کا یہ بیان صحیح نہیں ہے۔''

ان کے علاوہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور یحيٰی بن معین رحمہ اللہ نے بھی الکسائي سے روایت کی ہے۔

◉ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

”من أراد أن يتبحر في النحو فهو عيال على الكسائي .“

◉ ابوعبید کتاب القراء ات میں لکھتے ہیں:

”كان الكسائي يتخير القراءات فأخذ من قراءة حمزه ببعض وترك بعضا كان من أهل القراءة وهي كانت علمه وصناعته .“

دراصل یہ علم النحو کے ماہر، غریب القرآن کے اُستاذ اور قرآن پر یکتا تھے موصوف ہمیشہ الکساء اوڑھتے اس لیے الکسائی کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ یہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔غریب القرآن میں معانی القرآن اور نحو میں کتب النوادر الثلاثة معروف ہیں۔ ۱۸۹ھ میں فوت ہوئے اور عجیب اتفاق ہے کہ کسائی اور امام محمد بن الحسن دونوں ہارون الرشید کے ساتھ سفر میں ایک ساتھ فوت ہوئے۔

❷ خلف بن ہشام المتوفی ۲۲۹ھ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◉ ابن الجزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”هو أبو محمد الأسدی البغدادی أحد الرواة عن سليم عن حمزة المولود ۱۵۰ھ والمتوفی ۲۲۹ھ۔“ [غاية النهاية: ۲۷۲/۱]

دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا اور تیرہ سال کی عمر میں طلب علم شروع کی نہایت ثقہ، زاہد، عابد اور عالم تھے حمدان بن هاني المقري نے کہا کہ میں نے ان سے سنا کہ نحو کا ایک باب مجھ پر مشکل ہوگیا چنانچہ میں نے ۸۰ ہزار درہم خرچ کئے حتیٰ کہ حفظ کرلیا۔

کوفہ میں سلیم کے پاس آیا انہوں نے ابوبکر بن عیاش کے پاس بھیج دیا لیکن بعض وجوہ کی بناء پر اس پر قراءۃ نہ کر سکا چنانچہ میں نے عاصم کی قراءت یحییٰ بن آدم سے ضبط کرلی۔

سلسلہ اَسناد

امام مسلم رحمہ اللہ نے الصحیح میں اور ابوداؤد نے سنن میں ان سے روایت کی ہے:

عن سليم عن عيسىٰ وعبدالرحمن بن أبي حماد عن حمزه يعقوب بن خليفة الأعشى وأبي زيد سعيد بن أوس عن المفضل الضبي.

علاوہ اَزیں إسحاق المسيبي، إسماعيل بن جعفر، عبدالوهاب بن عطاء اور يحيىٰ بن آدم سے کچھ حروف روایت کیے۔ وسمع من الكسائي الحروف ولم يقرأ عليه القرآن مشہور یہی ہے کہ أبوعلی الأهوازي کی روایت کے مطابق الكسائي پر بھی قراءت کی ہے۔

الكسائي سے أعمش عن زائدة بن قدامة نے روایت کی ہے اور اس سے احمد بن ابراہیم الوراق نے سماعاً وعرضاً روایت کی ہے جو اس کا وراق بھی تھا۔

◉ ابن اَشتہ لکھتے ہیں:

”كان خلف يأخذ بمذهب حمزة إلا أنه خالفه في مائة وعشرين أو مائتي حرف.“

۲۲۹ھ کو بغداد میں فوت ہوئے، جبکہ جهميه کے خوف سے روپوش تھے۔

◉ علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وله اختيار في الحروف صحيح ثابت ليس بشاذ أصلا ولا يكاد يخرج فيه عن القراءات السبع، وأخذ منه خلق لا يحصون.“

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اس کو ثقہ لکھا ہے اور دارقطنی نے عابد اور فاضل کہا ہے امام، حماد بن زید، ابوعوانہ شریک القاضی، ابوالاحوص اور دیگر ائمہ سے سماع حدیث کی اور احمد بن یزید الحلوانی، سلمہ بن عاصم اور عمر بن جهم اسمری نے ان سے عرضاً قراءت کی۔

ترجمہ

طبقات ابن سعد: ۳۴۸/۷، تاریخ بغداد: ۳۲۲/۸، معرفة القراء الكبار: ۱۷۱/۱، العبر: ۴۰۴/۱، غاية النهاية: ۲۸۲/۱، تهذيب التهذيب: ۱۵۶/۳، شذرات: ۶۸/۲، التاريخ الكبير: ۱۹۶/۳، الجرح

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والتعدیل: ۳۷۲/۳

۳ یزید بن القعقاع ابوجعفر رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۷ھ

هو يزيد بن القعقاع الإمام أبوجعفر المخزومي المدني القاري، أحد القراء العشرة في حروف القراءات، تابعي مشهور كبير القدر.

بعض نے لکھا ہے کہ ان کا نام جندب بن فیروز ہے انہوں نے اپنے مولیٰ عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ المخزومی پر قرآن پیش کیا نیز عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے قراء ۃ کی جو کہ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے اوران دونوں سے روایت بھی کی ہے،بعض نے لکھا ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر بھی قرآن پڑھا لیکن علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔لم يصح ذلك ولم يدركه.

ابن الجزري نے وروينا عنه کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بچپن میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا فمسحت رأسه ودعت له بالبركة

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کیساتھ نماز پڑھی اور واقعہ حرہ سے قبل لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے رہے۔

نافع بن أبی نعیم، سلیمان بن مسلم بن جماز، عیسیٰ بن وردان، أبوعمرو عبدالرحمن ابن زيد بن أسلم وغیرہ نے اس پر قراء ۃ کی۔

- یحیٰی بن معین فرماتے ہیں:

”كان إمام أهل المدينة في القراءة فسمي القاري بذلك، وكان ثقة قليل الحديث.“

ابن ابی حاتم نے صالح الحدیث کہا ہے اور اپنے دور میں عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج پر مقدم سمجھے جاتے تھے۔

ذہبی رحمہ اللہ کا قول ہے:

”ابوجعفر رحمہ اللہ کی قراء ۃ کا مدار احمد یزید الحلوانی پر ہے یعنی أحمد بن يزيد عن قالون عن عيسىٰ بن وردان عن أبي جعفر“

- ابن الجزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أستاذ أبو عبدالله القصاع نے اپنی کتاب ’المغني‘ میں ابوجعفر کی قراء ت کو نافع کی روایت سے بالا سناد بیان کیا ہے،لہٰذا ان کی قراء ت پر طعن اور اس کو شاذ کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ سبعہ کے معیار پر ہے۔

- چنانچہ ابن الجزري المحدث رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”والعجب ممن يطعن في هذه القراءة ويجعلها من الشواذ وهي لم يكن بينها وبين غيرها من السبع فرق كما بيناه في كتابنا النجد.“

ترجمہ

طبقات ابن سعد: ۳۵۲/۶، تاریخ خلیفه: ۴۰۵، التاریخ الکبیر: ۳۵۳/۸، الجرح والتعدیل: ۲۸۴/۷، تهذیب الکمال:۱۵۹۳، وفیات:۲۷۴/۶، طبقات القراء:۳۸۲/۲، تهذیب التهذیب:۵۸/۱۲

۴ الحسن البصری رحمہ اللہ الامام المشہور المتوفی ۱۱۰ھ

هو أبو سعيد الحسن بن أبي الحسن يسار البصري مولى أنس بن مالك من كبار

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

التابعین .

علم وعمل میں اپنے زمانے کے امام ہوگزرے ہیں قراءت میں ان کی اَسانید معروف ہیں۔

① أعطان بن عبداللہ الرقاشي عن أبی موسیٰ الاشعري رضی اللہ عنہ

② أبي العالیة عن أبي وزید بن ثابت وعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

تلامذہ

① أبو عمر بن العلاء رحمہ اللہ ② سلام بن سلیمان الطویل رحمہ اللہ

③ یونس بن عبید رحمہ اللہ ④ عاصم الجحدري البصري رحمہ اللہ

إسناد الأھوزي

عن شجاع البلخی قرء علی عیسیٰ بن عمر النحوی وھو علی الحسن ابن الجزری لکھتے ہیں:

''شجاع کا عیسیٰ سے سماع ثابت ہے اور عیسیٰ کا حسن سے لیکن یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے قرآن بھی ایک دوسرے پر پیش کیا ہے یا نہیں عین ممکن ہے کہ روایتاً سماع ہو عرضاً روایت نہ ہو۔''

◉ امام شافعی رحمہ اللہ حسن بصری رحمہ اللہ کی فصاحت وبلاغت کی تعریف لکھتے ہیں:

''میں کہہ سکتا ہوں کہ قرآن حسن بصری کی زبان پر نازل ہوا ہے۔''

ترجمہ

طبقات القراء:۲۳۵/۱، طبقات ابن سعد: ۱۵۶/۷، تاریخ البخاري:۲۸۹/۲، أخبار القضاۃ:۳/۲، طبقات القراء للشیرازي:۸۷

⑤ محمد بن عبدالرحمٰن المعروف بابن المحیصن رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۳ھ

ھو محمد بن عبدالرحمن بن محیصن السھمي مولاھم المکي مقرئ أھل مکة مع ابن کثیر ثقة روی له مسلم .

مجاہد بن جبر، درباس مولیٰ بن عباس اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ پر قرآن پیش کیا۔شبلی بن عباد رحمہ اللہ، ابوعمرو بن العلاء رحمہ اللہ ان کے تلامذہ میں سے ہیں۔اسماعیل بن مسلم المکی رحمہ اللہ، عیسیٰ بن عمر البصری رحمہ اللہ نے اس سے کچھ حروف حاصل کیے۔

◉ ابن مجاہد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''کان لم تجرد القراءۃ وقام بھا في عصر ابن کثیر . ''

◉ ابن الجزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ولولا ما فیھا من مخالفته المصحف لا لحفت بالقراءات المشھورۃ . ''

ابن محیصن قریشی اور نحوی تھے۔انہوں نے ابن مجاہد پر قرآن کی قراءت کی ابوعبید کتاب القراءات میں لکھتے ہیں:

''مکہ میں تین قاری تھے عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ، حمید بن قیس رحمہ اللہ اور محمد محیصن رحمہ اللہ ان میں سے ابن محیصن عربیت میں سب پر فائق تھے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ مذاہب عربیہ کے مطابق قراءات اختیار کرتے اس لیے اہل بلد کے اجماع سے تجاوز کر گئے چنانچہ لوگوں نے ان کی قراءت سے بے رغبتی کی اور ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراءت پر اجماع کر لیا۔۳۲۳ھ کو مکہ میں فوت ہوئے۔

ترجمہ

غاية النهاية: (۱/۱٦٧)

⑥ ابوالفرج محمد بن احمد الشنبوذی رحمہ اللہ المتوفی ۳۸۸ھ

یہ اَصل میں بغدادی ہیں پھر مصر میں سکونت اختیار کر لی ابوطاہر بن ابو ہاشم سے قراءت حاصل کی اور اس کی کتابوں کا سماع کیا اور حسب ذیل سے روایت کی۔

① أبو بكر أحمد بن سلمه أختلى ② وعسلج بن أحمد بن دعلج السجستاني

③ أبو محمد عبيد الله محمد بن علي المروزي المعروف بابن الجرادي

علاوہ اَزیں معانی الزجاج کا علی بن حسن الجصاص سے سماع کیا۔۳۹۵ھ کو شام میں فوت ہوئے۔

ترجمہ

غاية النهاية: (۲/٦۰)

⑦ یحییٰ بن المبارک بن المغیرۃ العدوی الامام ابومحمد الیزیدی المقری المعروف بالیزیدی

یہ اَصل میں بصری ہیں بغداد میں سکونت اختیار کی ان کا شمار قراء فصحاء میں ہوتا ہے جو عربی اَدب اور نحو کے عالم تھے اور قراءۃ میں ابوعمرو بن العلاء رحمہ اللہ کے خلف بنے۔ بعض تالیفات بھی یادگار چھوڑیں ۲۰۲ھ میں فوت ہوئے۔ حمزہ کے سامنے کھڑے ہو کر ایک ہی مجلس میں قرآن ختم کیا ابن مجاہد رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ہم الیزیدی کی اسی لیے قدر کرتے ہیں حالانکہ ابوعمرو رحمہ اللہ کے اصحاب میں ان سے جلیل القدر لوگ موجود ہیں، کیونکہ وہ سب سے زیادہ اَضبط تھے یزید بن منصور الحمیدی رحمہ اللہ کے مصاحب رہنے کی وجہ سے یزیدی مشہور ہو گئے۔

ترجمہ

تاريخ بغداد: ۱۴/۱۴٦، معجم الأدباء: ۲۰/۳۰، وفيات: ٦/۱۸۳، العبر: ۱/۳۸، طبقات القراء: ۲/۳۷۵، النجوم الزاهرة: ۲/۱۷۳، شذرات: ۲/۴

——————*

موسوعہ قراءات

مستقبل میں ادارۂ رشد قراءات نمبر کے چاروں حصوں (تین قراءات نمبر اور ایک ان کا اشاریہ نمبر) پر مشتمل موسوعہ قراءات شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس کے شائع ہوتے ہی قارئین کو ان شاء اللہ مطلع کر دیا جائے گا۔ قارئین نوٹ فرمالیں۔ [ادارہ]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر یاسر ابراہیم مزروعی*
ترتیب: قاری اختر☆، کلیم اللہ☆

عصر حاضر سے نبی کریم ﷺ تک متصل اسانیدِ قراءات

زیر نظر مضمون میں عالم اسلام کے تمام بڑے ممالک کے اساتذہ قراء کرام کی سندوں کو جمع کر کے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ قرآن مجید اور قراءات قرآنیہ کس طرح اسانید سے ہم تک موصول ہوئیں اور ان کے ثبوت میں کثرتِ روایات سے کس طرح 'علم قطعی' کا حصول ممکن ہوتا ہے۔

اسانید قرآن کو جمع کرنے کا یہ عظیم کارنامہ دولة الكويت میں وزارة الاوقاف کے تحت مشروع رعاية القرآن الكريم کے مدیر ڈاکٹر یاسر مزروعی حفظہ اللہ نے سرانجام دیا ہے۔ انہوں نے ان اسانید کو جمع کرنے کیلئے کویت سے باہر عالم اسلام کے کئی ملکوں کے بے شمار سفر کیے اور انتھک محنت سے اس کارِ عظیم کو مکمل کیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا جامعة الأزهر سے پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ بھی اسی موضوع پر ہے۔

انسانی کاوش میں چونکہ ہمیشہ کمزوریاں باقی رہ جاتی ہیں، یہی وجہ ہے متعدد علمی شخصیات سے ناواقفیت کی بنا پر انہوں نے پاکستان کے صرف دو سلسلہ ہائے اسناد کو پیش کیا ہے۔ شیخ القراء قاری ادریس العاصم حفظہ اللہ چونکہ اپنے شیخ قاری اظہار احمد تھانوی کی تالیف 'شجرة الاساتذہ' میں اسانید پر کچھ کام کر چکے ہیں چنانچہ ہماری گزارش پر انہوں نے معروف پاکستانی قراء کا اس سند میں اضافہ کرتے ہوئے تشنہ چیزوں کی تکمیل فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں قاری صاحب حفظہ اللہ نے ڈاکٹر مزروعی کے کام پر مزید اضافہ یہ کیا کہ علم تجوید وقراءات کے حوالے سے لکھے گئے قدیم مصادر سے مؤلفین حضرات کی اسانید پر مشتمل ایک مستقل مضمون مزید تحریر فرما دیا ہے۔ جس کا شیخ مزروعی کے کام سے فرق یہ ہے کہ انہوں نے صرف وہ اسانید جمع فرمائیں جو کہ آج بھی دنیا میں جاری وساری ہیں جبکہ حضرت شیخ نے اپنے مضمون میں کئی وہ اسانید بھی ذکر کر دی ہیں جو بعد ازاں مختلف وجوہ سے جاری نہیں رہ سکیں۔ [ادارہ]

واضح رہے کہ یہ اسانید صرف روایت حفص کی ہیں، علاوہ ازیں موضوع کے حوالے سے چند باتیں ملحوظ رکھیں:

① ایرو (تیر) کا نشان جس طرف جا رہا ہو اس سے مراد استاد ہے، شاگرد نہیں۔
② مصری قراء کی اسناد میں اختصار کے پیش نظر انہی پر اکتفا کیا گیا ہے تاکہ کثرت اسناد کا اندازہ ہو سکے۔
③ ایک قاری نے کئی کئی قرائے کرام سے بھی پڑھا لیکن اس کی تمام اسناد کو بیان نہیں کیا گیا۔
④ ہماری محنت صرف پاکستانی قراء کے حوالے سے ہے جبکہ صاحب لوحہ کی زیادہ محنت شامی اور مصری قراء پر رہی کویت وسعودیہ کے سلسلے پر توجہ نہیں دی گئی، مؤلف نے ۱۶۱ اسانید جمع کی ہیں، جبکہ ۱۵ اسناد ہمارا اضافہ ہیں۔

* کویت کے معروف محقق قراءات، مدیر مشروع رعاية القرآن الكريم وزارت اوقاف، کویت
☆ فاضل کلية القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ، رُکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

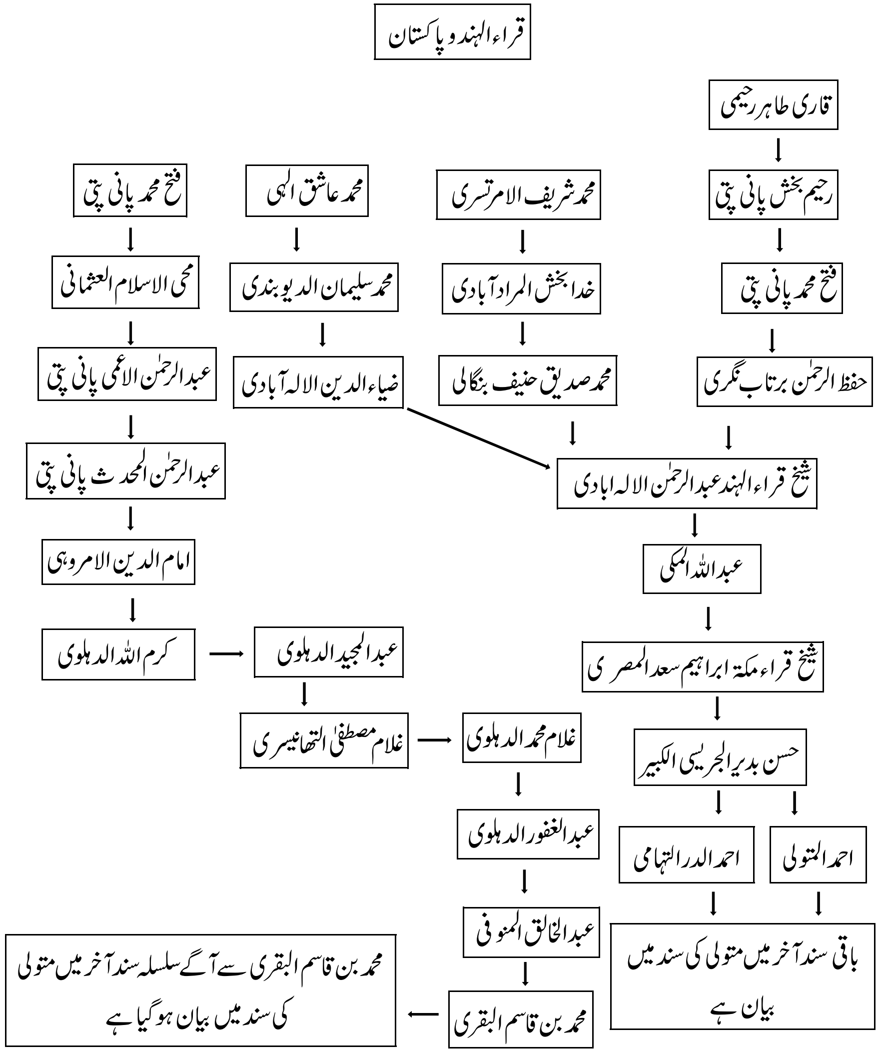

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

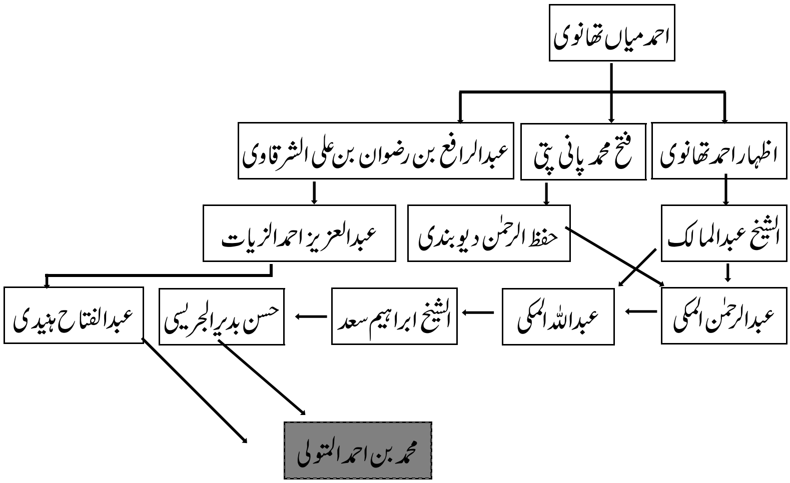

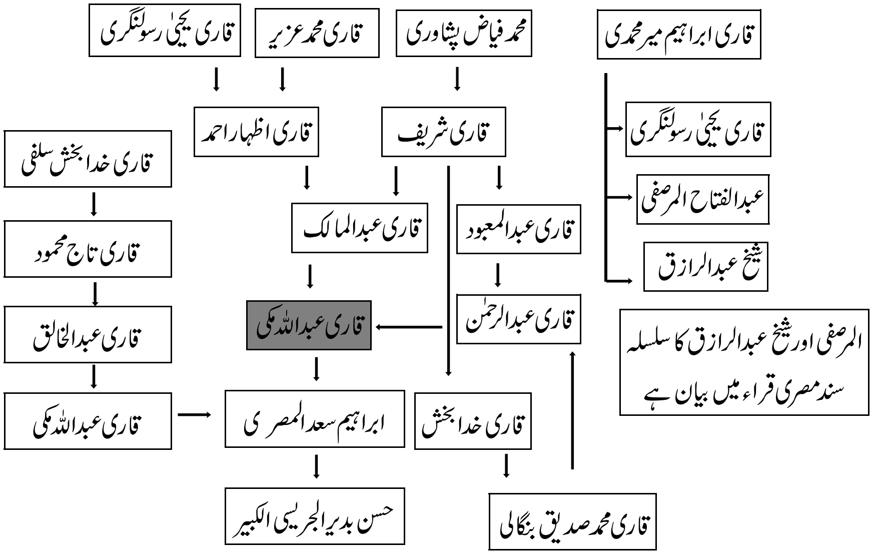

حسن بدیر اور متولی سے آگے سلسلہ سند آخر میں موجود ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

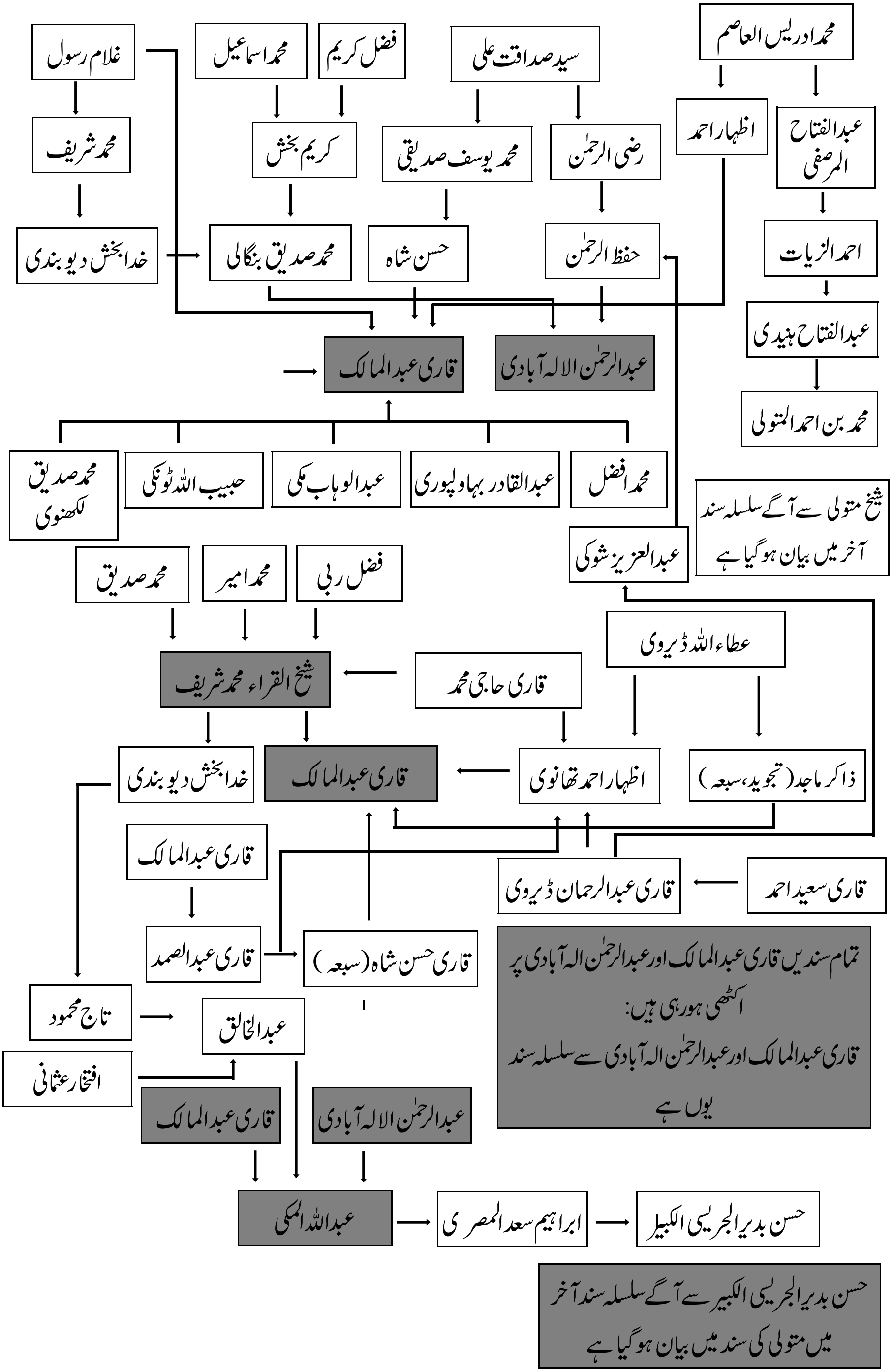

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلسلہ سند قراء عراق

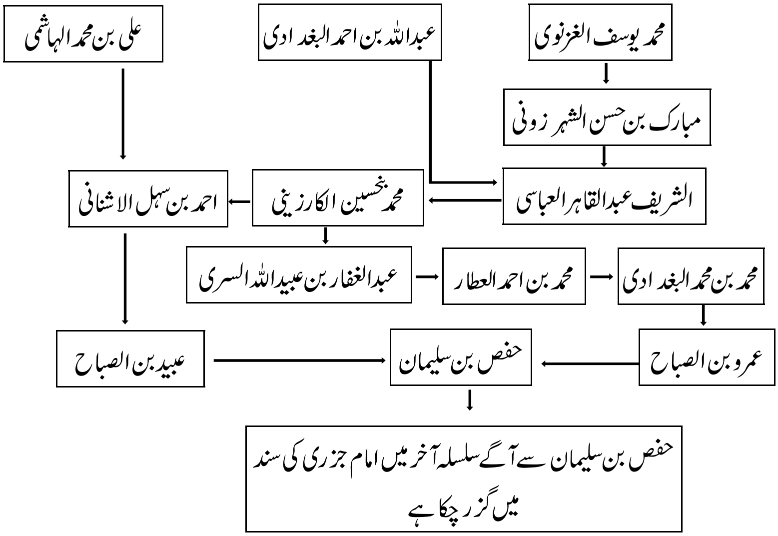

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلسلہ سند قراء لیبیا

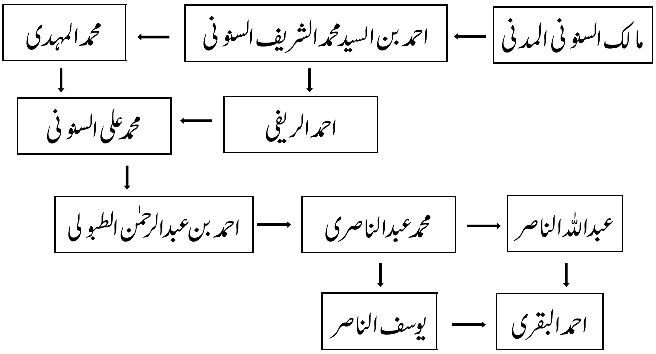

احمد البقری کا سلسلہ سند متولی کی سند میں آخر میں بیان ہوگیا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

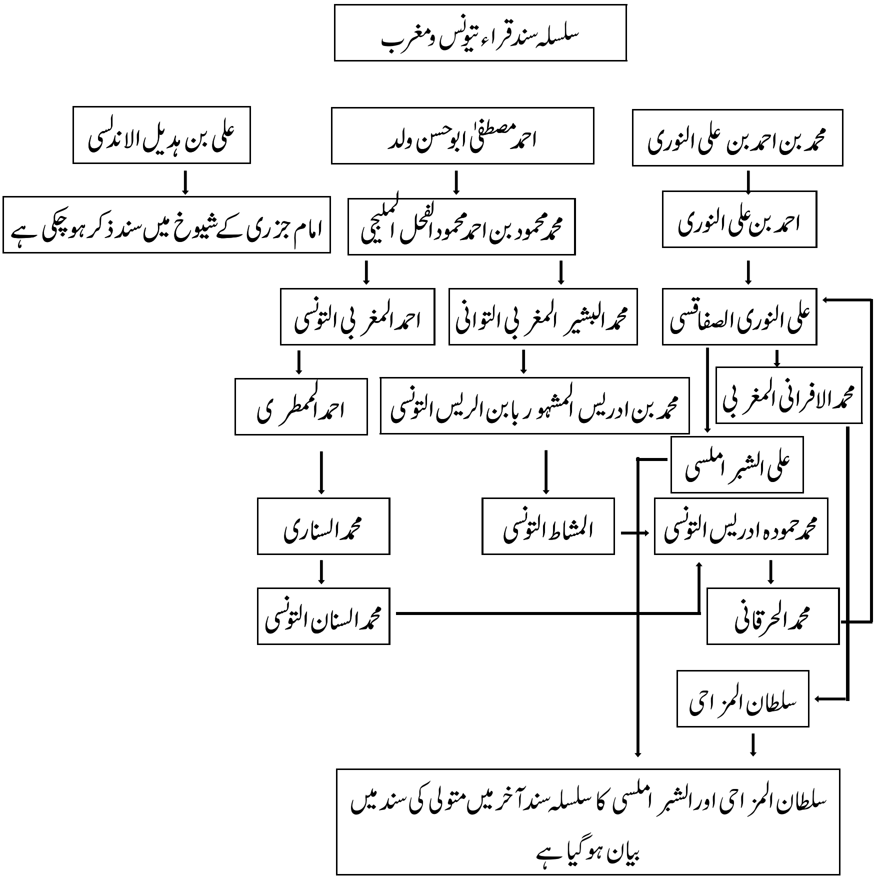

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

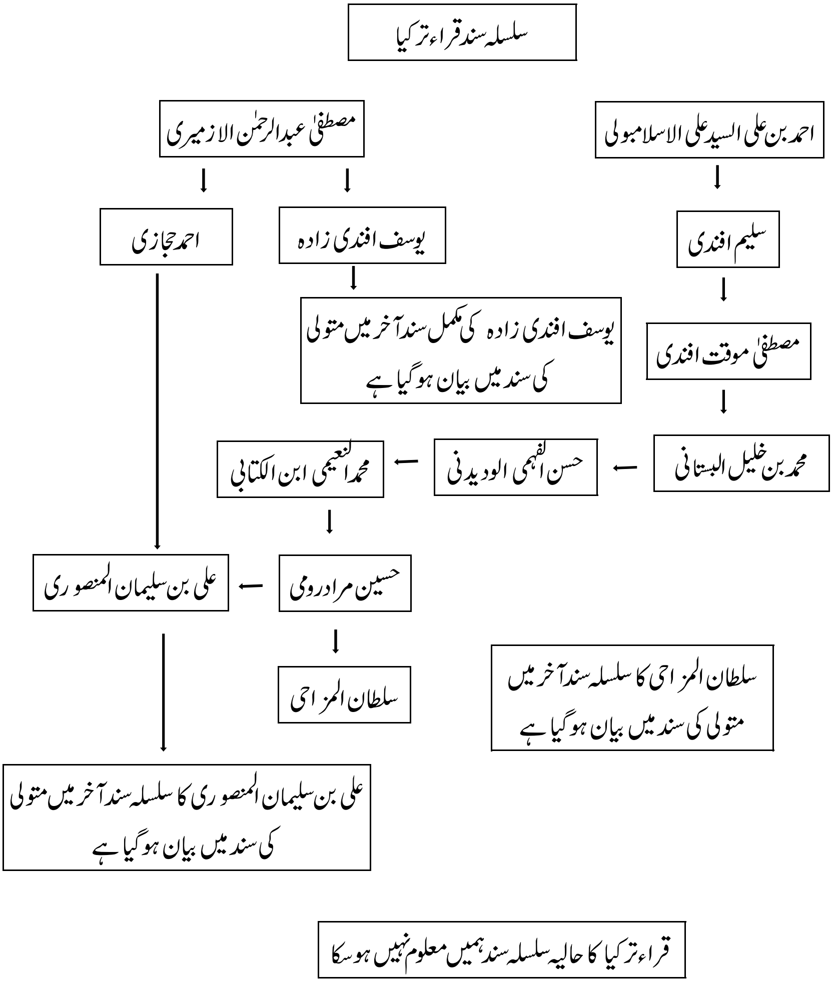

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلسلہ سند قراء سوڈان

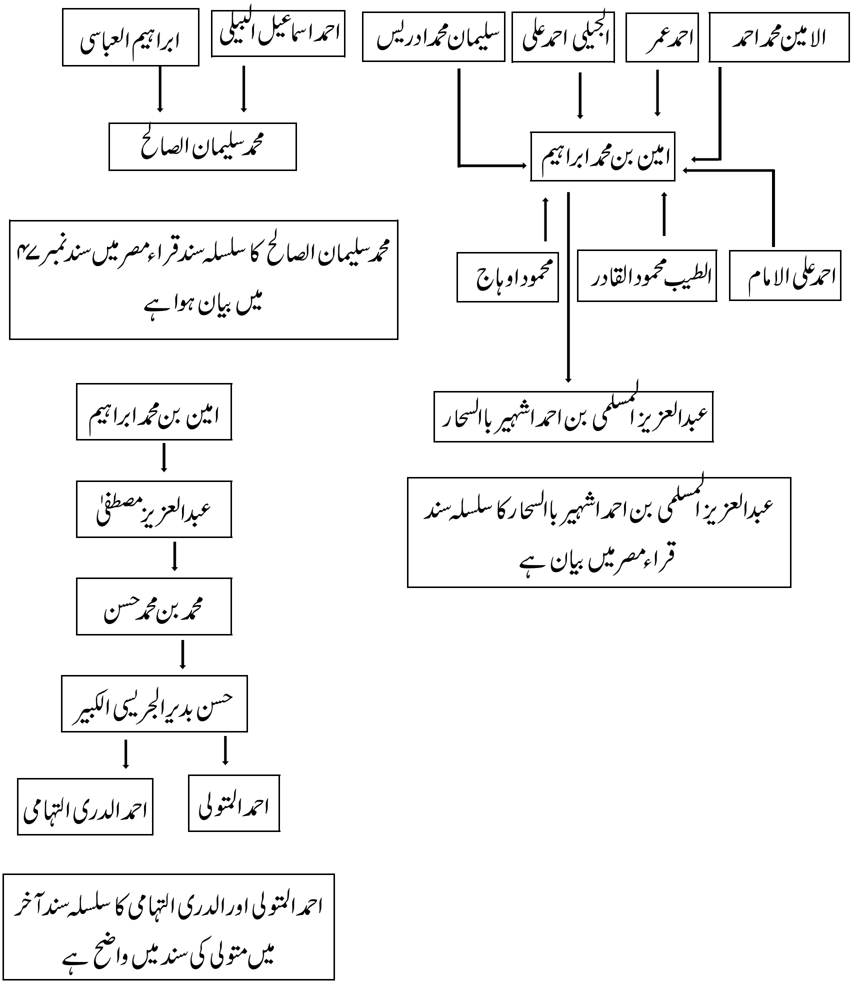

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلسلہ سند مصری قراء

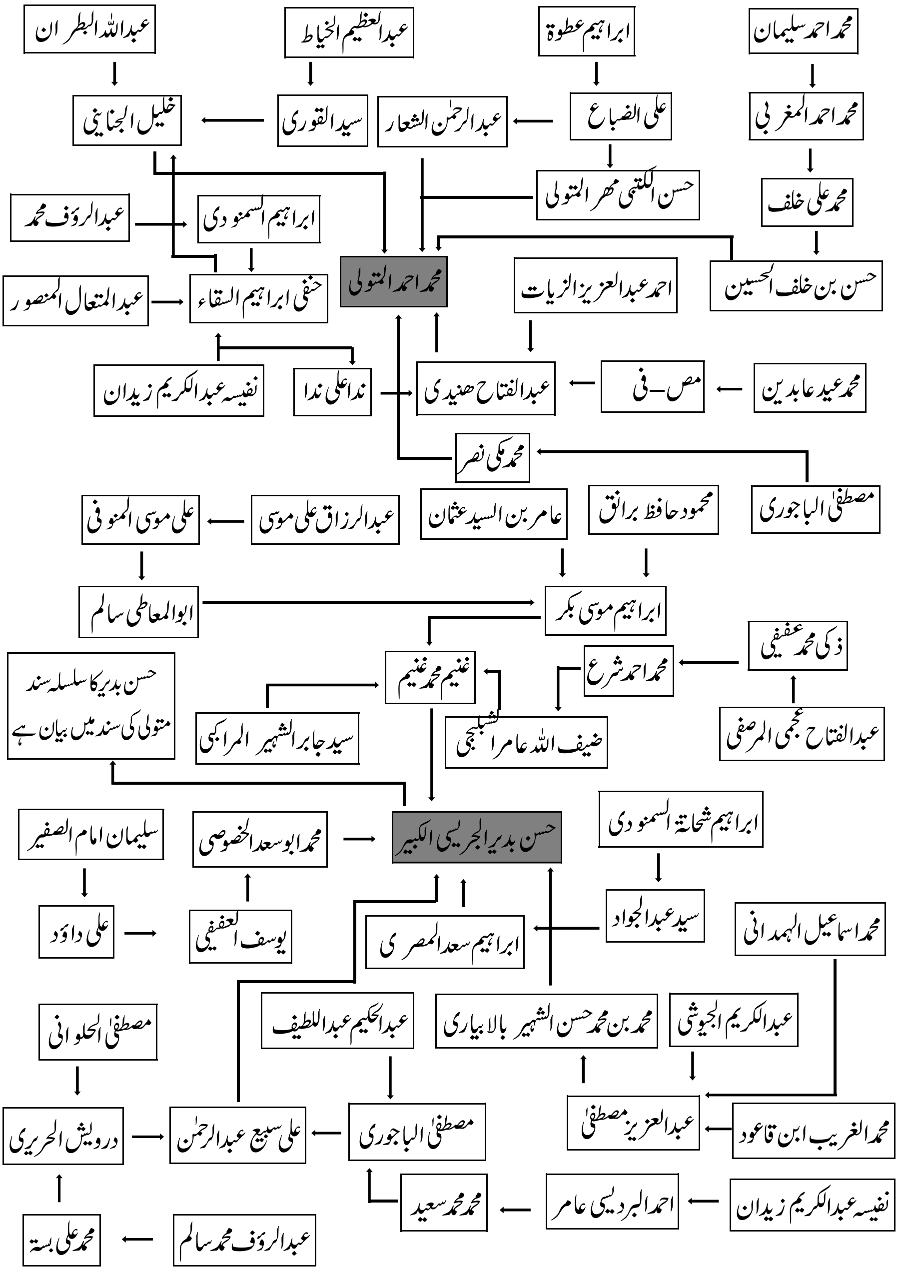

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

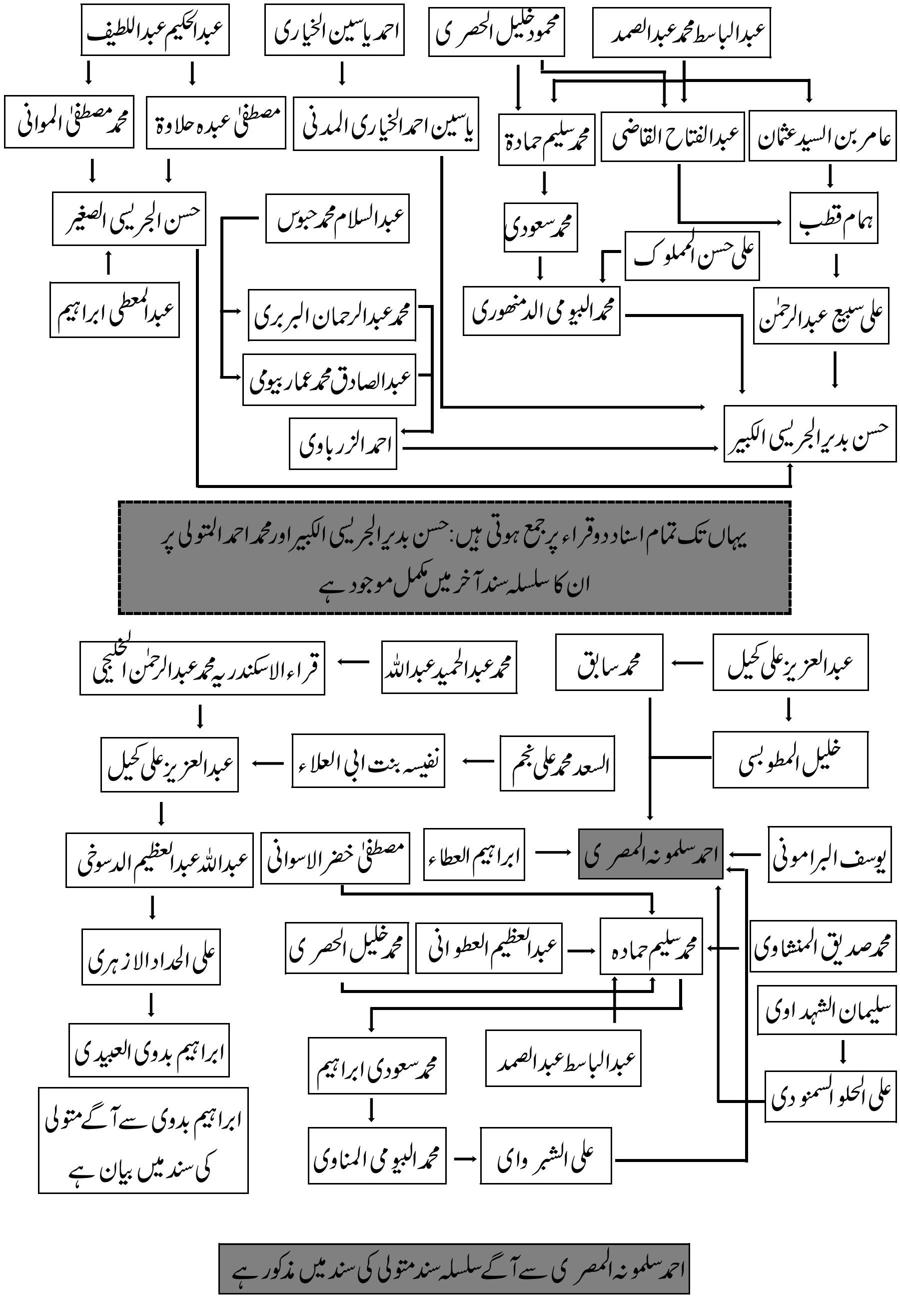

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

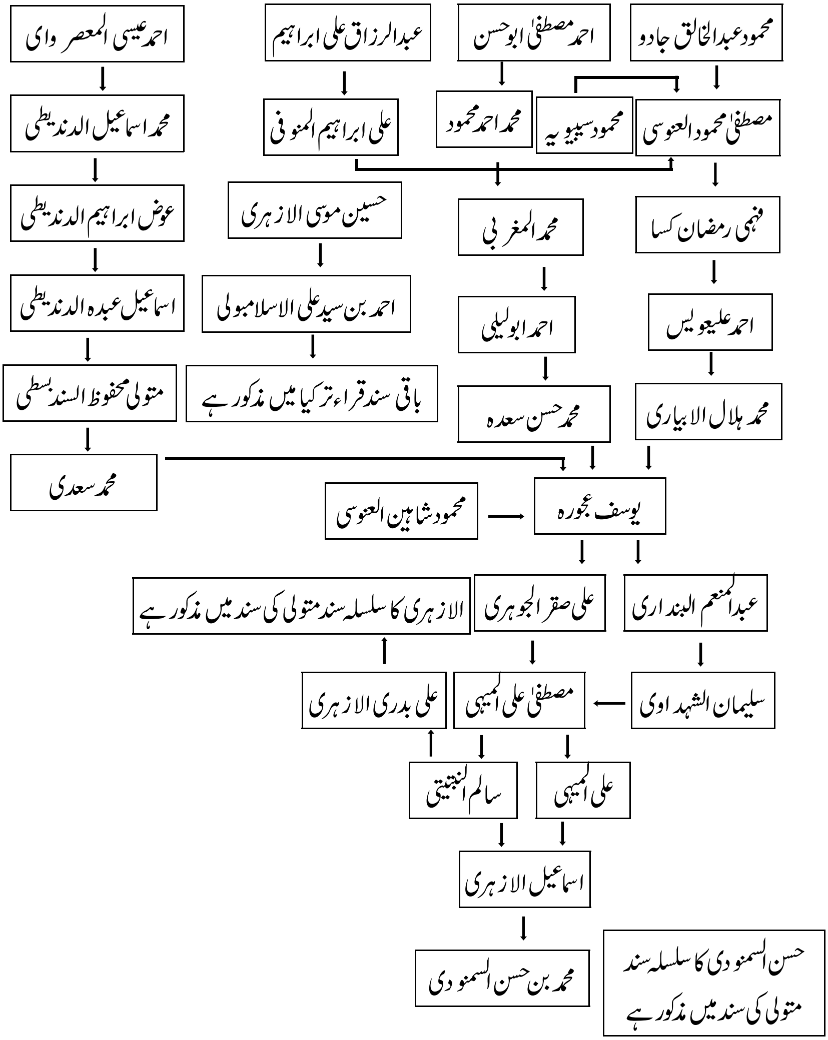

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

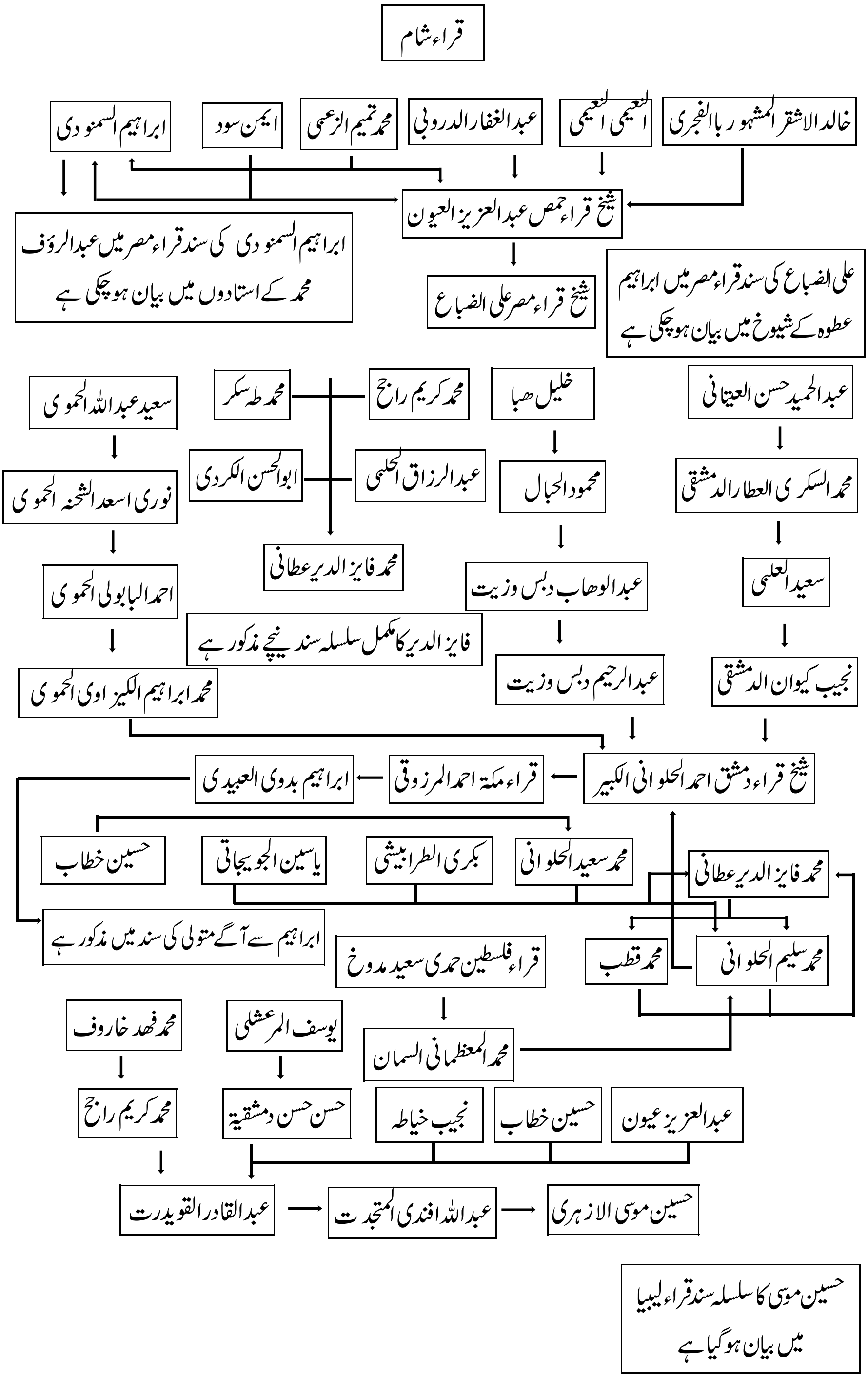

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

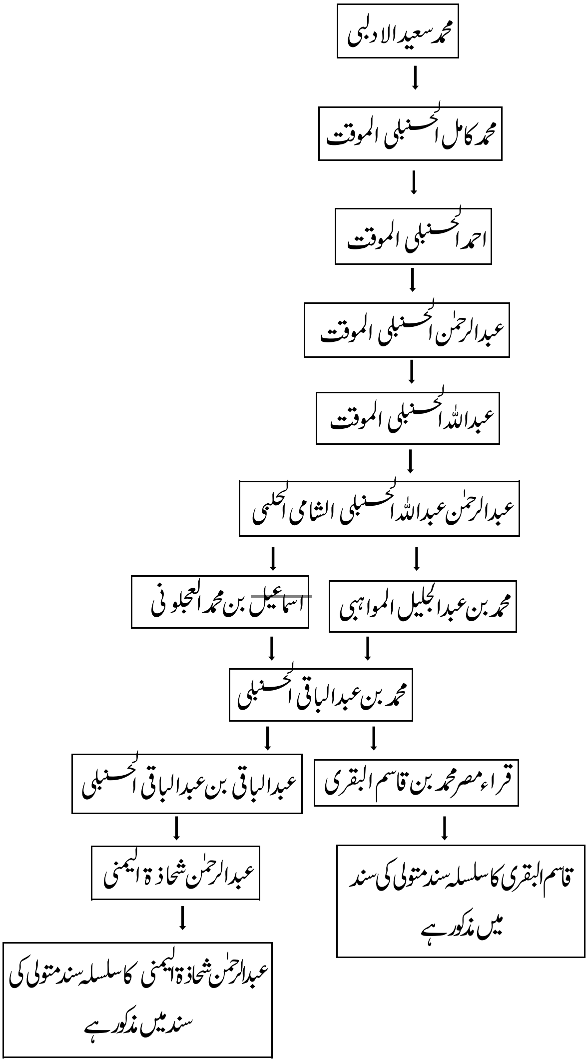

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

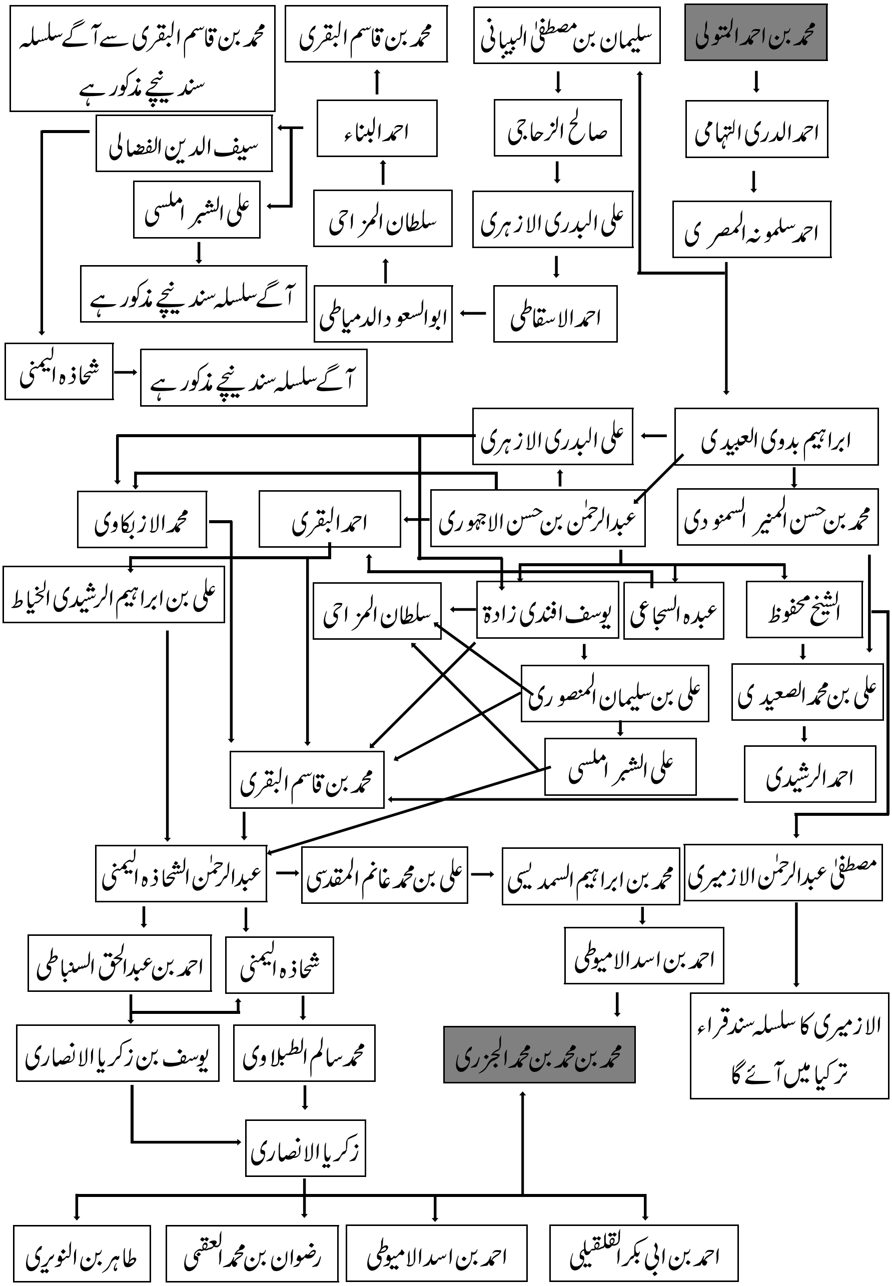

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

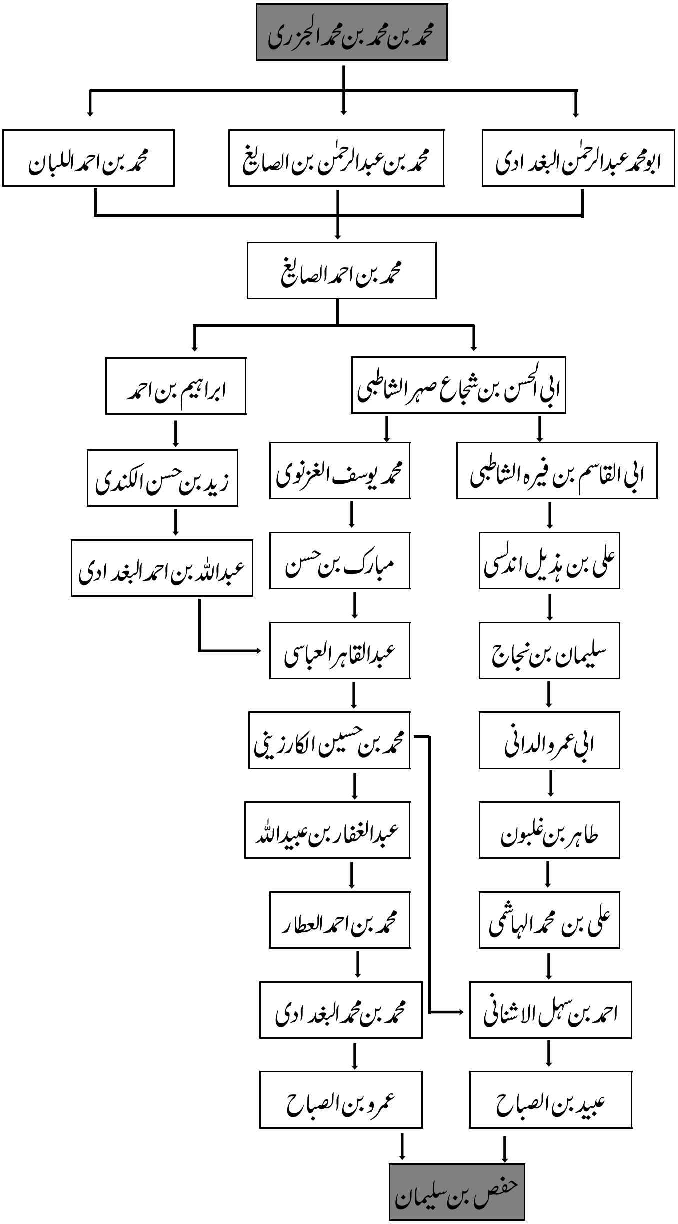

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

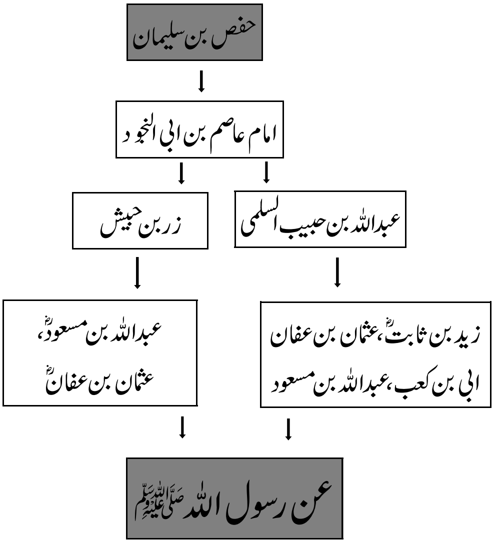

تمت بالخیر

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاری ادریس العاصم☆

الإسناد فی کتب التجوید والقراءات

تمام کتبِ سماویہ میں قرآن مجید کی عظمت وعزت عیاں اور نمایاں ہے۔ اپنی اَصل شکل میں اس وقت اگر کوئی صحیح اور کامل آسمانی کتاب ہے تو وہ قرآن مجید ہے اسی کو عالمگیریت کا درجہ حاصل ہے۔ قرآن مجید سے پہلی کتابیں مخصوص زمانہ اور مخصوص اقوام تک محدود تھیں، ان کتب کی حفاظت کا نہ تو خالق کائنات نے ذمہ اٹھایا اور نہ ہی ان کے محفوظ رہنے کا کوئی اعلان کیا۔ اس کے برعکس قرآن کریم کی حفاظت کا ذِمہ بھی لیا اور ساتھ ہی اعلان بھی کردیا۔

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ﴾[الحجر:۹]

''بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن مجید) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''

اس مقصد حفاظت کی تکمیل کے لیے رب العالمین نے ایک ایسا ذریعہ فرمایا جو روزِ قیامت تک جاری وساری رہے گا وہ ہے ناقلین قرآن کا سلسلہ سند۔

اللہ تعالیٰ نے قرآء کے اذہان وقلوب کو اس کام کے لیے تیار کیا۔ ہر وقت امت میں اتنے حفاظ وقرآء موجود رہے کہ جن کو احاطۂ شمار میں لانا صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ ہر زمانہ میں ناقلین قرآن آنے والوں تک اپنے علم کو منتقل کرتے رہے حتیٰ کہ موتیوں کی طرح پروئی ہوئی راویوں کی ایک لڑی بن گئی، جس کو سند کا نام دیا جاتا ہے اور سند کا دوسرا نام 'سلسلة الذهب' بھی ہے۔

سند کی لغوی تعریف

اہل لغت لفظ 'سند' کے کئی معنی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ٹیک لگانا، اِعتماد کرنا، بھروسہ کرنا، سہارا وغیرہ۔

[مصباح اللغات:۴۰۰]

اِصطلاحی تعریف

نبیﷺ تک پہنچنے کا طریقہ یعنی رستہ۔ (مراد ایک راوی کا اپنے سے اُوپر والے راوی سے بات نقل کرنا) اس کو سند کہتے ہیں۔

مثلاً راقم الحروف نے پاکستان میں روایت حفص اور قراءاتِ سبعہ کی سند اُستاذ الاساتذہ الشیخ المقری قاری اِظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ سے حاصل کی، انہوں نے امام القراء حضرت قاری عبدالمالک رحمہ اللہ سے، انہوں نے الشیخ قاری محمد عبداللہ مکی رحمہ اللہ سے (اور قاری عبدالمالک رحمہ اللہ نے قراءات عشرہ قاری عبدالرحمٰن مکی الہ آبادی سے، انہوں نے اپنے بھائی قاری عبداللہ مکی سے حاصل کی ہے) ایک لحاظ وہ دونوں اُستاد بھائی اور دوسرے لحاظ سے اُستاد شاگرد۔

قاری عبداللہ مکی صاحب نے روایت حفص کی سند حاصل کی الشیخ ابراہیم سعد بن علی المصری سے اُنہوں نے الشیخ

☆ استاذ القراء، صدر مدرّس المدرسة العالية تجويد القرآن، مسجد لسوڑیاں والی اہلحدیث، لاہور......مصنف کتبِ کثیرہ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حسن بُدیر سے انہوں نے علامہ محمد بن اَحمد المتولی سے......اس سے آگے سند مشہور ومعروف ہے۔

اسی طرح راقم الحروف نے قراء اتِ عشرہ صغریٰ و کبریٰ مدینہ یونیورسٹی سعودیہ میں اُستاذ الاساتذہ المقری القاری عبد الفتاح السید عجمي المرصفي سے حاصل کیں۔ اُنہوں نے اِمام القراء الشیخ عبدالعزیز الزیات سے انہوں نے الشیخ عبدالفتاح ھنیدی سے اُنہوں نے علامہ محمد المتولی سے...... اس سے آگے سند مشہورومعروف ہے۔

اسی طرح راقم الحروف نے بخاری پڑھی شیخ الحدیث مولانا اَبوالبرکات احمد سے انہوں نے إمام المحدثین حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ سے انہوں نے امام العلماء حافظ عبدالمنان وزیرآبادی رحمہ اللہ سے انہوں نے شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ سے انہوں نے شاہ اسحاق رحمہ اللہ سے انہوں نے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سے انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے انہوں نے شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ سے...... آگے سند مشہور ہے۔

بات سمجھنے کی یہ ہے کہ میں نے جن شیوخ کا نام ذکر کیا ان میں سے ہر ایک اپنے سے مقدم راوی سے اَخذ علم کو ثابت کررہا ہے اسی طرح کے سلسلہ روایت کو سند کہتے ہیں۔

اِمام حزم رحمہ اللہ کی تعریف سند

جس بات کو ایک ثقہ نے دوسرے ثقہ سے اس طرح نقل کیا ہو کہ وہ بات نبی ﷺ تک پہنچ جائے کہ ان میں سے ہر ایک اس کا نام ونسب بھی بتائے کہ جس نے اُسے خبر دی ہے، سب کی حالت وشخصیت اور عدالت وزمانہ اور مقام معلوم ہو۔[الملل والنحل (مترجم):۳۲۳]

گویا کہ دینی علوم میں سند کی بے حد اہمیت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی سند اللہ رب العزت نے اپنے ہی کلام میں ذکر فرمائی ہے۔

- اِرشاد ربانی ہے:

﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ﴾

[الشعراء:۹۲،۹۴]

’’بے شک وہ (قرآن) رب العلمین کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اسے امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے یہ (قرآن) آپ کے دل پر اترا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوجائیں۔‘‘

اَہمیت سند

① ناقلین قران وحدیث کے بارہ میں نبی ﷺ کا فرمان

’’ہر آنے والا اپنے سے پہلے عادل لوگوں سے یہ علم (قرآن وحدیث) نقل کرے گا وہ شخص غلو کرنے والوں، باطل لوگوں اور جاہلوں کی تاویل سے اس علم کو محفوظ کرے گا۔[التمهيد لابن عبدالبر: ۵۹]

② امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ

قال یحییٰ: ”الإسناد من الدين“ ’’اسناد دین میں سے ہیں‘‘[التمهيد:۵۷]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ امام اوزاعی رحمہ اللہ

”ما ذهاب العلم إلا بذهاب الإسناد“ ’’جب اسناد ختم ہوجائیں گی تو علم بھی مٹ جائے گا‘‘ [التمهيد:٥٧]

④ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ

قال المروزي: سمعت عبدالله بن المبارك يقول:

”لو لا الإسناد لقال كل من شآء ما شآء“ ’’اگر اسناد نہ ہوتیں تو ہر کوئی جو چاہتا کہہ دیتا۔‘‘

[التمهيد:٥٦]

⑤ امام شعبہ رحمہ اللہ

قال يحيىٰ: سمعت شعبة يقول: ”إنما يعلم صحة الحديث بصحة الإسناد“

’’امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے شعبہ رحمہ اللہ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ یقیناً حدیث کی صحت کا علم تب ہوتا ہے جب اس کی سند صحیح ہو۔‘‘

⑥ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ

عن ابن سيرين قال: لم يكونوا يسألون عن الإسناد، فلما وقعت الفتنة قالوا: سمُّوا لنا رجالكم فيُنظَر إلى أهل السنّة فيُؤْخذُ حديثهم وينظر إلى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم.

’’ابن سیرین رحمہ اللہ نے کہا کہ پہلے زمانہ میں کوئی حدیث بیان کرتا تو اس سے سند نہ پوچھتے، پھر جب فتنہ پھیلا (یعنی گمراہی شروع ہوئی اور بدعتیں روافض اور خوارج، مرجیہ اور قدریہ کی شائع ہوئیں) تو لوگوں نے کہا اپنی اپنی سند بیان کرو دیکھیں گے اگر روایت کرنے والے اہل سنت ہیں تو ان کی روایت قبول کریں گے، اور جو بدعتی ہیں تو ان کی روایت قبول نہیں کریں گے۔‘‘ [مقدمة صحيح مسلم،١٥/١، باب في أن الإسناد من الدين]

⑦ امام مالک رحمہ اللہ

عن ابن أبي يونس سمعت مالكا يقول: ”إن هذا العلم دين، فانظروا عمن تأخذونه“

’’ابن ابی یونس کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے کہتے ہوئے سنا: بے شک یہ علم دین کا حصہ ہے پس دیکھو تم کس سے حاصل کر رہے ہو؟‘‘ [سير أعلام النبلاء: ٣٤٣/٥]

⑧ امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ

قال محمد بن عبدالله بن عمار قال يحيىٰ بن سعيد: ”لا تنظروا إلى الحديث، ولكن انظروا إلى الإسناد، فإن صح الإسناد وإلا فلا تغتروا بالحديث إذا لم يصح الإسناد“

’’محمد بن عبداللہ بن عمار کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید نے کہا ہے کہ حدیث کو نہ دیکھو بلکہ اس کی اسناد کو دیکھو اگر اسناد صحیح نہ ہوں تو حدیث سے دھوکہ نہ کھاؤ (یعنی اُسے چھوڑ دو) اگر سند صحیح ہے تو حدیث کو قبول کرلو۔‘‘

[سير أعلام النبلاء: ١٨٨/٩]

اَہمیت سند پر متعدد کتب میں اَقوال بکثرت ملتے ہیں۔ البتہ ہم انہی اقوال پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان اَقوال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ ثابت ہورہا ہے کہ سند کے بغیر دین کا کوئی علم ثابت نہیں ہوتا اور صحیح سند پر دین کا دارومدار ہے۔ قرآن اور حدیث دونوں کے ثبوت کے لیے سند صحیح ہونا ضروری ہے۔

زِیر نظر مضمون میں ہم انشاء اللہ تجوید وقراءات کی وہ مشہور کتب بیان کریں گے جن میں مصنفین نے اپنی اسناد ذکر

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہر زمانہ میں تجوید وقراءات کے ناقلین ومصنفین نے اَسناد کو بیان کیا ہے البتہ بعض نے اپنی کتابوں میں اَسناد حذف کردی ہیں اور ایسا صرف اختصار کی غرض سے کیا۔ مثلاً امام شاطبی رحمہ اللہ نے قصیدۃ الشاطبیہ میں اسناد ذکر نہیں کیں حالانکہ جس کتاب ''یعنی التیسیر في القراءات السبع'' کو اصل قرار دیتے ہوئے امام شاطبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تالیف کی ہے۔ اس میں اسناد کا ذکر بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ التیسیر في القراءات السبع امام دانی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ہے۔

اسی طرح امام جزری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'طیبة النشر في القراءات العشر' اور 'الدرة المضیئة في القراءات الثلاث' میں اَسناد حذف کردی ہیں، البتہ اِمام جزری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'النشر في القراءات العشر' میں اَسناد ذکر کرنے کے ساتھ ان پر خوب بحث بھی کی ہے، جن مصنفین نے اَسناد ذکر کی ہیں ان میں سے ہر ایک کا اپنا اَنداز ہے مثلاً بعض نے اپنی اَسناد کو قراءِ عشرہ تک اور متاخرین میں سے بعض نے امام جزری رحمہ اللہ تک اور کئی ایک نے اِمام شاطبی رحمہ اللہ تک یا علامہ دانی رحمہ اللہ تک اور کئی ایک نے امام شاطبی رحمہ اللہ تک یا علامہ دانی رحمہ اللہ تک اور بعض نے امام حفص رحمہ اللہ تک اور اکثر نے نبی ﷺ تک متصل اَسناد بیان کی ہیں۔

① كتاب السبعة في القراء ات

مصنف: امام ابن مجاہد رحمہ اللہ: (۲۴۵ھ الی ۳۲۴ھ)

یہ وہ کتاب ہے جس میں مروّجہ قراءِ سبعہ کی قراءات کو سب سے پہلے جمع کیا گیا، امام ابن مجاہد رحمہ اللہ اپنے زمانہ کے جلیل القدر امام تھے۔ اس کتاب میں امام ابن مجاہد نے اپنے سے لے کر قراءِ سبعہ تک مختلف طرق کے ساتھ اَسناد ذکر کی ہیں۔ اس کتاب کی تحقیق الدکتور شوقی ضیف نے کی ہے اور یہ ایک جلد میں شائع ہوئی۔ اسے مکتبہ دار المعارف القاہرۃ مصر نے طبع کیا ہے۔

② جامع البيان في القراء ات السبع المشهورة

مصنف: امام ابوعمرو عثمان بن سعید الدانی رحمہ اللہ (م ۴۴۴ھ)

اس کتاب میں مصنف نے اَسناد اور طرق بیان کرنے کا اَنداز اس طرح اپنایا ہے کہ اپنے سے لے کر مختلف روایات وطرق قراءِ سبعہ تک ذکر کیے ہیں اور پھر قراءِ سبعہ سے نبی ﷺ تک اَسناد ذکر کی ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ اپنے زمانہ میں اعلیٰ درجہ کے محققین کی صف میں شامل ہیں۔ آپ علم قراءات کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ علامہ دانی رحمہ اللہ تقریباً ایک سو بیس (۱۲۰) کتب کے مصنف ہیں جن میں اکثر قراءات پر ہیں اس کتاب کی تحقیق الحافظ المقری محمد صدوق الجزائری رحمہ اللہ نے کی ہے اور دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان نے اسے شائع کیا ہے یہ ایک جلد میں شائع ہوئی۔

③ الإختيار في القراء ات العشر

مؤلف: امام ابو محمد عبداللہ بن علی الحنبلي البغدادي المعروف بسبط الخیاط رحمہ اللہ (م ۴۶۴ھ الی ۵۴۱ھ)

اس کتاب میں مصنف نے اپنے سے لے کر نبی ﷺ تک دس قراء کی سند ذکر کی ہے۔ امام سبط الخیاط رحمہ اللہ علم

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

القراءات میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔علامہ جزری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب النشر في القراءات العشر میں آپ کی خوبصورت آواز کی بے حد تعریف کی ہے اس کتاب کی تحقیق عبدالعزیز بن ناصر السبر رحمہ اللہ نے کی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں مکتبہ ملک فہد (الریاض) نے طبع کی ہے۔

④ إرشاد المبتدي و تذكرة المنتهي في القراء ات العشر

⑤ الكفاية الكبرىٰ في القراء ات العشر

مؤلف: امام ابوالعز محمد بن حسین بن بُندار الواسطی القلانسی رحمہ اللہ (م ۵۴۱ھ)

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ اس میں دس قراءات کو جمع کیا گیا ہے۔مؤلف نے اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک مختلف طرق ذکر کیے ہیں اور پھر قراء عشرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں دونوں کتابیں علیحدہ علیحدہ ایک ایک جلد میں طبع کی گئیں ہیں اس کتاب کی تحقیق عثمان محمود غزال نے کی ہے۔

⑥ التلخيص في القراءات الثمان

مؤلف: امام ابومعشر عبدالکریم بن عبدالصمد الطبر ی رحمہ اللہ (م ۴۷۸ھ)

اس کتاب میں آٹھ قراء کی مرویات کو جمع کیا گیا ہے مصنف کا شمار اپنے زمانہ کے جلیل القدر علماء میں ہوتا ہے۔ اس کتاب میں مؤلف نے اپنے سے لے کر قراء ثمانیہ (یعنی نافع، مکی، بصری، شامی، عاصم، حمزہ، کسائی، یعقوب رحمہم اللہ) تک مختلف طرق کے ساتھ اسناد ذکر کی ہیں یہ بھی ایک جلد میں شائع ہوئی ہے۔اس کی تحقیق محمد عقیل موسیٰ نے کی ہے الجماعة الخيرية لتحفيظ القرآن الكريم (جدہ) نے اسے طبع کیا ہے۔

⑦ التذكرة في القراء ات الثمان

مؤلف: إمام أبوالحسن طاهر بن عبدالمنعم بن غلبون المقري الحلبي رحمہ اللہ (۳۹۹ھ)

یہ بھی آٹھ قراءات میں ہے یعنی جو قراء پیچھے گزرے ہیں وہی مراد ہیں، اس میں مؤلف نے اپنے سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں۔شاطبی رحمہ اللہ نے دو مرتبہ اپنی کتاب قصیدة الشاطبیہ میں دو جگہ ابن غلبون طاہر کا نام ذکر کیا ہے۔وہ ایک جگہ باب المد و القصر میں اور دوسرا باب الهمز المفرد میں۔

باب المد و القصر میں ہے:

﴿وعاداً الأولى﴾ ابن غلبون طاهر: بقصر جميع الباب قال وقولا

باب الهمز المفرد میں ہے:

﴿وبارءكم﴾ بالهمز، حال سكونه، وقال ابن غلبون: بياء تبدلا

التذكرة کی تحقیق ایمن رُشدی نے کی ہے اور یہ کتاب دو جلدوں میں ہے الجماعة الخيرية لتحفيظ القرآن الكريم (جدہ) نے شائع کی ہے۔

⑧ الإقناع في القراء ات السبع

مؤلف: امام ابوجعفر احمد بن علی بن احمد بن خلف الانصاری رحمہ اللہ (۵۴۰ھ)

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کتاب میں مصنف نے پہلے اپنے سے لے کر قراء سبعۃ تک اسناد ذکر کی ہیں پھر قراء سبعۃ سے نبیﷺ تک اسناد بیان کی ہیں۔

کتاب کی تحقیق شیخ احمد فرید المزیدی نے کی ہے۔ داارلکتب العلمیہ بیروت نے شائع کی ہے۔ یہ کتاب ایک جلد میں طبع ہوئی ہے اور دوسرا نسخہ دو جلد میں ہے جامعہ اُم القریٰ مکہ مکرمہ نے طبع کروایا ہے۔ اُس کی تحقیق الدکتور عبدالحمید قطامش نے کی ہے۔

⑨ المبهج في القراء ات السبع

مؤلف: عبداللہ بن علی بن احمد بن عبداللہ المعروف بسبط الخياط رحمہ اللہ۔ (۵۴۱ھ)

اس کتاب میں مصنف نے اپنے سے لے کر قراء سبعۃ تک کثیر تعداد میں طرق اور روایات کا ذکر کیا ہے ان کی ایک کتاب کا تذکرہ اس مضمون میں پہلے بھی ہو چکا ہے۔ المبہج کی تحقیق سید کسروی حسن نے کی ہے۔ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے اسے شائع کیا ہے یہ کتاب تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

⑩ غاية الاختصار في القراء ات العشر

مؤلف: امام ابو العلاء الحسن بن احمد بن الحسن الهمداني العطار رحمہ اللہ (م۵۶۹ھ)

اس کتاب میں مصنف نے پہلے قراءات عشرہ کی اسناد نبیﷺ تک بیان کی ہیں پھر اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک مختلف طرق کے ساتھ اسناد ذکر کی ہیں۔ تحقیق الدکتور اشرف محمد فواد طلعت نے کی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ اور اسے الجماعة الخيريه لتحفيظ القرآن الكريم (جدہ) نے طبع کیا ہے۔

⑪ التيسير في القراء ات السبع

مؤلف: امام ابو عمرو عثمان بن سعید الدانی رحمہ اللہ

صاحب جامع البیان کی کتاب ''التیسیر'' قراءات سبعۃ میں مشہور ومعروف ہے۔ امام شاطبی رحمہ اللہ نے اسی کتاب کو اصل بناتے ہوئے اپنی کتاب حرز الأماني ووجه التهاني تحریر فرمائی ہے۔ علامہ دانی رحمہ اللہ کا اسناد ذکر کرنے کا انداز اس طرح ہے کہ پہلے قراء سبعہ سے نبیﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں، بعد میں اپنے سے لے کر قراء سبعہ تک سندیں بیان کی ہیں یہ بھی ایک جلد میں ہے۔ دارالکتب العربی بیروت لبنان نے اسے طبع کیا ہے۔

⑫ المصباح الزاهر في القراء ات العشر البواهر

تالیف: إمام أبو كرم المبارك بن الحسن أشهر زوري رحمہ اللہ (م۵۵۰ھ)

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ تالیف دس قراءات پر مشتمل ہے اس میں امام نے قراء عشرہ کا مختصر تعارف اور پھر ان کی اسناد نبیﷺ تک بیان کی ہیں، بعد میں متعدد طرق کے ذریعے اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک اسناد بیان کی ہیں اس کتاب کی تحقیق الشیخ عبدالرحیم الطرہونی نے کی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے شائع کی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑬ إعراب القراء ات السبع وعللها

تالیف: ابوجعفر محمد بن احمد بن نصر ابن خالویہ الاصبہانی رحمہ اللہ (م۶۰۳ھ)

اس میں امام نے اپنے سے لے کر قراء سبعہ تک کئی ایک واسطوں کے ذریعے اسناد ذکر کی ہیں اس کتاب کی تحقیق ابومحمد الاسیوطی نے کی ہے یہ ایک جلد میں ہے اسے دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے طبع کیا ہے۔

⑭ المکرر فیما تواتر من القراء ات السبع و تحرر

مؤلف: امام ابوحفص عمر بن قاسم بن محمد المصر ی الانصاری رحمہ اللہ (۹۰۰ھ)

اس کتاب میں مصنف نے قراء سبعۃ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں، تحقیق احمد محمود عبدالسمیع شافعی نے کی ہے۔ یہ کتاب بھی ایک جلد میں ہے۔ اسے دارالکتب العلمیہ نے شائع کیا ہے۔

⑮ النشر في القراء ات العشر

مؤلف: امام محمد بن محمد الجزری رحمہ اللہ (م۸۳۳ھ)

امام جزری رحمہ اللہ کا علم قراءات کی نقل و روایت اور تحقیق میں وہ مقام ہے جو حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ کا ہے آپ اعلیٰ درجہ کے حافظ، متقن اور محقق تھے۔ ایک لاکھ حدیث کے حافظ تھے۔ آپ نے النشر في القراءات العشر میں اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک متعدد طرق بیان کیے ہیں اور قراء عشرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں۔ یہ کتاب دو جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے اسے طبع کیا ہے۔

⑯ المبسوط في القراء ات العشر

مؤلف: ابوبکر احمد بن الحسن بن مھران الاصبہانی رحمہ اللہ (۳۸۱ھ)

اس کتاب میں مصنف نے اپنے سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں۔ ابن مھران قراءات کے بہت بڑے عالم تھے اس کتاب کی تحقیق سبیع حمزۃ حاکمی نے کی ہے، یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔

دارالقبلة للثقافة الإسلامية جدہ نے طبع کیا ہے۔

⑰ الغاية في القراء ات العشر

ابوبکر احمد بن مھران نیشاپوری رحمہ اللہ (۳۸۱ھ)

مؤلف نے اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک متعدد طرق بیان کیے ہیں اور قراء عشرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ کتاب کی تحقیق محمد غیاث الجنباز نے کی ہے۔ یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔

⑱ الكنز في القراء ات العشر

مؤلف: امام شیخ عبداللہ بن عبدالمؤمن ابن الوجیہ الواسطی رحمہ اللہ (م۷۳۰ھ)

موصوف نے اپنے سے لے کر قراء عشرہ تک متعدد طرق بیان کیے ہیں اور قراء عشرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد ذکر کی ہیں، تحقیق هناء الحمصي نے کی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑲ الكتاب الموضع في وجوه القراء ات وعللها

مؤلف: امام نصر بن علی بن محمد ابوعبداللہ الشیر ازی الفارسی القسوی النحوی المعروف بابن ابی مریم رحمہ اللہ (م۵۶۵ھ)

اس کتاب میں امام نے آٹھ قراء کی قراءات ذکر کی ہیں۔ مؤلف نے اس میں ان قراء کے رواۃ کا تذکرہ کیا ہے اوران سے نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں اس کتاب کی تحقیق الدکتور عمر حمدان الکبیسي نے کی ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے اوراسے الجماعة الخيرية لتحفيظ القرآن الكريم (جدہ) نے طبع کیا ہے۔

⑳ فتح الوحيد في شرح القصيد المعروف شرح الشاطبية

مؤلف: امام علم الدین علی بن محمد ابی الحسن السخاوی رحمہ اللہ (۶۴۳ھ)

امام سخاوی رحمہ اللہ امام شاطبی رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگرد ہیں۔ انہوں نے قصیدہ شاطبیہ کی شرح لکھی اوراس میں اپنے سے لے کر قراء سبعۃ تک اسناد ذکر کی ہیں۔ اس کتاب کی تحقیق احمد عدنان الزعبی نے کی ہے۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ اسے مکتبۃ دارالبیان دولۃ الکویت نے طبع کیا ہے اور دوسرا نسخہ چار جلدوں پر مشتمل ہے جسے مکتبۃ الرشد (الریاض) نے طبع کیا ہے اس کی تحقیق محمد الادریسی الطاھری نے کی ہے۔

㉑ المستنير في القراء ات العشر

مؤلف: امام ابوطاہر احمد بن علی بن عبیداللہ بن عمر بن سوار البغدادی رحمہ اللہ (۴۹۶ھ)

امام نے اپنی کتاب میں اپنے سے قراء عشرہ تک مختلف طرق کے ذریعے اسناد ذکر کی ہیں اور پھر قراء عشرہ سے نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں اس کتاب کی تحقیق دکتور عمار امین الددو نے کی ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور دارالبحوث للدراسات الإسلامية، إحياء التراث الإسلامي، الإمارات العربية المتحدة دبیٔ نے طبع کیا ہے۔

㉒ شرح الدرر اللوامع في أصل مقرأ الإمام نافع

مصنف: امام ابوعبداللہ محمد بن عبدالملک بن المنتوری القیسی رحمہ اللہ (۸۳۴ھ)

الدرر اللوامع نظم میں ہے امام ابن بّری (۷۳۰ھ) نے تالیف کی ہے اور یہ صرف امام نافع رحمہ اللہ کی قراءت میں ہے شارح نے ناظم سے لے کر امام نافع تک ایک جگہ اور دوسری جگہ امام نافع رحمہ اللہ سے نبی ﷺ تک سند ذکر کی ہیں اس شرح کی تحقیق استاذ الصدیقی سیری فوزی نے کی ہے۔ یہ کتاب بھی دو جلدوں میں ہے۔

㉓ الروضة في القراء ات الإحدىٰ عشرة

مؤلف: امام ابوعلی الحسن بن محمد بن ابراہیم البغدادی مالکی رحمہ اللہ (۴۳۸ھ)

ابوعلی مالکی نے اپنے زمانہ کے مختلف اساتذہ سے قراءات حاصل کیں۔ انہوں نے اپنی کتاب الروضۃ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پھر نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں۔ الروضۃ کی تحقیق الدکتور مصطفیٰ عدنان محمد سلمان نے کی ہے اور مکتبۃ العلوم والحکم نے مدینہ منورہ سے اور دارالعلوم والحکم نے شام سے شائع کیا ہے یہ کتاب دو جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۴ شرح الهداية

مصنف: امام ابوالعباس احمد بن عمار المهدوی رحمہ اللہ (۴۴۰ھ)

یہ کتاب توجیہات القراءات کے نام سے مشہور ہے۔امام مھدوی اپنے زمانہ کے جلیل القدر علماء میں شامل ہیں۔ امام شاطبی رحمہ اللہ نے ان کا تذکرہ اپنی کتاب قصیدۃ الشاطبیہ میں باب الاستعاذہ کے آخری شعر میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

وإخفاؤه فصل أباه وعاتنا وكم من فتى كالمهدوي فيه أعملا

یہ کتاب دو جلدوں میں ہے،اس کی تحقیق الدکتور حازم سعید حیدر نے کی ہے اور محقق نے آپ کے چند شیوخ قراءات کا تذکرہ بھی کتاب کے شروع حصہ میں کیا ہے۔مکتبۃ الرشد (الریاض) نے اسے طبع کیا ہے۔

۴۵ إعراب القراءات السبع وعللها

مصنف: امام ابوعبداللہ الحسین بن احمد بن خالویہ الهمداني النحوي الشافعی رحمہ اللہ (۳۷۰ھ)

آپ امام ابن مجاہد رحمہ اللہ کے براہ راست شاگرد ہیں۔علم قراءات میں اعلیٰ ترین مقام رکھتے ہیں۔اس کتاب میں آپ نے اپنے سے قراء سبعہ تک کئی اسناد ذکر کی ہیں۔ پھر نبی ﷺ تک اسناد بیان کی ہیں،اس کتاب کی تحقیق الدکتور عبدالرحمن بن سليمان العثيمين نے کی ہے۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ مكتبة الخانجي القاھرہ،مصر نے طبع کیا ہے۔

۴۶ کتاب معاني القراءات

مؤلف: امام ابومنصور محمد بن احمد الازہری رحمہ اللہ (۳۷۰ھ)

امام کی یہ کتاب آٹھ قراء کی مرویات پر مشتمل ہے،سات شاطبیہ والے اور ایک ثلاثہ والے امام یعقوب۔ امام ابومنصور نے اپنے سے لے کر آٹھ قراء تک اسناد ذکر کی ہیں۔اس کتاب کی تحقیق الشیخ احمد فرید المزیدی نے کی ہے۔ یہ کتاب ایک جلد میں ہے اور دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے شائع کی ہے۔

۴۷ الكتاب الأوسط في علم القراءات

مؤلف: امام ابومحمد الحسن بن علی بن سعید المقری العمانی (م۴۱۳ھ)

یہ کتاب قراء سبعہ کی مرویات پر مشتمل ہے۔امام العمانی جلیل القدر علماء کی صف میں شامل ہیں۔اس کتاب میں آپ نے قراء سبعۃ سے لے کر نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں اور قراء سبعۃ کے حالات بھی قلمبند کیے ہیں۔ یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔اس کی تحقیق الشیخ عزۃ حسن نے کی ہے۔ یہ کتاب مکتبہ دارالفکر دمشق نے طبع کی ہے۔

۴۸ المستطاب في التجويد المسمىٰ هداية القراء

تالیف: امام شہاب الدین احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی (۹۲۳ھ)

امام قسطلانی کسی تعارف کے محتاج نہیں آپ شارح بخاری ہیں۔آپ کی ایک کتاب ”لطائف الإشارات لفنون القراءات“ بھی ہے آپ نے المستطاب میں قراء عشرہ سے نبی ﷺ تک اسناد ذکر کی ہیں۔اس کتاب کی

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحقیق السید یوسف احمد نے کی ہے یہ ایک جلد میں ہے۔ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے اسے طبع کیا ہے۔

۲۹ تقريب النشر في القراء ات العشر

تالیف: الامام المقری الحافظ محمد بن محمد الجسري الشافعي الدمشقي (۸۳۳ھ)

یہ النشر في القراءات العشر کا اختصار ہے۔اس کتاب میں امام نے قراءعشرہ اوران کے رواۃ اور چند طرق کا ذکر کیا ہے اس کتاب کی تحقیق علی عبدالقدوس عثمان الوزیز نے کی ہے۔ یہ ایک جلد میں ہے۔ داراحیاء التراث بیروت لبنان نے اسے طبع کیا ہے۔

۲۹ الجعبری و منهجه في كنز المعاني في شرح حرز الأماني ووجه التهاني

دراسۃ۔ الاستاذ احمد الیزیدی

اس میں احمد الیزیدی نے علامہ جعبری کی سند امام شاطبی تک اور امام شاطبی کی سند بواسطہ علامہ دانی قراء سبعۃ تک بیان کی ہے۔

۳۰ تقريب النفع وتيسير الجمع بين القراء ات السبع و معه المقدمة المسماة أعلام أهل القرآن

مؤلف: السید نبیل بن ہاشم بن عبداللہ الغمری آل باعلوی۔

مؤلف نے اس کتاب میں اپنے استاذ المکی بن عبدالسلام بن مکی بن کیران (۱۳۳۱ھ۔۱۴۲۱ھ) کی اسناد قراء سبعۃ تک اور پھر نبی ﷺ تک ذکر کی ہیں اور اپنے استاذ کی سند حدیث بھی نبی ﷺ تک ذکر کی ہے۔

دارالبشائر الإسلامية (بیروت) نے اس کو طبع کیا ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔

۳۱ هداية القاري إلى تجويد كلام الباري

مؤلف: اُستاذی وسیدی امام القراء والمجودّین الشیخ عبدالفتاح السید عجمی المرصفی (۱۴۰۹ھ)

علم تجوید کے حوالہ سے یہ کتاب مرجع و مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں شیخ نے اپنی اسناد نبی ﷺ تک ذکر کی ہیں۔

۳۲ الرسالة الترمسية في إسناد القراءات العشرية

مؤلف: الشیخ محمد محفوظ بن عبداللہ الترمسی (۱۳۳۰ھ)

آپ نے قراء کی اسناد پر تفصیلی کام کیا ہے اور اسناد پر ایک رسالۃ (كفاية المستفيد فيما علا من الأسانيد) بھی تالیف کیا ہے۔

۳۳ الإمام المتولي و جهوده في علم القراء ات

مؤلف: الشیخ الدکتور ابراھیم بن سعید بن احمد الدوسری نے تالیف کیا ہے۔

جس میں اسناد کا بیان بہت عمدہ اور دلنشین انداز میں کیا ہے۔ یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔ مکتبۃ الرشد (الریاض)

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اسے طبع کیا ہے۔

۳۴ شیخ علی محمد الضباع

موجودہ دور میں بڑے محقق مانے جاتے ہیں۔مختلف کتب کے مصنف ہیں۔فن تجوید وقراءات پر کئی ایک کتابیں تصنیف کی ہیں۔بعض متون کی شروح لکھی ہیں۔انہوں نے قصیدۂ شاطبیہ کی تصحیح کی ہے اور آخر میں اپنے سے لے کر امام شاطبی تک سند ذکر کی ہے اور اس کی تصدیق الشیخ محمد علی خلف الحسینی شیخ المقاری المصریه نے کی ہے۔طبع بمطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر .

۳۵ تصحیح قصیدۂ شاطبیة

کاوش: إمام القرآء القاری المقری إظهار أحمد التھانوی (۱۴۱۲ھ بموافق ۱۹۹۱ء)

شیخ نے اس فن پر مختلف کتب تالیف فرمائیں جو کہ مرجع ومصدر کی حیثیت رکھتی ہیں۔آپ جامع العلوم تھے۔آپ نے قصیدۂ شاطبیۃ کی تصحیح فرمائی اور اس میں اپنی سند امام شاطبی تک ذکر فرمائی ہے۔

۳۶ قواعد التجويد على رواية حفص عن عاصم بن أبي النجود

مؤلف: الشیخ عبدالعزیز القاری حفظہ اللہ

قواعد تجوید پر بڑی عمدہ کتاب ہے۔اس کتاب میں شیخ نے اپنی سند کو نبی ﷺ تک بیان کیا ہے۔یہ کتاب ایک جلد میں ہے اور مکتبۃ العلمیہ مدینہ منورہ نے اسے طبع کیا ہے۔

۳۷ الدر الفريد في شرح قواعد التجويد

مصنف: الشیخ عبدالحق محدث دھلوی (۱۰۵۲ھ)

متن اور شرح دونوں آپ کی تصانیف ہیں۔ان کے اور علامہ جزری کے مابین دو واسطے ہیں۔آپ نے اپنی سند علامہ جزری رحمہ اللہ تک بیان کی ہے۔

لکھتے ہیں:

قرأت قرآن العظيم على عدة من المشائخ الأجلاّء المقرءين والقراء المجودين، من أعلاهم سناً، الشيخ العلامة المقري المجود محمد بن إبراهيم السمديسي المصري وهو على الشيخ المقري أحمد الدميوطي المصري وهو عن الشيخ الإمام شمس الدين محمد ابن الجزري، شيخ القراء والمجودين وسنده إلى النبي ﷺ مشهور في الكتاب والسنة مذكور فی بعض مصنفاته ...... انتهىٰ

’’میں نے بہت سے اجل مشائخ وقراء اور مجودین سے قرآن پڑھا ہے، جو ان میں عمر اور مرتبے میں زیادہ بڑے ہیں۔ وہ ہیں الشيخ العلامة، المقری المجود محمد بن إبراهيم السمديسى المصرى اور انہوں نے الشيخ المقرى أحمد الدميوطي المصرى سے انہوں نے الشيخ الإمام شمس الدين محمد بن الجزرى شيخ القراء والمجودين سے۔آپ کی سند نبی ﷺ تک کتاب وسنت میں مشہور ہے اور آپ کی بعض تصنیفات میں بھی اس کو ذکر کیا جاتا ہے۔انتھیٰ‘‘

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۸ المرشد في مسائل التجويد والوقف

مصنف: استاذی امام القراء والمجودین المقری اظہار احمد التھانوی رحمہ اللہ

سوال و جواب کی شکل میں تجوید پر نہایت شاندار کتاب ہے۔ بڑے آسان فہم انداز میں مسائل تجوید بیان کیے گئے ہیں۔ صفحہ نمبر ۳۹ پر اپنی سند نبی ﷺ تک بیان کی ہے۔

۳۹ عذار القرآن

مؤلف: شیخ القراء قاری محمد اسماعیل پانی پتی

یہ تجوید کی کتاب ہے۔ مسائل تجوید پر عمدہ روشنی ڈالتی ہے۔ بعض جگہوں پر تجویدی اشعار بھی پیش کیے گئے ہیں۔ موصوف نے اپنی سند نبی ﷺ تک بیان کی ہے۔

۴۰ كمال الفرقان شرح جمال القرآن

مؤلف: الشیخ القاری محمد طاہر رحیمی رحمہ اللہ

اچھی شرح ہے۔ جمال القرآن مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی کتاب ہے جو مسائل تجوید پر ہے۔ اور القاری محمد طاہر رحیمی نے اپنی سند اس میں نبی ﷺ تک بیان کی ہے اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے امام حفص رحمہ اللہ سے نبی ﷺ تک سند ذکر کی ہے۔

۴۱ زينة المصحف تحبير التجويد

یہ دونوں کتابیں راقم الحروف کی ہیں اور علم التجوید پر ہیں۔ ان میں راقم الحروف نے اپنے سے لے کر نبی ﷺ تک روایت حفص کی سند ذکر کی ہے۔ قراءات اکیڈمی اُردو بازار لاہور نے طبع کی ہیں۔

۴۲ شجرة الأساتذه في أسانيد القرائات العشر المتواترة

اس میں اَسانید کی مفصل بحث دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ کتاب میرے محترم اُستاد ذی وقار إمام القراء والمجودين المقري القاري حضرت الشيخ إظهار أحمد التھانوی رحمہ اللہ نے شروع کی۔ لیکن اُسے مکمل کیے بغیر جہان فانی سے رحلت فرماگئے، راقم الحروف نے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور جابجا حاشیہ بھی لکھا۔ والحمد لله على ذلك.

۴۳ الوجوه المثاني في القراءات السبع

مؤلف: مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

موصوف نے اس کتاب کے آخر میں اپنے تمام علوم کی اَسناد کا مختصر بیان کیا ہے۔ وہاں اپنی تجوید کی سند بھی ذکر کی ہے۔ یہ تفسیر بیان القرآن کے آخر میں ہے۔

۴۴ شجرة سبع قراءات

مؤلف: شيخ القراء المجودين ابو محمد محی الإسلام پانی پتی رحمہ اللہ (۱۳۷۲ھ)

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موصوف نے بڑی وضاحت کے ساتھ قراءاتِ سبعہ کی اَسناد کو نبی ﷺ تک بیان فرمایا ہے (یہ شجرہ) شرح سبعہ قراءات کی پہلی جلد میں ہے، شرح سبعہ دو جلدوں میں ہے۔ یہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور نے طبع کی ہے۔

۴۵ کتاب التبصرة في القراءات السبع

مؤلف: امام القراء المقری ابو محمد مکی بن ابی طالب القیسی رحمہ اللہ (م ۴۳۷ھ)

آپ علامہ شاطبی رحمہ اللہ سے پہلے کے ہیں۔ یہ کتاب آپ نے سات قراء کی مرویات پر لکھی ہے۔ آپ سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کئی کتب کے مصنف ہیں۔ یہ کتاب ایک جلد میں ہے۔ اس میں امام نے اپنے سے قراء سبعہ تک مختلف طرق اور قراءِ سبعہ کی نبی ﷺ تک اَسناد ذکر کی ہیں۔ اس کتاب کو الدار السلفیہ بمبئی ہندوستان نے طبع کیا ہے۔

۴۶ خلاصة البیان في تجوید القرآن

مؤلف: شیخ القراء القاری محمد ضیاء الدین احمد صدیقی رحمہ اللہ

علم التجوید پر عمدہ کتاب ہے۔ موصوف نے اپنے سے لے کر نبی ﷺ تک سند ذکر کی ہے۔

۴۷ هدیة الوحید في علم التجوید

مؤلف: شیخ القراء القاری عبد الوحید الٰہ آبادی

علم تجوید پر موصوف کی اچھی کاوش ہے۔ مختصر انداز بیان کے ساتھ مسائل تجوید ذکر کیے گئے۔ اس میں شیخ نے اپنی سند ذکر کی ہے۔

۴۸ ضوابط نبلآء التجوید

مؤلف: شیخ القراء قاری محمد عبد المعبود

یہ تجوید پر ایک رسالہ ہے۔ موصوف نے اس میں اپنی سند ذکر کی ہے۔

۴۹ توضیح العشر في شرح طیبة النشر

مؤلف: شیخ القراء القاری محمد عبد اللہ مراد آبادی

یہ ایک جلد میں ہے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ کی کتاب جو دس قراء کی مرویات پر مشتمل ہے اور شعر میں ہے اس کی شرح ہے۔ اس میں مراد آبادی صاحب نے اپنی سند ذکر کی ہے۔

۵۰ جمال القراء وکمال الإقرآء

مؤلف: امام علم الدین علی بن محمد السخاوی رحمہ اللہ (م ۶۴۳ھ)

امام سخاوی رحمہ اللہ امام شاطبی رحمہ اللہ کے خاص تلامذہ میں شامل ہیں۔ آپ امام ابوشامہ مقدسی کے شیخ ہیں۔ امام سخاوی رحمہ اللہ سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے 'الإتقان' میں بارہا آپ کی اس کتاب کے حوالے پیش کیے ہیں۔ جمال القراء میں آپ نے قراء سبعہ سے لے کر نبی ﷺ تک اَسناد ذکر کی ہیں۔ یہ کتاب دو جلدوں

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہے۔ایک نسخے کی تحقیق الدکتور علی حسین البواب نے کی ہے اور مکتبة التراث مکة مکرمہ نے اسے طبع کیا ہے۔ اور دوسرے نسخے کی تحقیق عبدالحق عبدالدائم سیف القاضی نے کی ہے۔ اور مؤسسة الکتب الثقافیة بیروت لبنان نے طبع کیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے شروع مضمون میں یہ ذکر کیا تھا کہ سند کے بغیر نہ قرآن ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی حدیث۔ اور بعض لوگوں کو عدم علم اور ناقص تحقیق کی بنا پر سنگین غلطی لگ گئی کہ قراءات کی کوئی سند نہیں اور بعض نے یہ کہہ دیا کہ قراء سبعہ یا عشرہ کی اسناد نبیﷺ تک تو ٹھیک ہیں۔البتہ بعد والوں کی اَسناد قراءِ سبعہ یا ثلاثہ تک نہیں پہنچتی۔ چنانچہ یہ اَمر اس بات پر دلیل ہے کہ انہوں نے نہ تو کسی شیخ قراءات کے سامنے بیٹھ کر علم حاصل کیا نہ کتب قراءات کی ورق گردانی کی۔ہم نے اختصار کی غرض سے چند کتب کا تذکرہ کیا ورنہ بیسیوں ایسی کتب ملتی ہیں جن میں اُستاد کا ذکر ہے اور ان ناقلین کی عدالت وثقاہت اور امامت پر امت کا مکمل اعتماد ہے۔لہٰذا یہ کہنا کہ قراءات بغیر سندوں کے یا کمزور اسناد کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں بالکل فضول بات ہے۔دُعا ہے کہ أحکم الحاکمین حق کو پرکھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاری رشید اَحمد تھانوی

مشکلات القراءات

اہل علم کے ہاں مشکل القرآن، مشکل الحدیث اور مشکل الاثار وغیرہ کے عنوان پر لکھی جانے والی کتب غیر معروف نہیں۔ ان کتب کے لکھنے کا پس منظر یہ ہے کہ قرآن وسنت چونکہ انسانوں کیلئے اللہ کی ابدی ہدایت پر مشتمل ہیں اوران کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات اعلیٰ صفات ہے چنانچہ ان کی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے خودفرمایا: ﴿ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾ [النسآء: ۸۲]

علم القراء ات کی نسبت بھی چونکہ قرآن کریم سے ہے یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے ہاں جس طرح قرآن کی کسی آیت کا تعارض دوسری آیت سے ممکن نہیں اسی طرح قراء اتِ متنوعہ متواترہ بھی باہم متعارض نہیں ہوتیں۔ مختلف قراء ات کا باہمی اختلاف تنوع کے قبیل سے تعلق رکھتا ہے جس سے معانی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

زیر نظر مضمون میں فاضل مقالہ نگار نے مشکل القراء ات یا بالفاظِ دیگر مختلف القراء ات کو موضوعِ بحث بنایا ہے اور بظاہر متعارض نظر آنے والی قراء ات کے حل کا طریقہ متعین کرتے ہوئے اس سلسلہ میں منکرین ومعترضین قراء ات کی طرف سے عمومی طور پر پیش کی جانے والی متعارض قراء ات کا بھی مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ [ادارہ]

اصول فقہ کی بحثوں میں شرعی دلیلوں کے درمیان تعارض کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں ایک دلیل کسی حکم کی متقاضی ہو، اور اسی مسئلہ کے بارے میں دوسری دلیل شرعی دوسرا حکم چاہتی ہو۔یعنی شرعی اَحکام میں تعارض سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں ایک شرعی دلیل جس حکم کی متقاضی ہو، کوئی دوسری شرعی دلیل اس کے خلاف دوسرے حکم کا تقاضا کرتی ہو۔ یا کسی حکم کے دلائل میں اس طرح عدم مطابقت ہونا کہ جوامر ایک دلیل سے ثابت ہو وہ دوسری دلیل سے ثابت نہ ہوتا ہو۔علماء نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

”التعارض أن يقتضي كل من الدليلين عدم ما يقتضيه الآخر“[أصول الفقه: ۳۵۸]

”تقابل الدليلين على سبيل الممانعة . “

[إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول: ۲/۲۵۸]

ان تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی اَحکام میں تعارض سے مراد یہ ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں ایک شرعی دلیل جس حکم کی متقاضی ہو، کوئی دوسری شرعی دلیل اس کے خلاف دوسرے حکم کا تقاضا کرتی ہو یا یوں کہیے کہ دلائل سے حاصل ہونے والے احکام کا ایک دوسرے کے خلاف اس طور پر ہونا کہ ایک پر عمل کرنے سے دوسرے کا چھوڑنا لازمی ہو۔ بعض معاصر علماء تعارض کی تعریف اِن الفاظ میں کرتے ہیں:

☆ اُستاذ القراءات، دار العلوم الاسلامیہ، کامران بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”والتعارض بين الدليلين الشرعيين معناه في اصطلاح الأصوليين: اقتضاء كلٍ واحد منهما في وقت واحد حكماً في الواقعة يخالف ما يقتضيه الدليل الآخر فيها مثلاً: قوله تعالى: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً﴾ [البقرة:٢٣٤]، هذا النص يقتضي بعمومه، أن كل من توفي عنها زوجها تنقضي عدتها بأربعة أشهر وعشرة أيام، سواء أكانت حاملاً أم غير حامل.

وقوله تعالى: ﴿وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق:٤]، هذا النص يقتضي بعمومه أن كل حامل تنقضي عدتها بوضع حملها، سواء كانت متوفى عنها زوجها أم مطلقة فمن توفي عنها زوجها وهي حامل، واقعة يقتضي النص الأول أن تنقضي عدتها بتربص أربعة أشهر و عشرة أيام، ويقتضي النص الثاني أن تنقضي عدتها بوضع حملها، فالنصان متعارضان في هذه الواقعة“ [أصول الفقه: ٤٠٨]

پہلی آیت بتلاتی ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہوجائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اس میں حاملہ وغیر حاملہ عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔لیکن دوسری آیت بتلاتی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اور وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔یعنی بچہ کی پیدائش ہوتے ہی اس کی عدت ختم ہوجائے گی۔

یہ تعارض دراَصل تعارض نہیں ہے کیوں کہ تعارض حقیقت میں تو محال ہے، لیکن مجتہدین کی رائے اور ان کی نظر کے اعتبار سے یہ محال نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایک مجتہد ظاہر میں یہ سمجھے کہ کسی مسئلہ میں ایک دلیل دوسرے کے مخالف ہے، اور اس کا یہ سمجھنا اس کی کم فہمی ، اِدراک کی کمزوری، اور مسئلہ کے تمام دلائل اور پہلوؤں سے ناواقفیت کے سبب سے ہو۔اس لئے یہ تعارض ظاہر میں ہوتا ہے، نہ کہ حقیقت میں۔ان معنی میں شرعی دلیلوں کے درمیان تعارض کا تصور فی الواقع کیا ہی نہیں جاسکتا۔کیونکہ شریعت میں دلیلیں اَحکام کو بتانے کے لئے قائم کی گئی ہیں۔اور اسی وجہ سے ان کے مقتضی پر عمل ممکن ہے، اور تکلیف کی شرط پوری ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ جب تک مکلّف عاقل بالغ ہو اس کے لئے شرعی احکام کا جاننا ممکن ہے۔اس صورت میں یہ بات محال ہے کہ دلائل ایک دوسرے کے مخالف ہوں، اور ان کا مقصود ہی مبہم اور غیر واضح ہوجائے۔ کیونکہ تعارض کا مطلب دلائل کا ایک دوسرے کے مخالف ہونا، ان سے جاہل رکھنا، مقصود مبہم رکھنا، شرط تکلیف کا فوت ہونا۔اسلامی شریعت میں یہ سب اُمور جائز نہیں ہوسکتے۔اللہ تعالیٰ جو شارع حکیم ہے اس کے لئے شریعت میں ایسے دلائل مقرر کرنا محال ہے۔[أصول الفقه الإسلامي: ١١٧٤/٢]

- امام سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اعلم بأن الحجج الشرعية من الكتاب والسنة لا يقع بينهما التعارض والتناقض وضعا لأن ذلك من أمارات العجز والله تعالى عن أن يوصف به وإنما يقع التعارض لجهلنا بالتاريخ فإنه يتعذر به علينا التمييز بين الناسخ والمنسوخ“ [أصول السرخسي: ١٢/٢]

”فرماتے ہیں کہ دلائل شرعیہ یعنی کتاب وسنت میں تعارض اور تناقض واقع نہیں ہوتا کیوں کہ یہ عاجزی کی علامات میں سے ہے اللہ تعالیٰ ان صفات سے منزہ اور پاک ہے۔اگر کہیں ایسا ہوتا ہے تو یہ ہماری کوتاہ فہمی یا ناسخ و منسوخ سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔“

- ملا جیون لکھتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”وقد يقع التعارض بين الحجج فيما بيننا لجهلنا بالناسخ والمنسوخ وإلا فلا تعارض في نفس الأمر لأن أحدهما يكون منسوخا والآخر ناسخا وكيف يقع التعارض في كلامه تعالىٰ لأن ذٰلك من إمارات العجز ، تعالى الله عن ذٰلك علوا كبيراً“

[نور الأنوار في شرح المنار: ۱۹۳]

’’اگرچہ حقیقی تعارض تو محال ہے لیکن ان دلائل کے بارے میں مجتہدین کے فہم وادراک میں تفاوت کی بناء پر ظاہری تعارض ممکن ہے جسے دور کرنے اور متعارض دلائل میں سے کسی ایک کی ترجیح کے لئے علمائے اصول نے کچھ اصول وضوابط وضع کئے ہیں۔ان قواعد میں سے ایک یہ ہے کہ مجتہد کو ناسخ ومنسوخ کا علم ہونا چاہئے اور الفاظ کی دلالت کی ترجیح کے طریقوں سے واقف ہونا چاہئے۔‘‘

تعارض رفع کرنے میں اَحناف اور شوافع کا طریقہ

ایک حنفی مجتہد تعارض رفع کرنے کے لئے بالترتیب مندرجہ ذیل مراحل طے کرتا ہے۔

① نسخ ② ترجیح ③ جمع اور تطبیق

④ دونوں دلائل سے صرف نظر اوران سے کم تر درجے کی دلیل سے اِستدلال

ایک شافعی مجتہد دفع تعارض کے لئے حسب ترتیب مندرجہ ذیل مراحل سے گزرتا ہے:

① جمع وتطبیق ② ترجیح ③ نسخ

④ دونوں دلائل سے صرف نظر اوران سے کم تر درجے کی دلیل سے اِستدلال

[أصول الفقه الإسلامي:۲/۱۱۷۶۔۱۱۸۴]

جمع اور تطبیق

اگر دومتعارض نصوص میں سے کسی کے بارے میں یہ معلوم کرنا مشکل ہو کہ کونسی نص ناسخ ہے، اور جو ترجیح کے طریقے ہم نے اُوپر ذکر کئے ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہ ہوتا ہو اور دونوں نصوص قوت میں یکساں ہوں، تو اس صورت میں مجتہد کو چاہئے کہ ان دونوں متعارض نصوص کے درمیان جمع ،تطبیق کے اصول کے ذریعے موافقت پیدا کرنے کی کوشش کرے اوراس طرح دونوں نصوص پر عمل کرے۔ اِس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

◉ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوٰلِدَيْنِ وَ الْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ [البقرہ:۱۸۰]

’’تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آجائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے دستور کے مطابق وصیّت کی جائے۔‘‘

◉ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَ إِنْ كَانَتْ وٰحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَ لِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وٰحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ أَبَوٰهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهٗٓ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ اٰبَآؤُكُمْ وَ أَبْنَآؤُكُمْ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَا تَدْرُوْنَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِّنَ اللهِ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴾ [النساء:١١]

''اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو اِرشاد فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دولڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔ اور اگر اولا دمیت صرف لڑکیاں ہی ہوں یعنی دو یا دو سے زیادہ تو کل ترکے میں ان کا دوتہائی ہے۔ اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کا نصف ہے۔ اور میت کے ماں باپ کا یعنی دونوں میں سے ہر ایک کا ترکے میں چھٹا حصہ ہے۔ بشرطیکہ میت کے اَولا د ہو اور اگر اَولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو ایک تہائی ماں کا حصہ ہے۔ اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہوگا اور یہ تقسیم ترکہ میت کی وصیت کی تعمیل کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض کے اَدا ہونے کے بعد جو اس کے ذمہ ہو عمل میں آئے گی تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدے کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے یہ حصے اللہ کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔''

◉ خلاف کہتے ہیں:

''قوله تعالى في سورة البقرة: ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ [البقرة:١٨٠]. وقوله تعالى: ﴿ يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ﴾ [النساء :١١]، على آخر آية المواريث. الآية الأولى توجب على المورث إذا قارب الموت أن يوصى من تركته لوالديه وأقاربه بالمعروف، والآية الثانية توجب لكل واحد من الوالدين والأولاد والأقربين حقاً من التركة بوصية الله لا بوصية المورث فهما متعارضان ظاهراً ويمكن التوفيق بينهما بأن يراد في آية سورة البقرة الوالدان والأقربون الذين منع من إرثهم مانع كاختلاف الدين. '' [علم أصول الفقه:٢٣٠۔٢٣١]

پہلی آیت یہ بتلاتی ہے کہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے معروف طریقہ سے وصیت کرنا واجب ہے۔ دوسری آیت یہ بتلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین، اَولاد اور قریبی رشتہ داروں کے لئے میراث میں سے حصے مقرر فرمادیئے ہیں، اور مورث کے صوابدید پر نہیں چھوڑا۔ اس لئے یہ دونوں آیتیں متعارض ہیں۔ لیکن ان دونوں کے درمیان مطابقت اور موافقت پیدا کی جاسکتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلی آیت کو اس حکم پر محمول کیا جائے کہ والدین اور رشتہ دار کسی مانع کے سبب میراث میں سے حصہ نہ پاسکیں، مثلاً کسی کے والدین یا بعض رشتہ دار مسلمان نہ ہوں تو ان کے حق میں وصیت کرنا واجب ہے۔ اور دوسری آیت کو اس حکم پر محمول کیا جائے کہ اس آیت میں جن ورثاء کے حصے مقرر ہیں ان کو اس طرح دیدیئے جائیں۔

دوسری مثال ملاحظہ ہو:

''قوله تعالى: ﴿ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً ﴾ [البقرة:٢٣٤]

وقوله تعالى: ﴿ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ [الطلاق:٤]

ويمكن التوفيق بينهما بأن الحامل المتوفى عنها زوجها تعتد بأبعد الأجلين، فإن وضعت حملها قبل أربعة أشهر وعشرة أيام من تاريخ الوفاة، تربصت حتى تتم أربعة أشهر وعشرة أيام، وإن أمضت أربعة أشهر وعشرة أيام قبل أن تضع حملها تربصت حتى تضع حملها. ''

[أيضاً ص: ٢٣١]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ دونوں مثالیں ڈاکٹر عبدالکریم الزیدان نے بھی نقل کی ہیں۔[الوجیز فی أصول الفقه ۳۹۶،۳۹۷]

◉ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْراً ﴾[البقرہ:۲۳۴]

◉ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ [الطلاق:۴]

کچھ فقہاء کی رائے یہ ہے کہ دوسری آیت نے پہلی آیت کو ایسی حاملہ عورت کی نسبت، جس کے خاوند کا انتقال ہوگیا ہو، منسوخ نہیں کیا۔ اس لئے ان فقہاء نے ان دونوں آیتوں کے درمیان تطبیق پیدا کی ہے۔ تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جس عورت کے خاوند کا انتقال ہوگیا ہو اور وہ حاملہ ہو تو وہ وضع حمل اور چار ماہ دس دن میں جو مدت زیادہ ہو اس عرصہ تک عدت گزارے۔ اگر یہ مدت گزر جائے اور اس کے ہاں بچہ پیدا نہ ہو تو وضع حمل تک عدت گزارے۔

جمع وتوفیق کے قاعدہ میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ دونصوص میں سے ایک نص عام ہو اور دوسری خاص یا ایک مطلق ہو اور دوسری مقید، تو خاص سے عام کی تخصیص کریں گے۔ اور جو خاص جس چیز کے بارے میں وارد ہوئی ہے اس پر اسی حد تک عمل کریں گے، اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں میں عام پر عمل کریں گے۔ اسی طرح مطلق کو مقید پر محمول کریں گے یا مقید پر اپنے موقع پر عمل کریں گے۔[الوجیز في أصول الفقه: ۳۹۷]

”ومن طرق الجمع والتوفيق: اعتبار أحد النصين مخصصاً لعموم الآخر، أو مقيداً لإطلاقه، فيعمل بالخاص في موضعه وبالعام فيما عداه، ويعمل بالمقيد في موضعه وبالمطلق فيما عداه .“ [علم أصول الفقه: ۲۳۱]

توفیق کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ دونصوص میں سے ایک کی اس طرح تاویل کی جائے کہ وہ دوسری کی معارض نہ ہو۔ جیسے متاخرین علماء نے صفات سے متعلق بعض آیات کی تاویل کی ہے۔

فأما المخلص بطريق الحال فبيانه في قوله تعالى: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ﴾ بالتخفيف في إحدى القراءتين وبالتشديد في الأخرى، فبينهما تعارض في الظاهر لأن حتى للغاية وبين امتداد الشيء إلى غاية وبين قصوره دونها منافاة، والإطّهار: هو الاغتسال، والطهر يكون بانقطاع الدم فبين امتداد حرمة القربان إلى الاغتسال وبين ثبوت حل القربان عند انقطاع الدم منافاة ولكن باعتبار الحال ينتفى هذا التعارض وهو أن بالتخفيف على حال ما إذا كان أيامها عشرة لأن الطهر بالانقطاع إنما يتيقن به في تلك الحالة فإن الحيض لا يكون أكثر من عشرة أيام فأما فيما دون العشرة لا يثبت الطهر بالانقطاع بيقين لتوهم أن يعاودها الدم ويكون ذلك حيضا فتمتد حرمة القربان إلى الإطّهار بالاغتسال .

وكذلك قوله تعالى: ﴿ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾ فالتعارض يقع في الظاهر تحمل القراءة بالتشديد على حال ما إذا كان أيامها دون العشرة والقراءة بين القراءة بالنصب الذي يجعل الرجل عطفا على المغسول، والقراءة بالخفض الذي يجعل الرجل عطفا على الممسوح (ثم) تنتفي هذه المعارضة بأن تحمل القراءة بالخفض على حال ما إذا كان لابسا للخف بطريق أن الجلد الذي استتر به الرجل يجعل قائما مقام بشرة الرجل فإنما ذكر الرجل عبارة

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عنه بهذا الطريق والقراءة بالنصب على حال ظهور القدم فإن الفرض في هذه الحالة غسل الرجلين عينا . [أصول السرخسي:۲/۲۰]

﴿ وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴾[البقرة:۲۲۲]

''وہ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں،آپ کہہ دیجئے کہ وہ تکلیف ہے،لہٰذا حیض کے دوران تم عورتوں سے دور رہو،اور جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں/غسل نہ کرلیں،ان کے قریب نہ جاؤ۔پھر جب وہ بالکل پاک ہوجائیں تو ان کے پاس اس طرح آؤ جس طرح اللہ نے تمہیں حکم دیاہے،بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو محبوب رکھتاہے۔''

آیت کا معنی ومفہوم

اس آیت میں حیض کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔یعنی دورانِ حیض بیوی سے صحبت جائز نہیں ہے۔البتہ جماع کے علاوہ ساتھ رہنا،کھانا،پینا وغیرہ جائز ہیں۔نیز یہ بھی بیان ہے کہ حائضہ عورت حیض سے کب پاک شمار ہوگی۔

اِختلاف قراءات

اس آیت میں کلمہ یطھرن میں دو قراءتیں ہیں:

۱ يَطَّهَّرْنَ شعبہ،حمزہ،کسائی،خلف۔

۲ يَطْهُرْنَ باقی سب قراء۔[مصحف القراءات العشر ، سورۃالبقرۃ:۲۲۲]

معنی قراءات

دونوں قراءتوں کا معنی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

- اِمام جصاص حنفی رحمہ اللہ (م ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

"فنقول إنّ قوله: ﴿ يَطْهُرْنَ ﴾ إذا قُرِئَ بالتّخفيف فهو مستعملٌ على حقيقتِهِ فيمن كانت أيامها عشرا . فيجوز للزوج استباحة وطئها بمضي العشر . وقوله ﴿ يَطَّهَّرْنَ ﴾ بالتشديد وقوله: ﴿ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ ﴾ مستعملا نِ في الغُسل إذا كا نت أيامها دون العشر .

[الجصاص ، أحكام القرآن: ۱/۳۵۰]

''پس ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول 'یَطْھُرْنَ' جب مخفف پڑھا جائے تو وہ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے۔اس عورت کے حق میں جس کا خون دس دن پر بند ہوا ہو اس کے شوہر کے لئے دس دن گزرنے پر اس کے قریب جانا جائز ہوگا۔یعنی عورت کیلئے جماع سے پہلے غسل ضروری نہ ہوگا۔اور اللہ تعالیٰ کا قول 'یطَّھَّرن'تشدید کے ساتھ اور اسی طرح 'فاذا تطھَّرن' غسل کے معنی میں استعمال ہوں گے،جب اس عورت کا خون دس دن سے کم پر بند ہوا ہو۔''

مسئلہ کی دو صورتیں

پہلی صورت میں یہ عورت حیض سے پاک ہوگئی ہے،اور اس کا حکم اب حالت جنابت والا ہے۔یعنی وہ نماز کیلئے تو غسل کرے گی لیکن صحبت کیلئے غسل ضروری نہیں۔لیکن اگر دس دن سے کم پر خون بند ہوا ہو تو اس عورت کو صحبت سے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قبل غسل کرنا ضروری ہوگا۔اس میں دراصل امام جصاص رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ دونوں قراءتوں کو اپنے معنی حقیقی پر استعمال کیا جاسکتا ہے لہٰذا معنی حقیقی ہی مراد لیا جائے گا۔

چنانچہ آگے لکھتے ہیں:

”ولا یکو ن فیه استعمال واحد من الفعلین علی المجاز، بل هما مستملا ن علی الحقیقة في الحا لین“ [أیضا]

”اوراس میں دونوں فعلوں میں سے کسی ایک کا بھی مجازی معنی مرادنہیں ہوگا، بلکہ یہ دونوں اپنے حقیقی معنی میں دومختلف حالتوں میں استعمال ہوں گے۔“

تطبیق کا اصول اورطریقہ

دومتعارض دلیلوں کودوحالتوں پرمحمول کرنا تطبیق کاایک طریقہ ہے،چنانچہ اصول السرخسی میں ہے:

”فأما المخلص بطریق الحال، فبیانه في قوله تعالیٰ:﴿ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾بالتخفیف في إحدی القراءتین وبالتشدید في الأ خری، فبینهما تعارضٌ في الظاهر، لأن حتّٰی للغایة وبین امتداد الشيء إلی غایةٍ وبین قصورهِ دونَها منافاة...... ولکن باعتبار الحال ینتفي هٰذا التعارض.“ [أصول السرخسي: ۱۳/۲۔۱۹، نیز أصول الشاشي:۵۰]

یعنی طریق حال کے ذریعہ سے تعارض کودورکیاجاسکتا ہے۔اس اصول کے پیش نظر اَحناف کا مذہب بالکل واضح ہے۔

چنانچہ ھدایہ میں ہے:

”اگرخون دس دن کے بعد منقطع ہوتو غسل سے پہلے بھی مباشرت جائز ہے، کیونکہ حیض دس دن سے زیادہ نہیں ہوا کرتا۔البتہ غسل سے پہلے مباشرت کرنامستحب اور مستحسن امرنہیں۔کیونکہ قراءۃ تشدید کے مطابق ممانعت موجود ہے۔﴿وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتّٰى يَطَّهَّرن﴾ جب تک کہ خوب پاک نہ ہوجائے، نظافت وپاکیزگی کا کمال غسل ہی ہے۔“

[الهدایة للمرغیناني: ۵۰/۱،۵۱]

- مولانا ظفراَحمدعثمانی لکھتے ہیں:

”جمع الحنفیة بین القراءتین، وجعلهما کالآیتین...... ولما رأی سادتنا الحنفیة أن هٰهنا قراءتین...... واحتاجوا للجمع بجعل کل واحد منهما آیةً مستقلةً، فحملوا الأولیٰ علی الانقطاع بأکثر المدة، والثانیة لتمام العادة التي لیست أکثر مدة الحیض.“

[أحکا م القرآن: ۴۱۴/۱]

”حنفیہ نے دوقراءتوں کوجمع کیا ہے اوران کودوآیتوں کی طرح شمار کیا ہے۔اورجب ہمارے حنفی ائمہ نے دیکھا کہ اس مقام پردوقراءتیں ہیں...اوروہ محتاج ہوئے اس بات کی طرف کہ دونوں قراءتوں کو مستقل آیت بنا کر جمع کیا جائے،تو انہوں نے پہلی قراءت کواکثر مدت پرخون کے بند ہونے پرمحمول کیا،اوردوسری قراءت کواس عادت کے اِنقطاع پر محمول کیا جواکثر مدت سے کم ہو۔“

لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں عورت کا جماع سے پہلے غسل کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ کتاب الأم میں ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”وأبان عزوجل أنها حائض وأمرَ أن لا تقرب حائضٌ حتّی تَطهَّرَ ولا إذا طَهُرَتْ حتّی تتطهَّرَ بالماء“ [کتاب الأم للشافعي: ۵۹/۱]

”اور اللہ تعالی نے واضح کردیا ہے کہ وہ عورت حائضہ ہے، اور یہ حکم دیا ہے کہ حائضہ سے جماع نہ کیا جائے، یہاں تک کہ وہ بالکل پاک نہ ہوجائے، نہ کہ اس وقت کہ جب اس کا صرف خون بند ہوجائے، یہاں تک کہ وہ غسل نہ کرلے۔“

نتیجہ قراءت یہ ہے کہ اس مقام پر دو قراءتوں کی بنا پر فقہی اختلاف پیدا ہوا ہے۔ احناف نے ان کو دو مختلف صورتوں پر محمول کیا ہے، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے دونوں قراءتوں کو ایک ہی معنی پر محمول کیا ہے۔

③ وضوء میں پیر دھونے یا مسح کا مسئلہ

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَ اَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ﴾ [المائدہ: ۶]

”اے ایمان والو! جب تم نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پیروں کو دھولو۔“

اِختلاف قراءات

اس آیت میں کلمہ وأرجلکم میں دو قراءتیں ہیں:

❶ وَأَرْجُلَکُمْ 'نصب کے ساتھ' نافع۔ ابن عامر، کسائی، یعقوب، حفص۔

❷ وَأَرْجُلِکُمْ 'جر کے ساتھ' ابن کثیر، ابوعمر، شعبہ، حمزہ، ابوجعفر، خلف [النشر لابن الجزري: ۲۵۴/۲]

معنی قراءات

نصب والی قراءت پر اس آیت کا معنی بالکل واضح ہے۔ جر والی قراءت میں یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں أرجلِکم کا عطف کلمہ قرآنی برئوسکم پر ہو تو پیروں کا مسح مراد ہونا چاہیے۔ ائمہ اربعہ سمیت جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ جر والی قراءت سے بھی پیروں کا دھونا ہی مراد ہے، مسح مراد نہیں ہے۔

[کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة للجزیری: ۸۵/۱۔۱۰۳]

تاہم امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ملتا ہے کہ جر والی قراءت سے مسح علی الخفین مراد ہے۔

[تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر: ۲۴/۲۔۲۹]

صرف اہل تشیع نے جر والی قراءت سے پیروں کا مسح ثابت کیا ہے۔

چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

”ومن أوجب من الشیعة مسحهما کما یمسح الخفّ فقد ضل وأضل، وکذا من جوّز مسحهما وجوّز غسلهما فقد أخطأ.“ [ابن کثیر: ۲۶/۲]

”اور شیعوں میں سے جنہوں نے پیروں کا مسح واجب کیا ہے، جیسے موزے پر مسح کیا جاتا ہے تو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اور اسی طرح جنہوں نے مسح اور غسل دونوں کو جائز رکھا انہوں نے بھی غلطی کی ہے۔“

البتہ اگر پیروں پر موزے پہنے ہوئے ہوں تو جر والی قراءت سے مسح علی الخفین مراد ہوسکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

◉ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”هي محمولة على مسح القدمين إذا كان عليهما الخفان قاله أبوعبد الله الشافعي.“ [ابن کثیر، حوالہ مذکور]

”اور بعض لوگوں نے اس کو مسح علی القدمین پر محمول بتایا ہے بشرطیکہ پیروں پر موزے پہنے ہوئے ہوں، یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔“

◉ اِمام شافعی رحمہ اللہ (م۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

”ونحن نقرؤها وأرجلَكم على معنى: فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ“

[كتاب الأم للشافعي: ۱/ ۲۷، نیز أحكام القرآن للشافعي: ۱/۴۴]

”ہم اس کو نصب کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس معنی میں کہ تم اپنے چہروں، ہاتھوں، اور پیروں کو دھوؤ، اور سروں کا مسح کرو۔“

آگے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فاحتمل أمر الله تبارك وتعالىٰ بغسل القدمين: أن يكون على كل متوضئ، واحتمل أن يكون على بعض المتوضئين دون بعض. فدل مسح رسول الله ﷺ على الخفّين أنها على من الأخفين عليه إذا هو لبسهما على كمال طهارة.“ [الشافعی، حوالہ مذکور: ۱/۵۰]

اِمام شافعی رحمہ اللہ نصب والی قراء ت کی صورت میں مسح علی الخفين کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کا پیروں کو دھونے کا حکم دو احتمال رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ یہ حکم ہر وضو کرنے والے کیلئے ہو، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ بعض وضو کرنے والوں کے لئے غسل کا حکم ہو اور بعض کیلئے نہ ہو، پس رسول اللہ ﷺ کے خفین پر مسح کرنے سے یہ ثابت ہو گیا کہ مسح والا حکم اس آدمی کیلئے ہے، جس نے موزے پہن رکھے ہوں، بشرطیکہ ان کو کمال طہارت پر پہنا گیا ہو۔“

گویا امام شافعی رحمہ اللہ اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ اس آیت میں نصب والی قراء ت میں پیروں کو دھونے کا حکم ہے، لیکن یہ حکم تمام وضو کرنے والوں کیلئے نہیں ہے لہٰذا مسح على الخفين کتاب اللہ کے خلاف نہیں ہے۔

اِمام نسفی رحمہ اللہ (م۷۱۰ھ) نے جر والی قراء ت کی ایک توجیہ یہ بھی کی ہے کہ پیروں کو دھوتے وقت پانی کا اسراف عام طور پر ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اس کو ممسوح پر معطوف کیا گیا اس بات پر تنبیہ کرنے کیلئے کہ پیروں کو دھونے میں میانہ روی سے کام لیا جائے، اِسراف نہ کیا جائے۔ [مدارك التنزيل للنسفي: ۱/۴۳۰]

◉ مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ (م۱۴۲۱ھ) اَحکام القرآن میں لکھتے ہیں:

”فالدليل على أن المراد الغَسل دون المسح اتفاق الجميع على أنه إذا غسل فقد أدّى فرضَهٗ.“ [أحكام القرآن: ۱/۳۷۶]

”غسل مراد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص پیروں کو دھو لے اس کا فرض اَدا ہو جائے گا۔“

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں قراءتوں میں تطبیق کا طریقہ

◉ امام جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" يجب استعمالهما على أعمهما حكماً وأكثرهما فائدة وهو الغَسل." [أحكام القرآن للجصاص: ۳۴۶/۲]

"یہ ضروری ہے کہ ان دونوں قراءتوں کو ایسے معنی پر محمول کیا جائے جو حکم کے اعتبار سے زیادہ عام ہو، اور اس میں فائدہ زیادہ ہو، اور وہ پیروں کا دھونا ہی ہے"۔

اسی طرح فتح الباری شرح بخاری میں ہے:

"بين القراءتين تعارض ظا هر والحكم فيما ظا هرهُ تعارضٌ أنّه إن أمكن العمل بهما وجب، وإلا عُمِل بالقدر الممكن، ولا يتأتّى الجمع بين الغَسل والمسح في عضو واحدٍ في حالة واحدةٍ؛ لأنه يؤدّى إلى تكرار المسح لأن الغَسل يتضمّن المسح. والأمر المطلق لا يقتضي التّكرار، فبقي أن يعمل بهما في حالتين توفيقا بين القراءتين وعملا بالقدر الممكن." [فتح الباري لابن حجر: ۳۵۶/۱]

"دونوں قراءتوں میں ظاہری تعارض ہے، اور ظاہری تعارض والی چیز کا حکم یہ ہے کہ اگر دونوں پر عمل ممکن ہو تو یہ ہی واجب ہوگا، ورنہ بقدر امکان دونوں پر عمل کیا جائے گا۔ اور یہاں ایک عضو میں 'غسل' اور 'مسح' کو ایک ہی حالت میں جمع نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس سے مسح کا تکرار لازم آتا ہے اس لئے کہ 'غسل' 'مسح' کو بھی شامل ہوتا ہے، جبکہ امر مطلق تکرار کا تقاضا نہیں کرتا؛ لہٰذا یہ ہی صورت باقی رہی کہ دونوں قراءتوں پر دو (مختلف) حالتوں میں عمل کیا جائے تا کہ دونوں قراءتوں میں موافقت ہو اور بقدر امکان عمل بھی ہو جائے۔"

◉ اصول الشاشی میں ہے:

"ومنها أن النص إذا قرئ بقراءتين أو رُوِيَ بروايتين، كان العملُ به على وجه يكون عملًا بالوجهين. أولى، مثاله: في قوله تعالىٰ: ﴿ وَأَرْجُلَكُمْ ﴾ قرئ بالنصب عطفا على المغسول، وبالخفض عطفا على الممسوح. فحملت قراءة الخفض على حالة التخفّف، وقراءة النّصب على حالة عدم التخفّف. وباعتبار هذا المعنى قال البعض: جواز المسح ثبت بالكتاب." [أصول الشاشي: ۵۰]

یعنی نصوص کی مراد معلوم کرنے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی آیت دو قراءتوں سے پڑھی جائے یا کسی حدیث میں دو روایتیں ہوں، تو اگر اس طرح عمل کیا جائے کہ دونوں وجہ کے مطابق عمل ہو سکے تو یہ بہتر ہے۔ مثلا: قرآن شریف میں وامسحوا برء و سكم وأرجلكم دو طرح پڑھا گیا ہے۔ وارجلکم کو لام کے زیر سے پڑھا جائے تو مغسول پر عطف ہوگا اور لام کی زبر کے ساتھ پڑھا جائے تو ممسوح پر عطف ہوگا۔ پس حمل کیا قراءت کسرہ کو موزہ پہننے کی صورت پر اور قراءۃ نصب کو جب کہ پاؤں میں موزہ نہ ہو اس پر۔ اسی بناء پر بعض مشائخ نے کہا ہے کہ موزہ پر مسح کرنا قرآن شریف سے ثابت ہے۔

نتیجہ قراءت

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک دونوں قراءتوں سے پیروں کو دھونے کا حکم ثابت ہوتا ہے اور جر والی قراءت

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی اکثر مفسرین نے یہ توجیہ کی ہے کہ اس میں جر جوار یعنی پڑوس اور قرب کی وجہ سے ہے۔
[مدارك التنزيل للنسفى: ۱/۴۳۰]

④ عورت کو چھونے سے وضوء ٹوٹنے کا مسئلہ

﴿ وَ إِنْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَآئِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَ أَيْدِيكُمْ ﴾ [النسآء:۴۳]

’’اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں، یا تم میں سے کوئی شخص جائے ضرورت سے آیا ہے، یا تم عورتوں کے پاس گئے پھر تمہیں پانی نہ ملے، تو پاک زمین کا ارادہ کرو پھر اپنے چہرے اور ہاتھوں کو ملو۔‘‘

اختلاف قراءات

اس آیت میں کلمہ لمستم میں دو قراءتیں ہیں:

❶ لَمَسْتُمْ امام نافع ابن کثیر مکی۔ ابوعمرو بصری ابن عامر شامی، امام عاصم۔

❷ لَمَسْتُمْ امام حمزہ، کسائی اور امام خلف۔ [النشر لابن الجزری: ۲/۲۵۰]

ایک قراءت مجرد سے ہے اور ایک قراءت باب مفاعلہ سے ہے، جو کہ جانبین سے ہوتا ہے۔

توجیہ قراءات

◉ امام ابن خالویہ رحمہ اللہ (م ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

”فالحجة لمن أثبتها (أي الألف) أنه جعل الفعل للرجل والمرأة، ودليله: أن فعل الاثنين لم يأت عن فصحاء العرب إلا ’بفَاعَلتُ‘ وبالمفاعلة. وأوضح الأدلة على ذلك قولهم: جامعتُ المرأةَ، ولم يُسمع منهم جَمَعتُ. والحجةُ لن طرحَها: أنه جعلها فعلا للرّجل دون المرأة. ودليله قولة تعالىٰ: ﴿ إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَٰتِ ﴾ [الأحزاب: ۴۹] ولم يقل: ناكحتم“ [الحجة لابن خالويه: ۶۲]

’’جنہوں نے اس کو اثبات الف سے پڑھا ہے۔ ان کے نزدیک یہ مرد و عورت کا فعل ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فصیح عربوں کے ہاں دو افراد کا فعل باب مفاعلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس پر واضح ترین دلیل عربوں کا قول ’جامعت المرأة‘ ہے۔ اس صورت میں جَمعتُ کسی سے نہیں سنا گیا۔ اور جن لوگوں نے الف کو حذف کر کے پڑھا ہے، ان کے نزدیک یہ صرف مرد کا فعل ہے، عورت صدورِ فعل میں شامل نہیں۔ اور اسکی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول: ’إذا نكحتم المؤمنات‘ [الأحزاب :۴۹] ہے۔ اس آیت میں بھی فعل کی نسبت صرف مرد کی طرف کی گئی ہے، اور باب مفاعلہ سے تعبیر نہیں کیا گیا۔

لَمس کا مرادی معنیٰ

اس آیت میں کلمہ لامستم کے مرادی معنی میں علماء کا اختلاف ہوا ہے۔ لہٰذا عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اَحناف کا مذہب یہ ہے کہ عورت کو چھونے سے بالکل وضوء نہیں ٹوٹتا۔ جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ کہ عورت کو چھونے سے ہر حال میں وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب قریب قریب

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور وہ یہ کہ اگر شہوت کے ساتھ عورت کو چھوا جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا، اور اگر بغیر شہوت کے چھوا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔[أحکام القرآن: ۲/۲۷۲، کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة: ۱/۱۳۳، ۱۳۸]

چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے:

''لگنے اور چھونے سے بطور کنایہ جماع مراد ہے ...اس صورت میں جنابت بمعنی اِنزال ہوگا بمعنی جماع نہ ہوگا۔ ورنہ عطف صحیح نہیں ہوگا۔ اِمام اعظم کے مسلک پر آیت کا توضیحی مطلب اس طرح ہوگا کہ اگر تم جنبی ہو یا تم کو اِنزال ہوگیا ہو، بیماری کی حالت ہو یا سفر کی یا بول و براز وغیرہ سے تمہارا وضو ٹوٹ گیا ہو، یا بغیر اِنزال کے تم نے جماع کیا ہو تو تیمم کرسکتے ہو۔'' [تفسیر مظهری: ۳/۱۰۰]

اِسی طرح کتاب الأم للشافعي میں ہے:

”وإذا أفضیٰ الرجل بیده إلی امرأته أو ببعض جسده إلی بعض جسدها لا حائلَ بینه وبینها، بشهوة أو بغیر شهوة وجب علیه الوضوء ووجب علیها، وکذلك إن لمسته هي وجب علیه وعلیها الوضوء“ [کتاب الأم للشافعی: ۱/۱۵، ۱۶]

''اور جب کوئی آدمی اپنا ہاتھ اپنی بیوی کو لگادے یا اپنے جسم کو اس کے جسم سے ایسے لگائے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو، شہوت کے ساتھ یا بغیر شہوت کے، تو دونوں پر وضو واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر عورت مرد کو چھوئے تو بھی دونوں پر وضو واجب ہوگیا۔''

معنی قراءات

- مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (م ۱۳۹۴ھ) لکھتے ہیں:

”وأما قوله تعالیٰ: ﴿أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ فأرجح التفسیرین له هو الجماع وهو مروي عن حبر الأمة بحر الملة سیدنا عبدالله ابن عباس.“ [أعلاء السنن لظفر أحمد عثمانی: ۱/۱۱۰]

اِس کی دلیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت کا تذکرہ کیا گیا ہے جس میں وہ فرماتی ہیں:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سویا کرتی تھیں اور میرے پاؤں قبلے کی طرف ہوتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے، تو مجھے دبا دیتے تو میں اپنی ٹانگیں کھینچ لیتی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو میں ان کو دوبارہ پھیلا لیتی۔'' [الجامع الصحیح للبخاري: ۱/۵۶]

گویا لمس سے مراد اگر ہاتھ سے چھونا ہوتا تو پھر تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ وضو فرماتے۔

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ قول منقول ہے:

”الملامسة ما دون الجماع بأن مسّ الرجل جسد امرأته بشهوة ففیه الوضوء.“

[أحکام القرآن للقرطبي: ۵/۲۲۴]

اس کے بارے میں مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وقد اُختلف في الاحتجاج به.“ [ظفر أحمد عثماني: حواله مذکور]

''اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے''۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز ایک روایت میں آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہ کرتے۔''[أیضاً: ۱/۱۰۹، نیز آثار السنن لمحمد بن علی النیموی: ۴۶]

اِس مذکورہ آیت کے کلمہ لٰمستم میں فقہاء احناف کے نزدیک دونوں قراء توں سے جماع ہی مراد ہے۔ لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ دوقراء تیں دو آیتوں کی طرح ہوتی ہیں۔اور یہاں ان دونوں قراء توں کا معنی بھی مختلف ہے، لہٰذا ان دونوں معانی میں تطبیق ہونی چاہیئے۔

- امام جصاص رحمہ اللہ (م ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں۔

"إن حمله علی الجماع یُفید معنیین: أحدهما إباحة التیمم للجنب في حال عوز الماء، والآخر أنّ إلتقاء الختانین دون الإنزال یوجب الغسل. فکانَ حملُه علی الجماع أولیٰ من الاقتصار به علی فائدة واحدةٍ وهو کون اللمس حدثا." [أحکام القرآن للجصاص: ۲/۳۷۲،۳۷۳]

''اس لفظ کو جماع کے معنی پر محمول کرنا دو معانی کا فائدہ دیتا ہے:

① جنبی کیلئے تیمّم کا جواز پانی نہ ملنے کی صورت میں۔

② اگر التقاء ختانین اِنزال کے بغیر ہو جائے تو اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اس کو جماع پر محمول کرنا ایک فائدے پر (جو کہ لمس عورت کا ناقض وضوء ہونا ہے) اکتفا کرنے سے بہتر ہے۔''

آگے امام جصاص رحمہ اللہ نے دونوں قراء توں کا معنی اس طرح بیان کیا ہے کہ جو قراء ت مفاعلہ سے ہے اس کا حقیقی معنی تو جماع ہی بنتا ہے۔البتہ مجرد والی قراء ت دو معانی کا احتمال رکھتی ہے:

الف: لمس بالید (ہاتھ سے چھونا) **ب:** جماع (ہم بستری کرنا)

لہٰذا اس قراء ت کو بھی مفاعلہ والی قراء ت کے معنی پر محمول کیا جائے گا۔اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ان دونوں قراء توں کو دو آیتوں کے طور پر دو الگ الگ معنی پر محمول کرنا چاہیے۔یعنی ایک قراء ت سے جماع کا ناقض وضوء ہونا ثابت ہو جائے، اور دوسری قراء ت سے لمس بالید کا ناقض وضوء ہونا ثابت ہو جائے۔اس کا جواب امام جصاص یوں دیتے ہیں:

''فقہاء کو یہ معلوم تھا کہ یہاں دو متواتر قراء تیں ہیں اس کے باوجود کسی نے بھی اس مقام پر اس کا اعتبار نہیں کیا۔ بلکہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ قراء ت کوئی بھی ہو دو معانی میں سے ایک ہی مراد ہے۔''[الجصاص: حواله مذکور]

کیونکہ تفسیر کا اصول ہے کہ متشابہ کو محکم کے اوپر محمول کیا جاتا ہے۔[أیضا]

نتیجہ قراءات

اس مقام پر دو قراء تیں ایک ہی معنی پر محمول ہونگی۔اور باب مفاعلہ والی قراء ت کا معنی چونکہ متعین ہے اور مجرد والی قراء ت کا معنی محتمل ہے۔لہٰذا باب مفاعلہ والی قراء ت پر ہی حکم کا مدار ہوگا۔

⑥ مسجد حرام میں قتل وقتال کا مسئلہ

﴿ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴾

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

[البقرة:۱۹۱]

’’اورتم مسجد حرام میں مشرکین سے قتال نہ کرو(یعنی حرم کے پاس) جب تک کہ وہ تم سے نہ لڑیں اس جگہ،پس اگر وہ لڑیں تو تم ان کو قتل کرو، یہ ہی نافرمانوں کی سزا ہے۔‘‘

اِختلاف قراءات

اس آیت میں صیغہ قتال چار دفعہ استعمال ہوا ہے جن میں سے پہلے تین میں دو دو قراءتیں ہیں:

❶ باب مفاعلہ سے حمزہ، کسائی، خلف کے علاوہ سب قراء

❷ باب نصر مجرد سے حمزہ، کسائی، خلف۔[النشر لابن الجزری:۲/۲۲۷]

معنی قراءات

صیغہ مجرد والی قراءت کے بارے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (م۱۲۲۵ھ) لکھتے ہیں:

اس تقدیر پر یہ الفاظ قتل سے ہونگے مقاتلہ سے نہ ہونگے اور معنی یہ ہونگے کہ مت قتل کرو بعض کفار کو جب تک وہ قتل کریں تم میں سے بعض کو۔ باقی قراء نے اول کے تین مقامات میں الف سے پڑھا ہے اور آخر میں الف کے بغیر پڑھا ہے۔بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا کہ بلد حرام میں قتال کی ابتداء کرنا حلال نہ تھی پھر اس آیت سے یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے:

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ [البقرة:۱۹۳]

’’اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد‘‘۔

آگے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک حق یہ ہے کہ اس آیت کا حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہے۔قتال کی ابتداء کرنا حرم میں اب بھی ویسے ہی حرام ہے۔[تفسیر مظھری: ۱/۳۶۴]

اس قول کی تائید یہ حدیث کرتی ہے:

’’رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز فرمایا کہ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش کے دن با حرمت کیا ہے۔ اس لئے قیامت تک اللہ کا حرام کردہ حرام رہے گا۔مجھ سے پہلے کسی کو اس میں قتل و قتال کی اجازت نہیں ہوئی اور میرے واسطے بھی دن کی ایک ساعت کے لئے صرف حلال ہوا ہے اس کے بعد بدستور قیامت تک حرام ہے یہاں کی گھاس، کانٹا وغیرہ نہ کاٹا جائے، نہ یہاں کا شکار بھگایا جائے۔‘‘[صحیح البخاری: ۱/۲۴۷]

◉ امام قرطبی رحمہ اللہ (م۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

”فإن قُرِئ ولا تَقْتُلوهم فالمسألة نصٌّ ، وإن قُرِئ ولا تقاتلوهم فهو تنبيه؛ لأنه إذا نُهِيَ عن القتال الّذي هو سبب القتل كان دليلا بيّناً ظاهراً على النهي عن القتل .

[أحكام القرآن للقرطبی: ۲/۳۵۲]

یعنی اگر اس صیغہ کو مجرد سے پڑھا جائے تو پھر معنی بالکل واضح ہے۔اور یہ معنی مندجہ ذیل آیت کے بالکل موافق ہے:﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾[آل عمران:۹۷]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اوراگر اس صیغے کومفاعلہ سے پڑھا جائے تو پھر بقول امام قرطبی رحمہ اللہ یہ آیت اس بات کے اوپر تنبیہ ہے کہ مسجد حرام میں قتال ممنوع ہے، جو کہ قتل کا سبب بنتا ہے،تو قتل بطریق اَولی ممنوع ہوگا۔چنانچہ اس بارے میں تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسجد حرام میں قتال ممنوع ہے لیکن اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ مسجد حرام میں حدود اور قصاص کی بنا پر قتل کرنا جائز ہے یا نہیں۔امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد حرام میں قصاص لینا جائز ہے اور حد کے طور پر قتل کرنا بھی جائز ہے۔لیکن امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ حرم میں حدود نافذ کرنا جائز نہیں ہے۔اوران کا یہ مذہب مذکورہ آیت میں مجرد والی قراءت کے بالکل موافق ہے۔

[فتح القدير للشوكاني: ۱۹۱/۱]

یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اورامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کو مذکورہ آیت کی دوسری قراءت سے تائید ملتی ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [البقرة:۱۹۱]

نتیجہ قراءات

اس آیت میں دو قراءتوں کی بناء پر حکم میں مزید وسعت پیدا ہوتی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کو سامنے رکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات نے جو رائے اختیار کی ہے اس میں اختلاف قراءت کالحاظ رکھا گیا ہے۔

قراءات ثلاثہ سے متعلق وضاحت

ماہنامہ 'رشد' حصہ دوم میں ڈاکٹر صلاح الدین ثانی نے اپنے مضمون 'قراءت کی حجیت، اہمیت اور اُمت کا تعامل' میں قراءاتِ ثلاثہ کو شاذ قرار دیا ہے۔ یہ موقف اجماع اُمت کے خلاف ہے۔ اس ضمن میں صحیح موقف جاننے کیلئے مجلّہ ہذا میں مولانا محمد اسلم صدیق کے مضمون 'قراءاتِ شاذہ اور ثبوتِ قرآن کا ضابطہ' کی طرف رجوع کیا جائے۔ [ادارہ]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شائقین قرآن کے لیے عظیم خوشخبری

كلية القرآن الكريم والعلوم الإسلامية (جامعہ لاہور الاسلامیہ) کا

خدماتِ قرآن کے سلسلہ میں ایک اور نمایاں قدم

مدیر کلِّیة القرآن الکریم ڈاکٹر قاری حمزہ مدنی حفظہ اللہ کی آواز میں دنیا بھر میں

اپنی نوعیت کا منفرد قراءاتِ عشرہ متواترہ پر مشتمل پہلا ریکارڈ شدہ قرآن

المصحف المرتل بالقراء ات العشر

سعودی عرب، کویت اور مصر سے اِشاعت کے بعد اب پاکستان میں بھی سی ڈی کی صورت میں دستیاب ہے۔

یہ مصحف موصوف کی دولة الکویت میں صلوة التراویح وقیام اللیل میں تلاوت کے دوران ریکارڈ کیا گیا، جو درحقیقت مشروع الجمع الصوتی الأوّل للقرآن الکریم بالقراء ات العشر کی تمہیدی کاوش ہے۔

مذکورہ مشروع پر پچھلے تین سال سے کویت میں کام جاری ہے، جو کہ ۲۰ متعدد روایات پر مشتمل قرآن کریم کی مکمل ریکارڈنگ کی صورت میں آئندہ چند سالوں میں منظر عام آجائے گا۔ اِن شاء اللہ

برائے رابطہ

دفتر کلِّیة القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور

۹۹/ جے بلاک ماڈل ٹاؤن، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعلانِ مسرّت

جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ)، نیوگارڈن ٹاؤن لاہور میں شیخ القراء قاری محمد یحییٰ رسولنگری، شیخ القراء قاری محمد ادریس العاصم اور شیخ القراء قاری محمد اِبراہیم میر محمدی حفظہم اللہ کے زیرِ سرپرستی عرصہ سات ماہ قبل قراءات عشرہ کبریٰ (عن طریق الطیبۃ) کی تدریس کا باقاعدہ آغاز ہو چکا ہے۔ درس نظامی کے آٹھ سالوں میں دیگر علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ پہلے دو سال میں تجوید، آئندہ چار سالوں میں قراءات عشرہ صغریٰ بمع علوم القراءات اور آخری دو سالوں میں قراءات عشرہ کبریٰ کو شامل نصاب کیا گیا ہے۔ 'جامعہ' میں تدریسِ قراءات عشرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ حصول سند کے لیے مکمل قرآن کریم کے اجراء کو جمع الجمع کے ساتھ مکمل کرنا ضروری ہے۔

نصاب

- طیبۃ النشر از حافظ ابن جزری کی مکمل تحلیل وتشریح
- تحریراتِ متولّی کے ساتھ عشرہ کبریٰ میں مکمل قرآن کریم کا اِجراء
- تنقیح فتح الکریم از الشیخ احمد عبدالعزیز زیات کی مکمل توضیح وتشریح

منجانب: حافظ عبدالرحمن مدنی، رئیس جامعہ لاہور الاسلامیہ...... ڈاکٹر حافظ حسن مدنی، مدیر التعلیم

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر نبیل إبـراهيم☆
ترجمہ واضافہ: عمران اسلم*

'علم قراءات کی خبری اصطلاحات'......ایک تعارف

دین کتاب وسنت پر مشتمل ہدایت نامہ کا نام ہے، جسے اہل نقل نے اپنی روایت کے ذریعے ہم تک پہنچایا ہے۔ ناقلین قرآن کی روایت تلقّی وتلاوت کے ذریعے اور ناقلین حدیث کی روایت تحمل واَدا کے ذریعہ ہم تک موصول ہوئی ہے۔ نقل قرآن کو اصطلاحِ قراء میں 'قراءۃ' اور نقل سنت کو اصطلاح محدثین میں 'حدیث' کہا جاتا ہے۔

اہل علم نے روایت کو پرکھنے کے حوالے سے جو فن پیش کیا ہے اس میں کتاب وسنت اور سلف صالحین کے متفقہ تعامل میں ذکر کردہ تصورات کو اصطلاحات کی زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ علم روایت کی حدیثی اصطلاحات سے تو اہل علم واقف ہیں ہی، البتہ نقل قرآن یعنی علم القراءات کی روایتی اصطلاحات سے علما عام طور پر واقف نہیں ہوتے۔

قراء کرام کی نقل وروایتی اصطلاحات علوم القرآن کی متعدد کتب میں متفرق طور پر موجود ہیں۔ اس موضوع کے حوالے سے زیر نظر تحریر ڈاکٹر نبیل ابراہیم ﷾ کی کتاب علم القراءات نشأته، أطواره، أثره في العلوم الشرعية سے ماخوذ ہے، جس میں مترجم نے الإتقان في علوم القرآن از جلال الدین سیوطی ؒ سے چند اصطلاحات کا مزید اضافہ بھی کردیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اصطلاحات المحدثین کی طرح قراء کرام کی خبری اصطلاحات کو بھی کوئی صاحبِ علم یکجا کرکے علم وتحقیق کی دنیا میں پیش فرمائے۔ [ادارہ]

اِس مضمون کا بنیادی موضوع چونکہ متنوعِ قراءاتِ قرآنیہ سے تعلق رکھتا ہے، اِس لیے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اَحرفِ سبعہ، قراءات اور اِن سے متعلقہ اَساسی 'خبری ونقلی اصطلاحات' کی تعریفات کو یکجا کیا جائے، چنانچہ ہم اِختصار کے ساتھ قراءات اور اس سے متعلقہ 'نقلی وخبری اصطلاحات' کو بمع تعریفات ذکر کرتے ہیں۔

قرآن

لغۃً: لفظ قرآن مادہ 'ق ر أ' سے مشتق ہے۔ یہ فعلان کے وَزن پر قراءۃ کے مرادف مصدر ہے۔ اس کے دو معانی بیان کیے گئے ہیں:

① الجمع والضم بمعنی قراءۃ ② التلاوۃ

اِصطلاحاً: علماءِ کرام کی طرف سے قرآن کریم کی متعدد تعریفات سامنے آئی ہیں ان میں سے أقرب إلی الصواب یہ ہے:

”هو كلام الله تعالىٰ المعجز المنزل بواسطة جبريل على محمد المحفوظ في الصدور،

☆ پروفیسر جامعہ امام، ریاض * فاضل کلية الشريعه، جامعہ لاہور الاسلامیہ ورکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المکتوب في المصاحف، المنقول بالتواتر، المتعبد بالتلاوة، المبدوء بسورة الفاتحة، المختوم بسورة الناس."[إرشاد الفحول: ٢٩، مناهل القرآن: ١/١٧،٢٢]

''قرآن کریم اَیسا معجزانہ کلام ہے جو بواسطہ جبریل علیہ السلام محمدﷺ پر نازل ہوا، سینوں میں محفوظ ہے، مصاحف میں مکتوب ہے اور تواتر کے ساتھ منقول ہے۔اس کی تلاوت کرنا عبادت ہے، سورۃ الفاتحہ سے اس کی اِبتداء ہوتی ہے اور سورۃ الناس پر خاتمہ ہوتا ہے۔''

أحرفِ سبعة

لغةً: اَحرف حرف کی جمع ہے اور یہ مادہ 'ح ر ف' سے مشتق ہے۔ یہ لفظ وجہ اور کنارے کے معنی میں بھی مستعمل ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللهَ عَلَى حَرْفٍ﴾ [الحج:١١]

''اور لوگوں میں سے کوئی اَیسا ہے جو کنارے پر رَہ کر اللہ کی بندگی کرتا ہے۔'' یہاں پرحرف سے مراد کنارہ ہے۔

لفظ سبعہ بھی مادہ 'س ب ع' سے مشتق ہے جو دو معنوں کے لیے اِستعمال ہوتا ہے:

① یہ کہ سبعہ سے معین عدد سات ہی مراد ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ [البقرۃ:١٩٦]

''جو تم میں سے حج کا زمانہ آنے تک عمرے کا فائدہ اُٹھائے، وہ حسب مقدور قربانی دے، اور اگر قربانی میسر نہ ہو تو تین روزے حج کے زَمانے میں اور سات گھر پہنچ کر، اِس طرح پورے دس روزے رکھ لے۔''

② یہ کہ اس سے تعدّد اور کثرت مراد ہے: قولہ تعالیٰ:

﴿إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ﴾ [التوبۃ:٨٠]

''(اے نبیﷺ!) اگر تم ستر مرتبہ بھی اُنہیں معاف کردینے کی درخواست کروگے تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا۔''

اصطلاحاً: علماءِ کرام کا اِتفاق ہے کہ قرآن کریم کا نزول سات حروف پر ہوا ہے، کیونکہ متعدد اَحادیثِ مبارکہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اَلبتہ 'سبعہ اَحرف' کے مفہوم و معنی میں اِختلاف رونما ہوا ہے۔(اس حوالہ سے تفصیلی مضامین رشد قراءات نمبرز میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں)

قراءات

'قراءات' 'قراءۃ' کی جمع ہے اور لغۃً لفظ قراءۃ مادہ 'ق ر أ' سے مشتق، اور 'فعالۃ' کے وزن پر ہے۔

قراءات کی متعدد تعریفات ذِکر کرنے کے بعد صاحبِ مضمون نے قراءات کی وَضاحت میں دو مذاہب بیان کیے ہیں۔

① يعتبر أن القراءات ذات مدلول واسع، فهي تشمل الحديث عن ألفاظ القرآن المتفق عليها والمختلف فيها.

''قراءات کا مدلول بہت وسیع ہے، جس میں متفق علیہ اور مختلف فیہ اَلفاظ قرآنی شامل ہیں۔''

اِس مذہب کے قائل ابن الجزری رحمہ اللہ وغیرہم ہیں۔

② أن مفهوم القراءات مقصور على ألفاظ القرآن المختلف فيها.

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

’’قراءات کا مفہوم قرآنِ کریم کے اَلفاظ مختلفہ تک منحصر ہے۔‘‘

الروايات

لغةً: رِوایۃ کی جمع ہے اور یہ کلمہ مادہ ’ر وي‘ سے مشتق ہے۔ یہ لفظ دو طرح کی دلالت کے لیے اِستعمال ہوتا ہے:

① حمل الشيء ② النقل

اِصطلاحاً: هی کل خلاف مختار ینسب للراوی عن الإمام مما اجتمع علیه الرواة .

[سراج القاری، لابن القاصح:۱۳، والإتحاف:۱۷،۱۸]

’’اس سے اختیار کردہ وہ اِختلاف مراد ہے جو اِمام سے راوی کی طرف منسوب ہو اور اس پر تمام رواۃ جمع ہوں۔‘‘

رِوایات کا مصدر وحی ہے رِوایات میں قراءِ کرام کے لیے صرف اور صرف نقل ہے۔

الطرق

لغةً: طُرق طریق کی جمع ہے اور یہ کلمہ مادہ ’ط ر ق‘ سے مشتق ہے اور یہ لفظ اَیسے وسیع راستے کے لیے بولا جاتا ہے جس پر سے لوگ گزرتے ہیں۔

اِصطلاحاً: کل خلاف مختار ینسب للآخذ عن الراوی [النشر:۱۹۹/۲]

’’اسی سے وہ مختار اِختلاف مراد ہے جو راوی سے اَخذ کرنے والے کی طرف منسوب ہو۔‘‘

یاد رہے کہ طرق کا مصدر بھی وحی ہی ہے۔

اَوجہ

لغةً: اَوجہ وجہ کی جمع ہے جو کہ ’و ج ہ‘ سے مشتق ہے اور یہ لفظ ظہور، بدور، جانب، جہت، ناحیۃ، نوع اور قسم کے لیے بھی مستعمل ہے۔

اِصطلاحاً: اِس سے مراد وہ اِختلاف ہے جو قراء کے اِختیار کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ [الاتقان:۲۰۹/۱]

الإختيار

لغةً: یہ لفظ مادہ ’خ ي ر‘ سے مشتق ہے۔ اور اِصطفاء، اِنتقاء اور تفضیل پر دلالت کرتا ہے۔

اِصطلاحاً: اِس سے مراد اَیسی صورت یا وجہ ہے جس کو قاری نے مروِیات یا راوی نے مسموعات یا راوی سے اَخذ کرنے والے نے محفوظات میں سے اِختیار کیا ہو۔ یہ تمام لوگ اپنے اِختیار میں مجتہد ہیں۔ حقیقی طور پر قراء، رواۃ اور ان سے اَخذ کرنے والے جمیع مرویات سے اُسے اِختیار کرتے ہیں جس کو اُنہوں نے سنا ہوتا ہے۔

قراءات کی اَقسام

قراءاتِ قرآنیہ کو مختلف اِعتبارات سے متعدد اَقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہم ان میں سے قبول ورد، سند اور معنی کے یکساں اور مختلف ہونے کے اِعتبار سے اَہم اَقسام کی وضاحت پیش کرتے ہیں:

❶ قبول ورد کے اِعتبار سے قراءات کی اَقسام

قبول ورد کے اعتبار سے قراءات کی دو قسمیں ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

① قراءتِ مقبولہ ② مردودۃ

① مقبولہ

الف تعریف

اِس سے مراد ہر وہ قراءت ہے جس کی سند صحیح ہو، مصاحف عثمانیہ میں سے کسی مصحف کے موافق ہو اگرچہ وہ موافقت اِحتمالاً ہی ہو، اور لغتِ عرب میں کسی وجہ کے موافق ہو۔

اِمام ابن جزری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

فَكُلُّ مَا وَافَقَ وَجْهَ نَحْوِ وَكَانَ لِلرَّسْمِ احْتِمَالاً يَحْوِي
وَصَحَّ إِسْنَادًا: هُوَ الْقُرْآنُ فَهٰذِهِ الثَّلَاثَةُ الْأَرْكَانُ
وَحَيْثُمَا يَخْتَلُّ رُكْنٌ أَثْبِتِ شُذُوْذَهُ لَوْ أَنَّهُ فِي السَّبْعَةِ

[طيبة النشر:٣]

ب قراءاتِ مقبولہ کے ضوابط

علماءِ کرام نے قراءاتِ مقبولہ کے لیے چند معیارات اور ضوابط وضع کیے ہیں تاکہ اُن کے ذریعے سے قراءات کی اس قسم کو دیگر اَقسام سے ممتاز کیا جاسکے۔ قراءاتِ مقبولہ کے ضوابط مقرر کرنے والوں میں ابن مجاہد، ابن خالویہ، مکی بن ابی طالب، ابوشامۃ، کواشی اور ابن الجزری رحمہم اللہ جیسے نام شامل ہیں۔

علماء کے وضع کردہ قواعد کا مطالعہ کریں تو اَندازہ ہوتا ہے کہ ان کا کلام تین قواعد پر مشتمل ہے۔

① ضابطة السند ② ضابطة الرسم ③ ضابطة العربية

① ضابط السند

علماءِ قراءات نے قراءت کو قبول کرنے کا ایک ضابطہ یہ مقرر کیا ہے کہ اِس کا صحتِ اَسناد کے ساتھ ثابت ہونا ضروری ہے۔ اِس سلسلہ میں بعض علماء تواتر کی شرط لگاتے ہیں اور کچھ اَیسے ہیں جو تواتر یا شہرۃ کو شرط قرار دیتے ہیں جبکہ بعض علماء تواتر، شہرت یا اس کے آحاد ہونے کو شرط گردانتے ہیں۔ میرے خیال میں تواتر کی شرط ہی صحیح شرط ہے۔

② ضابط الرسم

علماءِ قراءات نے قراءت کو قبول کرنے کی ایک شرط یہ مقرر کی ہے کہ وہ مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی ایک مصحف کے رسم کے موافق ہو، اگرچہ وہ موافقت اِحتمالاً ہی ہو۔ کیونکہ یہ موافقت بسا اَوقات صریح اور ظاہر ہوتی ہے اور بسا اَوقات اِحتمالی یا مقدر۔

اِس کی ایک مثال فرمانِ الٰہی: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ [الفاتحہ:٣] کی ہے۔ اس میں کلمہ 'مٰلِكِ' الف کے بغیر پڑھا جاتا ہے۔ یہ قراءت مصحف کے خطِ صریح اور ظاہراً موافق ہے، جبکہ الف کے ساتھ قراءت مصحف کے ساتھ اِحتمالی طور پر موافقت رکھتی ہے۔ [النشر لابن جزری:١١/١]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ ضابط العربية

علماءِ قراءات نے قراءات کے قبول کے لیے عربی کی کسی ایک وجہ کی موافقت کو بھی لازمی شرط قرار دیا ہے۔ برابر ہے کہ یہ وجہ فصیح ہو یا ایسی اَفصح جس پر اجماع کیا گیا ہو یا اِختلاف نقل کیا گیا ہے۔

اِس کی مثال اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ فَتُوبُوٓا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ ﴾ [البقرۃ:۵۴] کی ہے، کلمہ 'بَارِئِکُمْ' کی قراءت ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اور یہ قراءت ابن کثیر، نافع، عاصم، ابن عامر، حمزہ اور کسائی کی ہے۔ اور عربی میں یہ وجہ مشہور ہے جبکہ 'بَارِئْکُمْ' ہمزہ کے سکون اور اِختلاس الحرکۃ کے ساتھ یہ قراءت اَبوعمرو کی ہے۔ یہ وجہ پہلی وجہ سے کم مشہور ہے۔ اس قاعدے کی رو سے دونوں مذکورہ قراءتیں صحیح اور مقبول ہیں۔

یادرہے کہ ہمارا عربی کی کسی وجہ کی موافقت کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم نے لغتِ عرب کو قرآن پر حاکم بنا دیا ہے۔ لیکن قرآن لغت عرب پر نازل ہوا ہے اور یہ محال ہے کہ اس میں کسی ایسی چیز کا وجود ہو جو مجمع علیہ قواعد اَصلیہ کے مخالف ہو۔

ج قراءاتِ مقبولہ کی اَقسام

① قراءاتِ متواترہ ② قراءاتِ مشہورۃ

ایسی قراءات آحاد جو عربی وجہ کے موافق ہوں، ان کی سند صحیح ہو اور اس میں کسی قسم کا علت وشذوذ نہ ہو اور رسم کے مخالف نہ ہو۔

د اِس کا حکم

قراءاتِ متواترہ اور مشہورہ بالاتفاق قرآن ہیں، نماز میں، اور بطورِ عبادت اُن کی تلاوت کی جائے گی اس میں معجزہ اور چیلنج کا پہلو پایا جاتا ہے اور اُن کا اِنکار کرنے والے کو کافر قرار دیا جائے گا۔

ایسی قراءاتِ آحاد جو عربی وجہ کے موافق ہو، اس کی سند صحیح ہو، اس میں کسی قسم کا علت وشذوذ نہ ہو اور رسم مصحف کے مخالف ہو۔ یہ قراءتِ مقبولہ ہوگی اور آحاد ہونے کی وجہ سے اس کی تلاوت نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ یہ اس رسم کے مخالف ہے جس پر اجماع منعقد ہوا ہے، اور اس کی صحت کو قطعیت حاصل نہیں ہے۔ ایسی قراءت کی تلاوت کرنا جائز نہیں ہے اور اس کے اِنکاری کو کافر بھی نہیں کہا جائے گا۔ [الإبانة للمكي:۵۷، ۵۹، والنّشر لابن جزري:۱؍۱۴]

اِن تمام اَنواع کی اَمثلہ سند کے اِعتبار سے قراءات کی اَقسام کے ذیل میں ذکر ہوں گی۔

② قراءاتِ مردودۃ

الف تعریف

ایسی قراءت جس میں قراءتِ مقبولہ کے قواعد میں سے کوئی قاعدہ ٹوٹ جائے وہ قراءتِ مردودۃ کہلائے گی۔

ب قراءتِ مردودہ کے ضوابط

قراءتِ مردودۃ کے ضوابط قراءت مقبولہ کے ذکر کردہ ضوابط کے برعکس اور مخالف ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الف ضابط السند

ایسی قراءت جس کی سند غیر صحیح ہو وہ قراءتِ مردودۃ ہے، کیونکہ اس میں صحت سند کی شرط ناپید ہے۔ اس کی مثال حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ کی قراءت 'ملك یوم الدین' کی ہے۔ [مختصر فی شواذ القرآن:۷]

ب ضابط المتن

ہر وہ قراءت جو مصاحفِ عثمانیہ کے رسم کے مخالف ہو یا لغتِ عرب کی کسی وجہ کے مخالف ہو یا اس کا معنی کسی مقبول قراءت سے متصادم ہو تو وہ مردودہ قراءت کہلائے گی۔

مصاحف عثمانیہ کے رسم پر مخالفت کی مثال: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراء ت میں ﴿إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وٰحِدَةً﴾ [یس:۵۳] کی بجائے 'إِنْ كَانَتْ إِلاَّ زَقْيَةً وَاحِدَةً' کے الفاظ ہیں۔

لغتِ عرب کی کسی وجہ کی مخالفت کی مثال: فرمان الٰہی ہے: ﴿وَإِنْ أَدْرِيْ أَقَرِيْبٌ أَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ﴾ [الأنبیاء:۱۰۹] یہاں ابن بکار ایوب سے وہ یحییٰ سے وہ اَبوعامر سے روایت کرتے ہوئے یاء کے فتحہ کے ساتھ 'أَدْرِيَ أَقَرِيْبٌ' پڑھتے ہیں۔

معنی کے اِعتبار سے تسلیم نہ کی جانے والی قراءت کی مثال: وہ قراءت جو اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ ''إِنَّمَا يَخْشَى اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءَ '' [فاطر:۲۸] ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے سب سے زیادہ علماء سے ڈرنے والے ہیں۔''

یہ قراءت معنی و مراد کے ہی خلاف ہے، کیونکہ علماء کرام ہی اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے لوگ ہیں نہ کہ خدائے بزرگ و برتر۔ جیسا کہ سلف صالحین کی جانب سے ذکر کیا گیا ہے کہ ''من كان بالله أعرف كان منه أخوف'' ''جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ جاننے والا ہوتا ہے وہ اتنا زیادہ اس سے ڈرنے والا ہوتا ہے۔''

ج قراءتِ مردودہ کی اَقسام

قراءتِ مردودۃ کے قواعد کو قلمبند کرنے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی درج ذیل اقسام ہیں:

① قراءتِ آحاد جس کی لغت عرب میں کوئی وجہ نہ بنتی ہو۔

② قراءتِ شاذہ ③ قراءتِ مدرجہ ④ قراءات موضوعہ

جن کی تعریفات اور اَمثلہ بعد میں ذکر ہوں گی۔

د قراءتِ مردودہ کا حکم

قراءتِ مردودۃ کو قرآن شمار نہیں کیا جائے گا اور صحیح رائے کے مطابق نہ تو اُس کو نماز میں تلاوت کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے علاوہ عبادت کے طور پر۔ اور جمہور علماء کی رائے کے مطابق اسے نصوص کی تفسیر، اَحکام کے اِستنباط اور مدلول پر عمل کے اِعتبار سے قبول کیا جائے گا، جب وہ سند کے اِعتبار سے مقبول ہوگا، لیکن متن کی جہت سے اس کا رد کیا جائے گا۔ اسی طرح ان کا لغوی قضایا میں قبول کرنا جائز ہے۔ اور ان سے لغوی قواعد کا اِستنباط بھی درست ہے، کیونکہ یہ کم اَز کم ان اَشعار سے تو زیادہ ثقہ ہیں جن کے قائلین مجہول ہیں۔ [النشر:۱/۱۴،۱۷، منجد المقرئین:۱۶]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قراءات کی اَقسام

قراءات چھ اَقسام میں منقسم ہے:

① متواترة ② مشہورة ③ آحادیة
④ شاذة ⑤ مدرجة ⑥ موضوعة

اِن کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ کیجئے:

① قراءاتِ متواترہ

لغةً: تواتر کا معنی تتابع یعنی تسلسل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا﴾ [المؤمنون:۴۴] ''پھر ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے۔'' یعنی تسلسل کے ساتھ ایک ایک کرکے۔

اِصطلاحاً: ایسی قراءت جس کو شروع سے لے کر اَخیر تک اتنی بڑی جماعت نے رِوایت کیا ہو جس کا جھوٹ پر اِتفاق ناممکن ہو۔ [الاتقان:۲۴۱/۱]

② قراءاتِ مشہورہ:

مشہورۃ مادہ 'ش ہ ر' سے مشتق ہے اور اِس کا لغوی معنی واضح اَور ظاہر کرنا ہے۔

اِصطلاحاً: ایسی قراءت جس کی سند صحیح ہو لیکن درجہ تواتر کو نہ پہنچے اور عربی وجہ اور رسم مصحف کے موافق ہو۔ یہ قراءِ کرام میں مشہور ہو اور انہوں نے اُسے غلط اور شذوذ میں سے شمار نہ کیا ہو۔ [الاتقان:۲۴۱/۱]

مثال: اِرشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا أَشْهَدتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ [الکہف:۵۱] اور ایک مشہور قراءت ﴿مَا أَشْهَدْنٰهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ کی ہے۔

اور ﴿وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا﴾ [الکہف:۵۱] میں ایک قراءت تاء کے فتحہ کے ساتھ ﴿وَمَا كُنْتَ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا﴾ کی ہے۔ یہ دونوں قراءتیں اَبوجعفر المدنی کی ہیں۔ اور یہ نوع بھی بالاتفاق قرآن ہے۔

③ قراءاتِ آحادیہ

آحاد لغةً احد کی جمع اور مادۃ 'و ح د' سے مشتق ہے جس کا معنی اکیلا اور تنہا ہے۔

اِصطلاحاً: ایسی قراءت جس کی سند صحیح ہو، مصحف کے رسم یا عربیت میں سے ایک یا دونوں کے مخالف ہو اور قراء کے ہاں مشہور نہ ہو۔

سند صحیح اور رسم مصحف کی مخالفت کی مثال: جحدری رحمہ اللہ اور ابن محیصن رحمہ اللہ کی قراءت ہے: ''متكئين على رفارف خضر و عباقری حسان'' [مختصر فی شواذ القرآن:۱۵۰]

صحتِ سند اور عربیت کی مخالفت کی مثال:

''ولقد مكنّٰكم في الأرض وجعلنا لكم فيها معائش'' [مختصر فی شواذ القرآن:۴۲]

یہاں ہمزہ کو یاء سے بدلا گیا ہے، اَصل لفظ 'معایش' کے ہیں۔

جس کی سند صحیح ہو لیکن شہرت حاصل نہ ہو: ''لَقَد جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفَسِكُم'' فاء کے فتحہ اور سین کے کسرۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ۔

اِن تینوں اَقسام کو بطورِ عبادت تلاوت نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اِحتمال ہے کہ یہ عرضۂ اَخیرہ میں منسوخ کردی گئی تھیں یا پھر اِجماعِ صحابہ کے ساتھ مصحف عثمانی میں رقم نہیں کی گئی تھیں۔ [الاتقان ۱/۲۴۰]

ایسی قراءت جس کی سند صحیح ہو اور لغتِ عرب کی کسی وجہ کے موافق ہو لیکن رسم مصحف کے مخالف ہو، کی مثال: ”والذکر والأنثٰی“ اور ”وکان ”أمامھم“ ملك یأخذ کل سفینة ”صالحة“ غصباً“ کی ہے۔ [النشر: ۱/۱۴]

خلاصہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسی قراءتِ آحاد جو صحت سند کے ساتھ اور لغتِ عرب کی کسی وجہ کی موافقت کے ساتھ آئے، برابر ہے کہ رسم کے موافق ہو یا مخالف، تو یہ مقبول ہوگی اور جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں کہ جس (قراءت) کی سند صحیح ہو یا ضعیف لیکن عربیت میں اس کی وجہ موجود نہ ہو تو اگر وہ رسم مصحف کے موافق بھی ہوگی تو اُسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ واللہ أعلم

④ قراءاتِ شاذہ

شذوذ مادۃ 'ش ذ ذ' سے مشتق ہے جس کا لغوی معنی منفرد ہونے یا الگ ہونے کے ہیں۔

اِصطلاحاً: اِصطلاحی طور پر ایسی قراءات کو قراءتِ شاذہ کا نام دیا جاتا ہے جس کی سند صحیح نہ ہو یا رسم مصحف کے مخالف ہو یا پھر عربی لغت میں اس کی کوئی وجہ موجود نہ ہو۔ [الاتقان: ۱/۲۴۲]

اِس کی مثال غیر ثقہ رواۃ ابن السمیفع اور ابی السمال کی وہ قراءت ہے جس میں اُنہوں نے اِرشاد باری تعالیٰ: ﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ﴾ [یونس: ۹۲] میں لفظ 'نُنَجِّيكَ' کو پہلے نون کے ضمہ دوسرے کے فتحہ اور حاء کی تشدید اور کسرہ کے ساتھ 'نُنَحِّيكَ' پڑھا ہے۔

مخالفت عربیت اور رسم کی اَمثلہ گزر چکی ہیں۔ اس قسم کی قراءت کی بطورِ عبادت تلاوت نہیں کی جاسکتی، کیونکہ یہ ایسے طریق سے ہم تک نہیں پہنچی کہ اس پر اِعتماد کا اِظہار کیا جاسکے۔

⑤ القراءۃ المدرجة

لغوی طور پر اِدراج 'د ر ج' سے مشتق ہے جس کے معنی داخل کرنے کے ہیں۔

اِصطلاحاً: قراءت مدرجہ سے مراد ایسی عبارت ہے جو کلماتِ قرآنیہ کے درمیان بطورِ تفسیر یا تعبیر داخل کی جائے۔ [الاتقان: ۱/۲۴۳]

اِس کی مثال: سعد بن اَبی وقاص رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے: ”وله أخ أو أخت ”من أم“، “ [جامع البیان فی تفسیر القرآن: ۴/۱۹۴] یہاں 'من أم' کے اَلفاظ زائد ہیں۔

دوسری مثال: ”لیس علیکم جناح أن تبتغوا فضلا من ربکم فی مواسم الحج“ یہاں کلام ابن عباس میں 'فی مواسم الحج' کے اَلفاظ مدرج کی مثال ہیں۔ اِس قسم کو قراءت شمار نہیں کیا جائے گا اس کا اِعتبار صرف راوی کی نسبت سے ہوگا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑥ قراءاتِ موضوعہ

الوضع مادۃ 'وض ع' سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی گھڑنے اور اِیجاد کرنے کے ہیں۔

اِصطلاحاً: اِس سے مراد ایسی قراءت ہے جو اس کے قائل کی طرف بغیر اَصل یعنی مطلق طور پر بغیر سند کے منسوب کی جائے۔ یا ایسی جھوٹی، خودساختہ اور من گھڑت رِوایت جو اس کے قائل کی طرف اِفتراء منسوب کی جائے۔

[الاتقان:۱/۲۴۳]

مثال: اس کی مثال وہ قراءت ہے جو اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے جسے اَبومحمد جعفر الخزاعی نے جمع کیا اور ان سے ابوالقاسم الھذلی نے نقل کیا کہ انہوں نے ''إِنَّمَا يَخْشَى اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءَ'' [فاطر:۲۸] لفظ 'اللہ' پر رفع اور 'العلماءَ' کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ درست قراءت ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ [فاطر:۲۸] ہے۔ اس قسم کو قراءت شمار نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اِس کے مفہوم میں دخول کی کوشش کی جائے گی اُسے صرف راوی کی نسبت سے قراءت کا نام دیا جائے گا۔

معنی کے متحد اَور مختلف ہونے کے اِعتبار سے قراءات کی اَقسام

معنی کے اِتحاد اور اِختلاف سے متعلق قراءات کی دو قسمیں ہیں:

① قراءات متحدة المعنى ② قراءات متعددة المعنى

① قراءات متحدة المعنى

اِس سے مراد ایسی قراءات ہیں جن کے اَلفاظ مختلف اور معنی متفق ہیں۔ اس قسم میں اُصول کے اِعتبار سے مختلف قراءات شامل ہیں جیسا کہ مد کا اِختلاف، تخفیف ہمزات اور اِظہار و اِدغام وغیرہ اور اس طرح وہ قراءات جن میں فرشی اِختلاف ہوتا ہے۔

اُصول میں اِختلاف کی اَمثلہ: ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ [البقرۃ:۳] یہاں پر 'يُؤْمِنُوْنَ' ہمزہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور اِبدال کے ساتھ بھی۔

فرش میں اِختلاف کی اَمثلہ: ﴿وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ﴾ [البقرۃ:۸۵] یہاں پر اِمام حمزہ نے ہمزہ کے فتحہ، بغیر الف سین کے سکون کے ساتھ 'أَسْرٰی' پڑھا ہے، جبکہ ہمزہ کے ضمہ اور سین کے بعد الف والی قراءت باقی تمام عشرہ قراء کی ہے۔

② القراءات المتعددة المعنى

یہ اَیسی قراءات ہیں جن کے اَلفاظ اور معانی دونوں مختلف ہوں اور اس نوع میں معانی کا اِختلاف تنوع کے باب سے ہے نہ کہ تضاد کے اِختلاف کے باب سے، کیونکہ اِختلاف تضاد قرآن کریم کی صریح نص کی نفی کرتا ہے۔

اِرشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ [النساء:۸۲]

''کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِبن جوزی رحمہ اللہ ''لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافاً كَثِيراً'' سے متعلق لکھتے ہیں:

''اس میں تین طرح کے اَقوال ہیں:

1. یہ کہ اس سے مراد تناقض ہے، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور جمہور کا مؤقف ہے۔
2. یہ کہ اس سے مراد جھوٹ ہے۔
3. کلام کی بلاغت کے اِعتبار سے نقص موجود ہوتا، کیونکہ جب کلام طویل ہو جائے تو عموماً اس میں نقص واقع ہو جاتا ہے۔ جبکہ قرآن مبین فصاحت وبلاغت کا عظیم شاہکار ہے۔ [زاد المسیر لابن جوزي: ۱۴۴/۲،۱۴۵]

اَور تنوع کا اِختلاف صرف فرش میں موجود ہے اور زیادہ تر فرش بھی اِسی نوع سے ہے۔

اَمثلہ: قولہ تعالیٰ: ﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ﴾ [الزخرف:۵۷] یہاں پر نافع، ابن عامر اور کسائی کی قراءت صاد کے ضمہ کے ساتھ 'یَصُدُّوْنَ' ہے جبکہ باقی قراء کی قراءت کسرہ کے ساتھ ہے۔

پہلی قراءت کا معنی: وہ اَپنے غیر سے ان کے ایمان سے متعلق جھگڑا کرتے ہیں۔

دوسری قراءت کا معنی: کہ وہ اَپنے نفس میں جھگڑا کرتے ہیں۔

اِس قراءت سے یہ دونوں معانی مستنبط ہوتے ہیں۔ [حجۃ القراءات:۶۵۲]

دوسری آیت: ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلُّوا عَن سَبِيلِهِ﴾ [ابراھیم:۳۰] ہے۔

یہاں پر ابن کثیر رحمہ اللہ اور ابوعمرو رحمہ اللہ نے ''لِيَضِلُّوا عَنْ سَبِيلِه'' یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔

ان تمام تعریفات کے ذکر کرنے کے بعد ہم سند عالی اور سند نازل کی معرفت کی طرف چلتے ہیں اور امام سیوطی رحمہ اللہ کے الفاظ میں سند عالی اور سند نازل کی وضاحت ملاحظہ کرتے ہیں:

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اصحاب حدیث نے عالی اور نازل سند کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے:

① ایسی سند صحیح جو ضعف سے محفوظ ہو، اور اس میں عدد کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ سے قرب ہو، یہ علو کی سب سے بہتر قسم ہے۔ موجودہ دور میں سند عالی کی اس قسم میں ۱۴ واسطے موجود ہیں۔ اس کی نظیر قراءات میں، سیدنا ابن ذکوان رحمہ اللہ کی امام ابن عامر رحمہ اللہ سے روایت ہے۔ یا ۱۵ واسطے موجود ہیں، قراءات میں اس کی مثال قراءت عاصم بروایت حفص اور قراءت یعقوب بروایت رویس ہیں۔

② محدثین کے ہاں علو کی دوسری قسم ائمہ حدیث میں سے کسی امام کی طرف قرب ہے، جیسے أعمش رحمہ اللہ، ھشیم رحمہ اللہ، ابن جریج رحمہ اللہ، اوزاعی رحمہ اللہ اور مالک رحمہ اللہ ہیں۔ علم قراءت میں اس کی مثال امام نافع رحمہ اللہ اور امام ابن عامر شامی رحمہ اللہ کی قراءت ہے، جس میں ان آئمہ تک ۱۲/ واسطے ہیں۔

③ محدثین کے ہاں تیسری قسم ہے کتب ستہ میں سے کسی ایک کی روایت کرنے کی نسبت کا علو۔ وہ یوں کہ اگر ایک محدث کسی حدیث کو کتب ستہ کے طریق سے بیان کرتا ہے تو وہ نازل ہوا اور اگر ان کے علاوہ کسی طریق سے بیان کرے تو وہ عالی ہو۔ قراءات میں اس کی مثال کتبِ معروفہ: تیسیر اور شاطبیہ وغیرہ میں۔

موافقات، اِبدال، مساوات اور مصافحات علو کی اس قسم کے قبیل سے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موافقت: یہ ہے کہ اصحاب کتب میں سے کسی ایک کے ساتھ کسی دوسرے طریق سے (جو نسبتاً کم واسطوں والا ہو) سے اس کے شیخ پر اکٹھا ہونا۔ صاحب کتاب اگر اسے اپنے طریق سے بیان کرتا، تو وہ سند عالی نہ بنتی۔ کبھی اس فن میں اس کی مثال نہیں بھی ملتی۔ علم قراءات میں سیدنا بزی رحمہ اللہ نے جو مکی رحمہ اللہ سے بطریق ابن نبان بواسطہ ابوربیعہ روایت کیا ہے، اس کو حافظ ابن جزری رحمہ اللہ نے بواسطہ کتاب المفتاح از ابومنصور محمد بن عبدالملک بن خیرون رحمہ اللہ سے اور کتاب المصباح از ابوالکرم شہرزوری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ ان دونوں حضرات یعنی ابومنصور رحمہ اللہ اور شہرزوری رحمہ اللہ نے یہ قراءت عبدالسعید بن عتاب رحمہ اللہ سے پڑھی۔ امام جزری رحمہ اللہ کا ان دونوں طریقوں میں سے کسی ایک طریق کے مطابق نقل کرنا، اصول حدیث کی روشنی میں 'موافقت' کہلائے گا۔

بدل: یہ ہے کہ کسی مصنف کے استاد کے ایک یا زیادہ اساتذہ تک اس مصنف کی سند کے علاوہ کسی ایسی سند کے ساتھ پہنچنا جس میں واسطے کم ہوں۔ یہ صورت کبھی عالی نہیں ہوئی یا بالفاظ دیگر اس کی مثال نہیں ملی۔ یہاں ہم اس کی مثال میں امام ابوعمرو رحمہ اللہ کی قراءت، جو دوری رحمہ اللہ نے ابن مجاہد بواسطہ ابوالزعراء نقل کی، پیش کرتے ہیں۔

اس قراءت کو امام دانی رحمہ اللہ نے ابوالقاسم عبدالعزیز بن جعفر بغدادی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوطاہر رحمہ اللہ سے بواسطہ ابن مجاہد نقل کیا ہے اور کتاب المصباح سے اس طرح نقل کیا ہے کہ اس قراءت کو ابوالکرم رحمہ اللہ نے ابوالقاسم یحییٰ بن احمد البستی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوالحسن حمامی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوطاہر رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ امام جزری رحمہ اللہ کا اس قراءت کو بطریق مصباح نقل کرنا امام دانی رحمہ اللہ کے استاد کے استاد کے لئے بدل کہلائے گا۔

مساوات: اکثر طور پر روایت کے رواۃ عدد میں برابر ہوں تو اسے مساوات کہتے ہیں، گویا کہ وہ راوی صاحب کتاب سے ملے ہیں، اس سے مصافحہ کیا اور یہ روایت نقل کی ہے۔ اس کی مثال امام نافع رحمہ اللہ کی قراءت ہے، جسے امام شاطبی رحمہ اللہ نے ابوعبداللہ محمد بن علی نفری رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوعبداللہ بن غلام رحمہ اللہ سے، انہوں نے سلیمان بن نجاح رحمہ اللہ وغیرہ سے، انہوں نے ابوعمرو دانی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوالفتح فارس بن احمد رحمہ اللہ سے، انہوں نے عبدالباقی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوالحسن بن بویان بن حسن رحمہ اللہ سے، انہوں ابراہیم بن عمر مقری رحمہ اللہ سے، انہوں نے أبو الحیض بن بویان رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوبکر بن اشعث رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوجعفر الربعی المعروف ابونشیط رحمہ اللہ سے، انہوں نے سیدنا قالون رحمہ اللہ سے اور انہوں نے امام نافع رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔

اسی قراءت کو امام جزری رحمہ اللہ نے ابوبکر خیاط رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابومحمد بغدادی رحمہ اللہ وغیرہ سے، انہوں نے صائغ رحمہ اللہ سے، انہوں نے کمال بن فارس رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوالیمن کندی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن احمد حریری رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوبکر خیاط رحمہ اللہ سے، انہوں نے غرضی رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابن بویان رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ یہ امام ابن جزری رحمہ اللہ کے لئے مساوات ہے، کیونکہ ابن جزری رحمہ اللہ اور ابن بویان رحمہ اللہ کے مابین سات واسطے ہیں۔ امام شاطبی رحمہ اللہ اور امام جزری رحمہ اللہ کے مابین بھی اتنے ہی واسطے ہیں، تو جس نے امام جزری رحمہ اللہ سے قراءت حاصل کی، گویا اس نے امام شاطبی رحمہ اللہ سے مصافحہ کیا۔

باعتبارِ سند قراء کی تقسیم اور اس طرح کے دیگر مسائل

مذکورہ تقسیم تو علماء حدیث کے ہاں تھی۔ قراء کرام کے ہاں اسناد کی تقسیم، قراءات، روایت، طریق اور وجہ کو سامنے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھ کر کی جاتی ہے۔

قراءت: اگر اختلاف ائمہ سبعہ یا عشرہ میں سے کسی ایک سے منقول ہو اور تمام طرق و روایات اس اختلاف کو نقل کرنے میں متفق ہوں، تو اسے اصطلاحاً 'قراءت' کہا جائے گا۔

روایت: اگر اختلاف کی نسبت امام کے راوی کی طرف ہو تو اسے 'روایت' کہا جائے گا۔

طریق: اگر اختلاف کی نسبت راوی کے شاگرد یا اس کے شاگردوں میں سے نیچے تک کسی ایک کی طرف منسوب ہو تو اسے 'طریق' کہا جائے گا۔

وجہ: اگر اختلاف کی نسبت شاگرد کے استاد کی طرف اس طرح ہو کہ وہ اختلاف اس کے لئے اختیاری ہو تو اسے 'وجہ' کہتے ہیں۔

④ علو کی چوتھی قسم یہ ہے کہ شیخ کی وفات کا اپنے ساتھی، جس سے راوی نے اخذ کیا ہے، مقدم ہونا۔ مثلاً تاج بن مکتوم رحمہ اللہ سے اخذ کرنا، ابوالمعالی بن اللُّبان رحمہ اللہ سے اخذ کرنے میں اعلیٰ ہے، اور ابن اللبان رحمہ اللہ سے نقل کرنا برہان شامی رحمہ اللہ سے نقل کرنے سے اعلیٰ ہے، اگرچہ یہ تینوں ابوحیان رحمہ اللہ سے نقل میں برابر ہیں، لیکن پہلے کی وفات دوسرے سے اور دوسرے کی وفات تیسرے سے مقدم ہے۔

⑤ علو شیخ کی موت کی وجہ سے ہو، نہ کہ کسی اور امر یا دوسرے استاد کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے۔ یہ علو کب حاصل ہوتا ہے؟ بعض محدثین کا خیال ہے کہ مسند کو علو کا یہ درجہ اس وقت حاصل ہوگا، جب اس سند سے روایت کرتے ہوئے شیخ کی موت کو پچاس برس بیت چکے ہوں۔ امام ابن مندہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق پچاس کے بجائے تیس سال گزر چکے ہوں۔ اس قول کی بناء پر ابن جزری رحمہ اللہ کے وہ شاگرد، جن کا تعلق ۸۶۳ھ سے ہے، کا نقل کرنا عالی ہے، کیونکہ ابن جزری رحمہ اللہ آخری شخص ہیں، جن کی سند عالی ہے اور ۸۶۳ھ تک ان کی موت کو تیس سال گزر چکے ہیں۔ [الإتقان: ۱/۲۰۷ تا ۲۱۰، اکیسویں نوع، کچھ اختصار اور تصرف کے ساتھ]

قراء کی اسانید کے تسلسل کو سامنے رکھتے ہوئے علماء نے کہا ہے کہ قراءات توقیفی ہیں۔

(البرھان للزرکشی: ۱/۳۲۱)

علامہ ابن عبدالشکور رحمہ اللہ 'مسلم الثبوت' میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسانید قراءات بالاجماع صحیح ہیں اور علماء بلکہ اُمت کے ہاں انہیں تلقّی بالقبول حاصل ہے۔ مزید لکھتے ہیں اگر ان اسانید کے معارض کوئی سند آجائے تو وہ ناقابل التفات ہے۔ قراء عشرہ کی اسانید صحیح ترین ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں امت کے ہاں شرف قبولیت بھی حاصل ہے۔'' (فواتح الرحموت: ۲/۱۰)

علماء نے قراءات کے توقیفی ہونے اور ان کے متعلق عدم تواتر والے شبہات کو دور کرنے کے لئے سندوں کا اہتمام کیا تھا۔ جو بھی قراءات کے معاملہ میں تتبع اور تحقیق کرے گا، اس پر یہ بات واضح ہوجائے گی کہ قراء کرام اپنی قراءات کی نسبت صحت سند کی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے ہیں۔

نوٹ: علم القراءات کی مذکورہ 'خبری اصطلاحات' کی دیگر تفصیلات کے لیے شائقین امام سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب 'الإتقان فی علوم القرآن' کی نوع اکیس تا اٹھائیس ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محمد اسلم صدیق☆

قراءاتِ شاذہ اور ثبوتِ قرآن کا ضابطہ

مقالہ نگار مولانا محمد اسلم صدیق، جو جامعہ لاہور الاسلامیہ، کلیۃ الشریعۃ کے فاضل ہیں، نے چند سال قبل شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب سے علوم اسلامیہ میں ڈاکٹر حافظ محمد عبد اللہ حفظہ اللہ کی زیرنگرانی ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔ موصوف کے مقالہ کا عنوان 'قراءات شاذہ اور ان کے تفسیر و فقہ پر اثرات' تھا۔ بہترین مقالہ ہونے کی وجہ سے یونیورسٹی نے اسے بعدازاں کتابی صورت میں طبع کروا دیا۔

زیرنظر مضمون اسی مقالہ کی بعض فصلوں کا انتخاب ہے جن میں فاضل مقالہ نگار نے 'ثبوت قرآن کا ضابطہ اور قراءاتِ متواترہ وشاذہ کے مابین حدِ فاصل' پر تفصیلاً بحث کی ہے۔ ہم اس بحث کو قارئین رُشد کے سامنے اس احساس کے تحت پیش کر رہے ہیں کہ کتب احادیث وتفسیر میں موجود صحیح السند 'قراءات شاذہ' کی تلاوت اور انہیں بطور قرآن قبول کرنے میں اہل سنت والجماعت کا مؤقف معلوم کیا جاسکے۔ نیز یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ صحت ِسند سے ثابت ہونے کے باوجود بھی سلف صالحین انہیں بطور قرآن قبول کیوں نہیں کرتے؟ [ادارہ]

کسی قراءۃ کو متواترہ یا شاذہ قرار دینا اس لحاظ سے ایک اہم، دقیق اور حساس مسئلہ ہے کہ اس کا تعلق قرآن مجید کے ساتھ ہے۔ قراءات کی تقسیم کی بنیاد پر ہی یہ فیصلہ ہوگا کہ قراءۃ کی کونسی قسم قرآن ہے اور کونسی قسم قرآن نہیں ہے۔ کس قراءۃ کی تلاوت جائز اور کس کی تلاوت جائز نہیں' کون سی وہ قراءات ہیں جو عرضۂ اخیرہ کے وقت باقی رکھی گئیں اور کونسی وہ قراءات ہیں جن کی تلاوت منسوخ کر دی گئی؟ یہ فیصلہ کرنے کے لئے نقل وروایت اور سلف صالحین کی تقلید و اِتباع ضروری ہے۔ اگر اس سلسلہ میں ہم ائمہ قراء اور علماء سلف کی آراء اور نصوص شرعیہ سے بے نیاز ہوکر اِجتہاد کی وادی پرخار میں قدم رکھنے کی کوشش کریں گے تو یقیناً آوارگی کے خارستان میں اُلجھ کر رہ جائیں گے، جس کا نتیجہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ گمراہی کے اس خطرہ سے اُمت کو بچانے کے لئے نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں ائمہ قراء نے آغاز سے ہی اَیسے ضوابط اُصولیہ اور معیارات قائم کر دیئے تھے جن کی بنیاد پر اُنہوں نے قراءاتِ شاذہ کو قراءاتِ متواترہ سے ہمیشہ کے لئے الگ کر دیا۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُمت کو فتنہ اور گمراہی سے بچانے کے لئے ایک اَہم کردار ادا کیا۔ اُنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اِجماع سے تمام وہ قراءات جو عرضۂ اَخیرہ کے وقت باقی رکھی گئیں تھیں، انہیں الگ ایک رسم کے تحت مصاحف کی شکل میں جمع کر دیا اور ان تمام قراءات کو الگ کر دیا جو عرضۂ اَخیرہ کے وقت یا اس سے پہلے منسوخ کر دی گئیں تھیں یا وہ تفسیری کلمات جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے مصاحف کے حواشی میں درج کر

☆ ایم فل، شیخ زاید سنٹر، پنجاب یونیورسٹی...... فاضل کلیۃ الشریعۃ، جامعہ لاہور الاسلامیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھے تھے۔ پھر اُنہوں نے یہ مصاحف ماہرین قراءۃِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں مختلف علاقوں میں بھیج دیئے اور باقی تمام مصاحف کو جلانے کا حکم دے کر اس فتنہ کا دَروازہ بند کر دیا۔①

اِس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین کا ایک جم غفیر جب ان قراءات کو سیکھ کر اپنے علاقوں میں پہنچا تو ان سے سیکھنے والے ظاہر ہے کہ عدل وثقاہت اور حفظ واتقان میں ایک جیسے نہیں تھے۔ بعض جو عدالت وحفظ کے اس معیار پر نہ تھے اُنہوں نے بعض قراءاتِ شاذہ اور ضعیفہ کو قرآن سے ملانا شروع کر دیا' بعض نے اجماعِ اُمت سے ہٹ کر اپنے اپنے معیار بنا لئے تو ایک دفعہ پھر اختلافِ اُمت کا خطرہ پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ، جس نے حفاظت قرآن کا ذِمہ خود اٹھایا ہے، اُمت میں ایسے ائمہ عظام پیدا کیے جنہوں نے قرآن کو غیر قرآن سے الگ کرنے اور قراءاتِ متواترہ کو قراءاتِ شاذہ سے ممتاز کرنے کے لئے گہرے غور وخوض اور دقت نظری کے بعد چند ضوابط اصولیہ اور معیارات مقرر کر دیئے۔ جن کے اسباب وعوامل کا تذکرہ ہم ابن جزری رحمہ اللہ کے حوالہ سے گزشتہ صفحات میں کر آئے ہیں۔

[النشر في القراءات العشر : ۹/۱]

یہ ضوابط تنقیح وارتقا کے مختلف مراحل سے گزر کر آخر کار سلف وخلف کے بذریعہ متفق علیہ معیار قرار پائے۔ ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ سے لے کر امام ابن الجزری رحمہ اللہ تک متعدد ائمہ نے ان ضوابط کا تذکرہ کیا، کسی نے ان ضوابط کی تشریح کر دی، کسی نے ویسے ہی نقل کر دیا، کسی نے ان پر تنقید کی اور کسی نے مزید وضاحت سے بیان کر دیا② اور امام سیوطی رحمہ اللہ کے بقول جس شخص نے اس سلسلہ میں سب سے خوبصورت اور عمدہ تحقیق پیش کی ہے، وہ اپنے دور کے امام القراء اور شیخ الشیوخ ابوالخیر ابن الجزری رحمہ اللہ ہیں، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے، ضوابط کے سلسلہ میں انہیں کے کلام کو یہاں پیش کر دیا جائے وہ فرماتے ہیں:

”کل قراءة وافقت العربية ولو بوجه ووافقت أحد المصاحف العثمانية ولو احتمالا وصح سندها (وتواتر نقلها، هذه القراءة المتواترة المقطوع بها) [منجد المقرئين: ص ۱۵] فهي القراءة الصحيحة التي لا يجوز ردها ولا يحل إنكارها بل هي من الأحرف السبعة التي نزل

① چنانچہ امام دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
أن امير المؤمنين عثمان ومن بالحضرة من جميع الصحابة ... طرحوا حروفا وقراءات باطلة غير معروفة ولا ثابتة بل منقولة عن الرسول ﷺ نقل الأحاديث التي لا يجوز إثبات قرآن وقراءات بها [الأحرف السبعة للقرآن ٦١، تحقيق، عبد المهيمن طحان]

② واضح رہے کہ یہ ضوابط متاخرین کی ایجاد نہیں ہیں' بلکہ یہ ضوابط اس وقت سے موجود ہیں' جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید کو سیکھا تھا۔ اور صحۃ الروایۃ اور رسم سے موافقت کا معیار اس وقت بھی موجود تھا' جب دورِ عثمانی میں مصاحف تحریر کر کے قراءِ صحابہ کی معیت میں مختلف علاقوں میں ارسال کیے گئے تھے اور یہ اس وقت سے ہیں جب نہ عربی زبان کے قواعد وضع ہوئے تھے اور نہ باقاعدہ کتب کے اندر تدوین قراءات کا آغاز ہوا تھا۔
جب ہم تاریخ کے تناظر میں جھانکتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں واضح طور پر اس طرح کے ضوابط کا تذکرہ ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ کے ہاں ملتا ہے۔ جس کا ذکر ابن الانباری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب [إيضاح الوقف والابتداء: ۳۱۱/۱] میں کیا ہے۔
(دیکھئے: رسم المصحف، ص۶۳۲، دراسة لغوية، تاريخية، غانم قدروي الحمد)
اس کے بعد ابن جریر طبری رحمہ اللہ (ت ۳۱۰ھ) کے ہاں ملتا ہے (الإبانة ص ٦٠، منقول از کتاب القراءات طبری) پھر ابن خالویہ رحمہ اللہ (ت ۳۷۰ھ) نے اپنی کتاب 'القراءات' میں، اس کے بعد مکی بن ابی طالب القیسی (ت ۴۳۷ھ) نے [الإبانة ص۱۰، ۱۰۳، ۱۳۹] میں اور اس کے بعد ابوالعباس احمد بن عمار المہدوی نے کیا ہے۔ [دیکھئے، النشر: ۹/۱] اس کے بعد ابوعمرو الدانی (ت ۴۴۴ھ) نے [النشر ۹/۱]، اس کے بعد ابی شامہ المقدسی (ت ۶۶۵ھ) نے، اس کے بعد الکواشی الموصلی (۶۸۰ھ) نے 'اس کے بعد ابن الجزری (۸۳۳ھ) وغیرہ نے اس ضابطہ کا ذکر کیا ہے۔ [دیکھئے: النشر ۹/۱]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بها القرآن ووجب على الناس قبولها ... هذا هو الصحيح عند أئمة التحقيق من السلف والخلف... وهو مذهب السلف الذي لا يعرف عن أحد منهم خلافه . "[النشر: ۹/۱]

''ہر وہ قراءات جو لغت عربی کی کسی وجہ سے موافق ہو' مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے موافق ہو(اور وہ موافقت خواہ حقیقی ہو یا تقدیری) اور اس کی سند صحیح ہو تو یہ قراءۃ صحیح ہے۔'' (وہ بذریعہ تواتر منقول ہو تو یہ قراءت متواتر اور قطعی ہے) اس کا انکار جائز نہیں ، بلکہ یہ حروف سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن نازل ہوا تھا' لوگوں پر اس کو قبول کرنا واجب ہے.....اور جب کسی قراءۃ میں مذکورہ تین ارکان میں سے کوئی ایک رکن بھی مفقود ہوگا تو اس قراءۃ پر ضعیفہ' شاذہ یا باطلہ کا اطلاق ہوگا۔ یہی مذہب سلف وخلف ائمہ تحقیق کے نزدیک صحیح ہے۔ اس کی وضاحت امام دانی رحمہ اللہ، مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ ابن عمار المهدوی رحمہ اللہ اور ابو شامہ رحمہ اللہ نے کی ہے اور یہی سلف کا مذہب ہے۔ ان میں سے کسی سے بھی اس کے خلاف مروی نہیں ہے۔

مذکورہ تین ارکان کو ابن جزری رحمہ اللہ نے شعری زبان میں اس طرح بیان کیا ہے:

فكل ما وافق وجه نحوى وكان للرسم احتمالاً يحوي
وصح إسنادا هو القرآن وهذه الثلاثة الأركان
وحيثما يختل ركن أثبت شذوذه لو أنه في السبعة

[متن طيبة النشر لابن الجزري: ص ۳]

''ہر وہ قراءات جو کسی نحوی وجہ کے مطابق ہو، رسم مصحف اس کا متحمل ہو اور وہ سند کے لحاظ سے صحیح ہو تو وہ قرآن ہے اور قراءات کو پرکھنے کے لئے یہ تین ارکان ہیں۔ جس قراءت میں کوئی ایک رکن بھی مفقود ہوگا ' اس کا شذوذ ظاہر ہو جائے گا۔''

یہ وہ معیار ہے جو ائمہ قراء نے قراءات شاذہ کو متواترہ سے الگ کرنے کے لئے قائم کیا ہے کہ جس قراءات میں ان تین اَرکان میں سے کوئی ایک بھی ناپید ہوگا' اسے شاذ قرار دیا جائے گا۔

مذکورہ تین اَرکان کی تشریح

گزشتہ بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قراءات شاذہ کو معلوم کرنے کا معیار مذکورہ تین ارکان ہیں۔ ان ارکان کی اس اہمیت کے پیش نظر ضروری ہے کہ ان ارکان کو تفصیل سے بیان کردیا جائے، تاکہ شاذہ کو پہنچاننے میں کسی غلطی کا امکان باقی نہ رہے۔

پہلا رکن: مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے ساتھ موافقت [1]

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف نقل کر کے مختلف علاقوں میں قراء صحابہ رضی اللہ عنہم کی معیت میں بھیجے تھے' وہ قراءۃ ان میں سے کسی ایک کے رسم کے مطابق ہو۔ اور یہ مطابقت حقیقی طور پر بھی ہوسکتی ہے اور احتمالی وتقدیری طور پر بھی ہوسکتی ہے۔

① اور یہ شرط متاخرین کی خود ساختہ و پرداختہ نہیں ، بلکہ اس کی پشت پر ایک مضبوط بنیاد ہے' وہ یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کے مشورہ سے جب تمام امت کو ایک رسم پر جمع کرنے کا فیصلہ کیا تو انہوں نے سب سے پہلے اس بات کو ملحوظ خاطر رکھا کہ مصاحف کا رسم ان تمام حروف پر مشتمل ہو جو عرضہ اخیرہ کے وقت باقی رکھے گئے تھے، اسی وجہ سے ہی تو مصاحف کے درمیان بعض الفاظ کے رسم میں اختلاف تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ رسم عثمانی اس قراءت کا متحمل ہو، کیونکہ سبعہ اَحرف کی رعایت کی وجہ سے مصاحف عثمانیہ کے رسم میں بعض جگہ اختلاف تھا۔①

موافقتِ حقیقی کی مثال: سورۃ توبہ میں ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراءۃ: ﴿ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾[التوبۃ: ۱۰۰] من کے اضافہ کے ساتھ ہے۔ اور یہ اس مصحف میں ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ کی طرف بھیجا تھا۔

اسی طرح سورۃ بقرہ میں نافع رحمہ اللہ، ابن عامر رحمہ اللہ اور ابوجعفر رحمہ اللہ کی قراءۃ: ﴿ وَ وَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ﴾[البقرۃ: ۳۲] کی بجائے 'وأوصی بها' ہے اور یہ قراءۃ مصحف شامی اور مصحف مدنی کے مطابق ہے، اور باقی قراء کی قراءۃ ﴿وَوَصّٰى بِهَا ﴾ ہے اور یہ اس مصحف کے مطابق ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے رکھا تھا۔

موافقت تقدیری کی مثال: سورہ فاتحہ کی آیت: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾[الفاتحۃ: ۴] کے لفظ 'ملك' میں دو قراءتیں ہیں؛ الف کے ساتھ یعنی مَالِكِ اور الف کے بغیر، یعنی مَلِكِ، لیکن یہ لفظ تمام مصاحف عثمانیہ میں الف کے بغیر لکھا ہوا ہے۔ اب اس میں مَلِك کی قراءۃ تو رسم عثمانی کے ساتھ واضح اور حقیقی طور پر موافق ہے، جبکہ مَالِكِ کی قراءت تقدیری طور پر موافق ہے۔

چنانچہ جو قراءۃ ان مصاحف میں سے کسی بھی مصحف کے رسم کے مطابق نہیں ہوگی' وہ شاذ تصور ہوگی، خواہ اس کی سند صحیح ہو اور وہ کسی عربی وجہ کے مطابق ہو۔

مثلاً: ﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ ﴾[النساء: ۳۴]

اس میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن مطرف کی قراءۃ: 'فالصوالح قوانت حوافظ للغيب' ہے چونکہ کسی بھی مصحف کا رسم اس کا متحمل نہیں ہے، لہٰذا یہ قراءت شاذ ہے۔

[دیکھئے: الكشاف: ۵۲۴/۱، معاني الفراء: ۲۶۵/۱، تفسير الرازي: ۸۸/۱۰، المحتسب: ۲۸۸/۱]

اسی طرح سورۃ بقرہ کی آیت: ﴿ وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا ﴾ [البقرۃ: ۱۲۷] ابن مجاہد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ مصحفِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں یہ آیت اس طرح ہے: 'وإذ يرفع إبراهيم القواعد من البيت ويقولون ربنا'② یہ بھی رسم عثمانی کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔ اسی

① ڈاکٹر محمد سالم محیسن نے اپنی کتاب في رحاب القرآن الكريم میں نہایت دقت نظری سے تمام مصاحف عثمانیہ کے تقابل کے بعد ان کے رسم میں باہمی اختلاف کا ایک خاکہ پیش کیا ہے، جس میں انہوں نے مصحف عثمانی کے رسم کا مصحف مدنی کے ساتھ ۱۲ الفاظ میں اختلاف ذکر کیا ہے، اسی طرح مصحفِ عثمانی کا مصحفِ حجازی، شامی اور عراقی سے ۱۰ الفاظ میں اختلاف ذکر کیا ہے۔ [في رحاب القرآن الكريم: ص ۴۰۷تا۴۱۹]

اسی طرح امام ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'فضائل القرآن' میں وہ زائد حروف جو رسم عثمانی کے مخالف ہیں، کے نام سے ایک باب قائم کیا ہے، اس میں انہوں نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی قراءات میں سے ایسی سو (۱۰۰) روایات ذکر کی ہیں جو رسم مصحف سے خارج ہیں۔ بعض روایات میں ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ ہے اور بعض میں کوئی لفظ زائد ہے۔ مثلاً سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی قراءت ﴿ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴾ کی بجائے 'كالصوف المنفوش' ہے۔ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قراءۃ: "أن تبتغوا فضلا من ربكم في مواسم الحج" ہے۔ اسی طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قراءاۃ "والصلوة الوسطى صلوة العصر" اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قراءۃ "يأخذ كل سفينة صالحة غصبا".

[فضائل القرآن ومعالمه وآدابه: ۱۰۵/۲، ۱۴۵] یہ تمام قراءات رسم عثمانی کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذہ قرار پائیں گی، کیونکہ یہ شرط اسی وجہ سے ہی قائم کی گئی تھی کہ اخبار آحاد اور قراءات شاذہ، قراءات متواترہ سے الگ ہو جائیں۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالہادی فضلی فرماتے ہیں:

"إن اشتراط مطابقة لمصاحف الأئمة كان وقاية من دخول القراءات الآحادية والشاذة في إطار القراءات المتواترة التي تجوز القراءة بها." [القراءات القرآنية: ص ۱۱۴]

② اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءۃ بھی اسی طرح ہے۔ دیکھئے: الجامع لأحكام القرآن: ۱۲۶/۲، البحر المحيط لأبي حيان: ۳۸۸/۱

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح ﴿وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [هود: ١٦] اس میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءۃ 'وباطلا ما كانوا يعملون' ہے۔ یہ بھی خلافِ رسم ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔

[دیکھئے: المحتسب: ٣٢٢/١، إعراب القرآن للنحاس: ٢٥٢/١، البحر المحيط: ٢١٠/٥]

ابوبکر الانباری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اجتمع القراء على ترك كل قراءة مخالف المصحف.

[البحر المحيط: ٢٦/٧]

''تمام ائمہ قراء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہر وہ قراءۃ متروک (شاذ) قرار پائے گی جو رسم عثمانی کے مخالف ہوگی۔''

چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ سے اس سلسلہ میں مصاحف عثمانیہ کے مخالف جتنے بھی حروف مروی ہیں، وہ تمام کے تمام شاذ قرار پائیں گے۔

دوسرا رکن: عربی وجہ کے ساتھ موافقت[1]

دوسرا رکن جو قراءات شاذہ کو قراءات متواترہ سے الگ کرنے کے لئے ائمہ قراء نے شرط قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ قراءۃ کسی عربی وجہ کے موافق ہو، یعنی وہ قراءۃ کسی فصیح یا فصیح ترین نحوی وجہ کے مطابق ہو، خواہ وہ نحویوں کے ہاں متفق علیہ ہو یا اختلافی ہو، لیکن ایک شرط ہے کہ وہ قراءۃ تواتر سے ثابت ہو اور ائمہ قراء کے نزدیک اسے تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو۔ اور رسم عثمانی اس کا متحمل ہو تو اس صورت میں ضعیف نحوی وجہ بھی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ بنیادی رکن تو یہی دو ہیں۔ مثلا امام حمزہ رحمہ اللہ کی قراءۃ ﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ﴾ اس میں لفظ 'الأرحام' جری حالت کے ساتھ ہے اور یہ کوفیوں کے مذہب کے مطابق بہٖ کی ضمیر مجرور پر عطف ہے، یا بصریوں کے مذہب کے مطابق حرف جار کو دوبارہ لوٹایا گیا ہے، لیکن معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ یا أرحام کی تعظیم اور صلہ رحمی کی ترغیب دینے کیلئے قسم کی بناء پر زیر دی گئی ہے۔ تو یہاں امام حمزہ رحمہ اللہ کی قراءۃ میں دونوں وجہیں لغت کے اعتبار سے درست ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی قراءات کا تواتر سے ثابت ہونا ہی اصل بنیاد اور مضبوط رکن ہے اس کی موجودگی میں عربی لغت کا کوئی قاعدہ اور قانون کسی قراءۃ کو رد نہیں کرسکتا۔

- امام ابوعمرو دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأئمة القراءة لا تعمد في شيء من حروف القرآن على الأفشى في اللغة وأقيس في العربية بل على الأثبت في الأثر والأصح في النقل والرواية لأن القراءة سنة متبعة يلزم قبولها والمصير إليها.[2] [جامع البيان في القراءات السبع: ق١٧٧/ ب]

① ضابطہ کا یہ رکن بھی پہلی صدی ہجری سے ماخوذ ہے، ابن الانباریؒ نے اپنی کتاب 'نزهة الباري' میں واقعہ نقل کیا ہے کہ دور فاروقیؓ میں ایک اعرابی کو کسی نے سورۃ براءت کی یہ آیت: ﴿إِنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ رَسُوْلُهٗ﴾ لفظ 'رسوله' کے لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا دی تو اس نے کہا! کیا اللہ اپنے رسولؐ سے بری ہے؟ اگر ایسے ہے تو مجھے بدرجہ اولیٰ ان سے بری ہونا چاہیے۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے اعرابی کو بلایا اور اسے صحیح قراءۃ پر پڑھایا اور اس کے بعد یہ فرمان جاری کیا کہ قرآن صرف وہی پڑھائے جو لغت کا عالم ہو۔ [معجم القراءات القرآنية: ص ١٠٠، بحواله نزهة الباري: ص ٨]

② لفظ ﴿بارئكم﴾ کے ضمن میں، اس مخطوطہ کی فلم دار الكتب والوثائق القومية، قسم التصوير: ١٩٦٨ میں موجود ہے۔ اس فلم کی فوٹوکاپی المقری محمد ابراہیم صاحب میر محمدی کی لائبریری میں موجود ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''ائمہ قراء حروف قرآن کے سلسلہ میں اس پر اعتماد نہیں کرتے کہ وہ لفظ لغوی لحاظ سے عام مستعمل ہے یا عربی قاعدہ کے زیادہ مطابق ہے، بلکہ اس پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ حرف نقل و روایت کے اعتبار سے صحیح ترین اور ثبوت کے اعلیٰ معیار پر ہو۔

نیز امام بیہقی رحمہ اللہ (ت ۴۸۵ھ) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول: القراءة سنة متبعة[1] کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال البيهقي: أراد (أي زيد بن ثابت) أن اتباع من قبلنا في الحروف سنة متبعة لا يجوز مخالفة المصحف الذي هو إمام، ولا مخالفة القراءات التي هي مشهورة وإن كان غير ذلك سائغا في اللغة."

[سنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۵/۲، مطبعة مجلس، دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد دكن (الهند)]

''اس سے زید بن ثابت کی مراد یہ ہے کہ حروف کے سلسلہ میں ہم سے قبل اسلاف کی اتباع سنت متبعة ہے مصحف عثمانی، جسے مصحف امام کی حیثیت حاصل ہے کی مخالفت جائز نہیں ہے اور نہ ہی ان قراءات کی مخالفت جائز ہے جن کو قبولِ عام حاصل ہے، خواہ ان کے علاوہ دیگر قراءات لغت عربی میں زیادہ مستعمل ہوں۔''

◉ امام ابن جزری رحمہ اللہ نے اس حقیقت کی صراحت ان الفاظ میں کی ہے:

"إذ هو الأصل الأعظم والركن الأقوم وهذا هو المختار عند المحققين في ركن موافقة العربية، فكم من قراءة أنكرها بعض أهل النحو أو كثير منهم ولم يعتبر إنكارهم بل أجمع الأئمة المقتدى بهم من السلف على قبولها." [النشر: ۱۰/۱]

امام زرقانی رحمہ اللہ کا اس حوالہ سے جامع تبصرہ یہاں بیان نقل کر دینا شاید فائدہ سے خالی نہ ہوگا، وہ فرماتے ہیں:

وهذا كلام وجيه فان علماء النحو إنما استمدوا قواعده من كتاب الله تعالیٰ وكلام رسوله و كلام العرب، فإذا ثبتت قرآنية القرآن بالرواية المقبولة كان القرآن هو الحكم على علماء النحو وما قعدوا من قواعد أن يراجعوهم بقواعدهم إليه لا أن نرجع نحن بالقرآن إلى قواعدهم. المخالفة نحكمها فيه وإلا كان ذلك عكسا للآية وإهمالاً للأصل في وجوب الرعاية. [مناهل العرفان في علوم القرآن: ۴۲۲/۱]

''یہ بہت عمدہ کلام (ابن جزری اور امام دانی کے اقوال کی طرف اشارہ ہے) ہے، کیونکہ علماءِ نحو نے نحو کے قواعد کتاب اللہ، کلام رسول اللہ ﷺ اور کلام عرب سے ہی تو حاصل کیے ہیں۔ جب مقبول روایت سے قرآن کی قرآنیت ثابت ہو چکی ہے تو یقیناً اسے علماء نحو اور ان کے قائم کردہ قواعد پر اتھارٹی کی حیثیت حاصل ہوگی اور ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے قواعد سمیت کتاب اللہ کی طرف رجوع کریں، نہ کہ ہم ان کے قرآن کے مخالف قواعد کی طرف رجوع کریں۔''

بعض لغویوں اور نحویوں نے اس شرط کی بنیاد پر بعض قراءات متواترہ کا جو انکار کیا ہے ابن جزری نے ان لوگوں کا

① سنن الكبرى للبيهقي: ۳۸۵/۲، كتاب السبعة في القراءات: ۴۹ لابن مجاهد، اس میں 'القراءة سنة' کے الفاظ ہیں۔

② اسی طرح دکتور احمد مکی اپنی کتاب الدفاع عن القرآن ضد النحويين والمستشرقين میں فرماتے ہیں: "وهي قراءة صحيحة متواترة عن رسول الله ﷺ ولكن طائفة من النحاة الطغاة سامحهم الله وقفوا مواقف المعارضة من هذه الآية الكريمة في أعلى قراءاتها وهي القراءة السبعية... فهذا أبو زكريا الفراء يحكم عليها بالبطلان وهذا أبوعلي الفارسي يحكم عليها بالقبح... وكذلك فعل الإمام ابن خالويه، حين قال: "وهو قبيح في القرآن وإنما يجوز في الشعر." إلى غير ذلك من أوصاف الضعف والشذوذ والرداءة وأكثر من هذا أنهم نسبوها إلى اللحن وأنها زلة من زلات ابن عامر [حاشية المحتسب: ۱۰۵/۱]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سخت رد کیا ہے۔ [۴] [منجد المقرئین: ص ۶۴ وما بعد ھا]

چنانچہ موافقتِ عربی کی اس شرط کا مقصد بھی وہی ہے جو رسم عثمانی کی موافقت کو شرط قرار دینے کا ہے کہ کہیں کوئی قراءۃ شاذہ، متواترہ قراءات کے دائرہ میں داخل نہ ہو جائے، کیونکہ کوئی بھی متواتر قراءۃ ایسی نہیں ہوسکتی جو کسی عربی وجہ کے مطابق نہ ہو' بلکہ کسی قراءۃ کا تواتر سے ثابت ہونا ہی اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ وہ قراءۃ بذات خود ایک عربی وجہ اور نحوی قانون ہے۔ لہٰذا کسی نحوی یا لغوی کا اس کو قواعد نحویہ کے مخالف قرار دینا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

گویا کسی قراءۃ کا تواتر سے ثابت ہونا ہی بحیثیت معیار کافی تھا۔ لیکن کسی عربی وجہ سے موافقت کی شرط بطور اطمینان اور احتیاط کے اس لئے لگائی کہ قراءات شاذہ کا قراءات متواترہ سے آمیزش کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کردیا جائے۔

اور موافقت عربی کی اس شرط کو اس لحاظ سے تو ایک ضابطہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ جو قراءۃ دیگر دو ضوابط کی حامل ہوگی وہ لازماً کسی نہ کسی عربی وجہ کے بھی مطابق ہوگی' لہٰذا جو قراءۃ کسی بھی عربی قاعدہ کے مطابق نہ ہو تو وہ شاذ تصور ہوگی۔

چنانچہ یہ ثابت ہوا کہ صحیح سند سے ثابت قراءۃ کسی نہ کسی عربی وجہ کے ضرور مطابق ہوگی' بلکہ وہ خود ایک عربی وجہ ہو گی، لیکن اگر وہ کسی بھی عربی وجہ یا نحوی قانون کے مطابق نہیں ہے تو وہ شاذ تصور ہوگی مثلاً ﴿ وَعَلَى أَبْصٰرِهِمْ غِشٰوَةٌ ﴾ [البقرۃ:۹] لفظ غشوۃ کو علماء قراءۃ نے حسن بصری رحمہ اللہ سے تین طرح نقل کیا ہے۔ ایک غین کے پیش کے ساتھ ،دوسری غین کے زبر کے ساتھ اور تیسری عین کے پیش کے ساتھ۔ اس میں تیسری وجہ یعنی (عُشوۃ) امہات کتب لغت میں سے کسی میں بھی نہیں ہے، لہٰذا یہ لغتِ عرب کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ قرار پائے گی۔

[حول القراءۃ الشاذۃ:۲۳]

اسی طرح ﴿ خُطُوٰت ﴾ [البقرۃ: ۱۶۸،۲۰۸] اسے حسن بصری رحمہ اللہ نے خاء کی فتح اور طاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، حالانکہ ائمہ لغت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خطوۃ (خاء کی فتح اور طاء کے سکون کے ساتھ) کی جمع خَطَوات؛ خاء اور طاء دونوں کے فتح کے ساتھ آتی ہے، لہٰذا یہ بھی لغت عرب کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ قرار پائے گی۔ [أیضا :۲۴]

اسی طرح ﴿ لا یفلح الکفرون ﴾ [المؤمنون: ۱۱۷] حسن بصری رحمہ اللہ نے اسے 'یَفْلَحْ' یعنی یاء اور لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، حالانکہ کتب لغت میں فلح ، أفلح کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ ایسی تمام قراءات لغتِ عربی کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ قرار پائیں گی۔ [أیضا : ۲۵]

تیسرا رکن: صحت سند

اس سے مراد یہ ہے کہ اس قراءۃ کو روایت کرنے والے شروع سند سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک عادل اور ضابط ہوں' اس میں کسی قسم کا شذوذ اور کوئی ایسی علت نہ ہو جو باعث جرح ہو۔ [النشر:۱۳]

یہاں تک تو سب کا اتفاق ہے' لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا رواۃ کے عادل اور ضابط ہونے کے ساتھ یہ کافی ہے کہ وہ قراءۃ اس فن کے ماہرین کے نزدیک اس قدر مشہور و مستفیض ہو کہ اسے تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو جائے اور وہ محتف بالقرائن بھی ہو یا اس کے لئے تواتر کا ہونا ضروری ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام علماءِ اصول، مذاہب اَربعہ کے فقہاء، محدثین اور اکثر قراءِ کرام کا موقف یہ ہے کہ قراءتِ متواترہ اور شاذہ کے درمیان امتیاز کے لئے اصل معیار تواتر ہے۔ چنانچہ امام نویری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ کہنا کہ (قراءۃ کے لئے) تواتر شرط نہیں ہے، یہ قول فقہاء و محدثین اور دیگر علما کے اجماع کے خلاف ایک خود ساختہ قول ہے، کیونکہ جمہور علماءِ مذاہب اربعہ کے نزدیک قرآن وہ ہے جو مصحف کے دوگتوں کے درمیان بذریعہ تواتر ہم تک پہنچا ہے۔ چنانچہ جس نے بھی قرآن کی تعریف کی ہے، اس نے قرآن کے لئے تواتر کو شرط قرار دیا ہے، جیسا کہ ابن حاجب رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک قرآن کے لئے متواتر ہونا ضروری ہے۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ، ابن عطیہ رحمہ اللہ، امام نووی رحمہ اللہ، امام زرکشی رحمہ اللہ، امام سبکی رحمہ اللہ، امام اسنوی رحمہ اللہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ اور ان کے علاوہ علما کی اکثریت نے اسی بات کی تصریح کی ہے اور اسی بات پر قراء کا اجماع ہے۔ متاخرین[1] میں سے اس کی مخالفت مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ نے کی ہے اور بعض دیگر نے بھی ان کی اتباع کی ہے۔ [شرح طيبة النشر للنويري: ۱۱۹/۱، اتحاف فضلاء البشر: ص ۶] اس کے علاوہ امام غزالی رحمہ اللہ [المستصفى في علم الأصول: ۱۹۳/۱، أبوحامد محمد بن محمد الغزالي (۴۵۰ھ، ۵۰۵ھ)] ابن قدامہ رحمہ اللہ [روضة الناظر وجنة مناظر: ۳۴ بمع الشرح نزهة الخاطر: ۱۳۹/۱، مكتبة الكليات الأزهرية، القاهرة] ابن حاجب رحمہ اللہ [مختصر المنتهى الأصولي: ۲۲/۲، إمام ابن حاجب المالكي، دارالكتب العلمية] اور صدر الشریعہ رحمہ اللہ [التوضيح في حل عوامض التنقيح: ۲۶/۱، صدر الشريعة: عبيدالله بن مسعود بن محمود بن أحمد المحبوبي البخاري الحنفي (ت ۷۴۸ھ)] وغیرہ نے بھی تواتر کو شرط قرار دیا ہے۔''

نیز قراء کرام میں سے امام الدانی رحمہ اللہ (ت۴۴۴ھ) امام ابو القاسم ہندی رحمہ اللہ (۴۶۵ھ) امام ابوالقاسم الصفراوی رحمہ اللہ (ت ۶۳۶ھ) امام ابوالحسن السخاوی رحمہ اللہ (ت۹۰۲ھ) اور ان کے علاوہ متعدد کبار قراء نے تواتر کو شرط قرار دیا ہے۔ [شرح طيبة النشر للنويري: ۱۲۲/۱۔۱۲۹]

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ وہ کتاب جو کائنات کے لئے راہبر اور صراط مستقیم اور دین قیم کی اصل بنیاد ہے اور اتنا عظیم معجزہ ہے کہ جن و انس مل کر بھی اس جیسی ایک سورۃ کیا ایک آیت بھی نہیں بنا سکتے۔ ایسی کتاب کے لئے عادتاً یہ محال ہے کہ وہ تواتر سے ثابت نہ ہو، جبکہ اس کی تمام تر تفاصیل کا بذریعہ تواتر منقول ہونے کے بے شمار اَسباب وعوامل موجود ہیں لہٰذا جو قراءۃ حدّ تواتر کو نہیں پہنچے گی یقینی بات ہے کہ وہ شاذ تصور ہوگی اور اس کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ [المستصفي للغزالي: ۱۹۳/۱، البرهان في علوم القرآن: ۳۵۳/۲، الإتقان في علوم القرآن: ۷۷/۱، علاوہ ازیں اصول کی بے شمار کتب میں اس کی تصریح موجود ہے۔]

مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ اور ابن جزری رحمہ اللہ کا موقف

مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ اور ابن جزری رحمہ اللہ وغیرہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ جمہور کے برعکس تواتر کو شرط قرار نہیں دیتے جیسا کہ امام نویری رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے۔ ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں ان کا موقف واضح طور پر بیان کر دیا جائے۔

[1] مکی بن ابی طالب کا تعلق چوتھی صدی ہجری سے ہے کیونکہ ان کی پیدائش ۳۵۵ھ اور وفات ۴۳۷ھ ہے لہٰذا امام نویریؒ کا انہیں متاخرین میں سے قرار دینا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ کا معاملہ ہے تو ان کے بارے میں ان کی صرف اس عبارت: 'القراءة الصحيحة ما صح سنده' [الإبانة:۱۰۳] کی بنیاد پر یہ کہنا کہ وہ تواتر کو شرط قرار نہیں دیتے، درست نہیں ہے، کیونکہ قراءۃ کے اس رکن کے سلسلہ میں ان سے مختلف الفاظ مروی ہیں، مثلاً ایک جگہ 'ما صح سندها' کے الفاظ ہیں تو ایک جگہ 'أن ينقل عن الثقات' [الإبانة: ۵۸] کے الفاظ ہیں اور ایک دوسرے مقام پر 'إجتماع العامة عليها' [الإبانة: ۱۰۰] کے الفاظ ہیں۔

یہاں لفظ ثقات جو جمع ہے' اسی طرح 'اجتماع العامة عليها' جس سے ان کی مراد وہ قراءۃ ہے جس پر اہل مدینہ اور اہل کوفہ، یا جس پر اہل حرمین متفق ہوں [الإبانة: ص ۱۰۱] کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وہ قراءۃ متواترہ کے لئے صرف صحتِ سند کو کافی قرار نہیں دیتے، نیز ان کی درج ذیل عبارت ان کے موقف کو مزید واضح کرتی ہے:

ما صح نقله في الآحاد... فهذا يقبل ولا يقرأ به لعلتين؛ إحداهما: أنه لم يؤخذ بإجماع، إنما أخذ بأخبار الآحاد ولا يثبت قرآن يقرأ به بخبر الواحد. [الإبانة: ۵۸]

''جو قراءۃ بذریعہ اخبار آحاد صحیح سند سے منقول ہو... تو ایسی قراءۃ کو قبول تو کیا جائے گا، لیکن دو وجوہات کی بناء پر اس کی تلاوت جائز نہیں ہے۔ ایک یہ کہ وہ بذریعہ اجماع منقول نہیں ہے، بلکہ اخبار آحاد کے ذریعہ سے منقول ہے اور قرآن خبر واحد سے ثابت نہیں ہوسکتا۔''

یہاں اِجماع کے مقابلہ میں اخبار آحاد کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ صرف صحت سند کو کافی قرار نہیں دیتے، بلکہ ان کی اس سلسلہ میں ساری بحث کے تناظر میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ قراءات متواترہ کے لئے تواتر کو شرط قرار دیتے ہیں۔

جہاں تک محقق ابن جزری رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو ان کا موقف یہ ہے کہ قراءت متواترہ کی ہر ہر وجہ کے لئے تواتر سندی شرط نہیں ہے، بلکہ اگر وہ قراءۃ اس فن کے ماہرین کے نزدیک مشہور و مستفیض ہو اور ائمہ کے نزدیک اسے قبول عام کا درجہ حاصل ہو جائے اور ساتھ وہ رسم عثمانی اور لغت عربی کے موافق بھی ہو تو یہ بھی قوت میں متواتر کی طرح قطعی اور یقینی ہوگی اگرچہ وہ تواتر (سندی) کی حد کو نہ بھی پہنچے۔

[لمنجد المقرئين: ۱۶، النشر في القراءات العشر:۱۳]

ابن جزری رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے:

1. اگر کوئی قراءۃ تواتر سے ثابت ہو جاتی ہے تو وہ قطعی طور پر قرآن ہے اور اسے قبول کرنا واجب ہے خواہ رسم عثمانی اور لغت عربی کے موافق ہو یا مخالف' گویا اس صورت میں دیگر دو ارکان کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔
2. دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم ہر اختلافی وجہ قراءۃ میں تواتر کو شرط قرار دیتے ہیں تو متعدد ایسی اختلافی وجوہ خارج ہو جائیں گی جو ائمہ سبع اور دیگر ائمہ سے ثابت ہیں۔ [النشر:۱۳]

اگر اس ساری بحث کے تناظر میں غور کیا جائے تو یہ اختلاف محض لفظی معلوم ہوتا ہے اور درحقیقت جمہور اور ابن جزریؒ کے موقف میں نتیجہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

① اور من حیث الجموع قرآن اور قراءات عشرہ قطعی اور تواتر سے ثابت ہیں، کیونکہ ان کی نقل و روایت کا اصل انحصار صحیفوں اور اوراق میں رقم کرنے کے علاوہ دلوں اور سینوں میں محفوظ کرنے پر ہے اور قرآن اور قراءات متواترہ کے حفاظین کی تعداد ہر دور میں اس قدر رہی ہے کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے قراءات عشرہ کے متواتر ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درحقیقت فقہاء ومحدثین نے قرآن یا ثبوت قراءۃ کیلئے تواتر سندی کی شرط لگائی ہے تو وہ قرآن کے مجموع① کے اعتبار سے ہے، وگرنہ اگر تمام اختلافی وجوہ کے ہر ہر فرد اور ہر ہر ادا کے لئے تواتر کو شرط قرار دیا جائے تو بہت سی اختلافی وجوہ کو رد کرنا پڑے گا، حالانکہ ان میں سے بعض ائمہ سبعہ سے منقول ہیں' اور وہ جمہور فقہاء ومحدثین کے نزدیک بھی متواترہ ہیں۔ امام قسطلانی رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کی صراحت کی ہے۔

[تفسیر القاسمي: ۲۹۶/۱]

لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہتا ہے کہ بعض قراء نے ضابطہ قراءات میں موافقت رسم عثمانی اور لغت عرب کے ساتھ صرف مشہور ومستفیض اور تلقی بالقبول کو ہی کیوں کافی قرار دیا ہے، تواتر کی شرط کیوں نہیں لگائی، حالانکہ قرآنیت کے ثبوت کے لئے تواتر کا ہونا ضروری ہے؟

درحقیقت ہر ہر اختلافی وجہ کے لئے تواتر کی شرط لگانا یہ جمہور کا مذہب نہیں ہے، بلکہ یہ بعض متاخرین کا مذہب ہے، جیسا کہ ابن جزری رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے، ورنہ ابن جزری ائمہ فقہاء کی قرآن کی تعریف میں شرط تواتر کی واضح تصریحات کے باوجود اسے بعض متاخرین کا مذہب کیسے قرار دے سکتے ہیں؟ اور امام نویری رحمہ اللہ نے جو تواتر کو شرط قرار نہ دینے والوں کا رد کیا ہے تو انہوں نے دراصل ان حضرات کا رد کیا ہے جو صرف صحت سند کو کافی قرار دیتے ہیں، مشہور ومستفیض اور تلقی بالقبول کی شرط کو ضروری نہیں سمجھتے اور اس موقف کو انہوں نے مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے تو ہم گزشتہ صفحات میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ وہ بھی قرآن اور قراءات متواترہ کے لئے جمہور کی طرح تواتر کو ضروری سمجھتے ہیں۔

اسی طرح ابن جزری رحمہ اللہ بھی قراءات مقبولہ کے لئے تواتر کو شرط قرار دیتے ہیں' منجد المقرئین میں انہوں نے ان لوگوں کا سختی سے رد کیا ہے جو فرش کو متواتر قرار دیتے ہیں' لیکن اصول کو متواتر قرار نہیں دیتے۔ [منجد المقرئین: ص ۵۷] تو ثابت ہوا کہ مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ کی طرح ابن جزری رحمہ اللہ بھی جمہور کے ساتھ ہیں۔

لیکن یہ سوال کہ پھر ابن جزری رحمہ اللہ وغیرہ ضابطہ قراءات میں باقی دو ارکان کے ساتھ تواتر کی شرط کیوں نہیں لگاتے؟ تو اس کا سبب درج ذیل وجوہات ہوسکتی ہیں:

1. ابن جزری رحمہ اللہ وغیرہ نے قراءات شاذہ اور متواترہ کے درمیان فرق کرنے کے لئے ایک ضابطہ بیان کیا ہے، قرآن کی تعریف نہیں کی۔ تواتر کو قرآن کی تعریف میں کم از کم ایک شرط کے طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے، لیکن ضابطہ میں اسے ملحوظ نہیں رکھا گیا، کیونکہ ضوابط میں جو چیز قابل معافی ہوتی' وہ تعریفات میں قابل معافی نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ تعریفات میں کسی چیز کی حقیقت و ماہیت کو واضح کرنا مقصود ہوتا ہے، اس کی تمام تر جزءیات کا احاطہ مقصود نہیں ہوتا اور نہ ہی تعریف میں ایسا ممکن ہوسکتا ہے، لیکن ضابطہ میں کسی چیز کی حقیقت و ماہیت کی بجائے اس کی ہر ہر جزئی کو پرکھنا اصل مقصد ہوتا ہے، لہٰذا کسی چیز کا ضابطہ اور معیار مقرر کرتے وقت یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ وہ ایسا جامع اور مانع ہو کہ حقیقت و ماہیت کی کوئی جزئی اس سے خارج نہ ہونے پائے۔
2. ضابطہ میں تواتر کو شرط قرار نہ دینے کی دوسری وجہ طالب علم کے لئے قراءات متواترہ اور شاذہ کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے آسانی پیدا کرنا مقصود تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ طالب علم محض اس ضابطہ کی بنیاد پر بغیر کسی دشواری کے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قراءات متواترہ اور شاذہ کے درمیان امتیاز کرسکتا ہے۔ اگر (تعریف کی طرح) ضابطہ میں بھی تواتر کی شرط عائد کر دی جاتی تو اس کے لئے یہ امتیاز نہایت مشکل ہوتا، کیونکہ اس صورت میں اسے قراءات کی ہر جزئی کو پرکھنے کے لئے اتنی بڑی تعداد کی طرف رجوع کرنا پڑتا جن کا روایت کے ہر طبقہ میں جھوٹ پر مجتمع ہونا محال ہو اور آپ خود اندازہ کریں کہ یہ ایک طالب علم کے لئے کتنا مشکل کام ہوتا۔

۳ وہ قراءۃ جو مشہور و مستفیض ہو اور تلقی بالقبول کا درجہ حاصل کر لے اور وہ مختلف بالقرائن بھی ہو، نیز جو کچھ مصحف کے دو گتوں کے درمیان ہے، جس پر صحابہ کے افضل ترین دور میں امت کا اجماع تھا اور اس کے متواتر ہونے پر پوری امت متفق ہے، اس کے رسم کے مطابق ہو اور ساتھ لغت عرب کی موافقت بھی حاصل ہو جائے اور ہر دور میں فن قراءۃ کے ماہرین نے اس کو قبول کیا ہو۔ جب کوئی قراءۃ ان شرائط پر پوری اترتی ہو وہ قراءۃ یقیناً قطعی ہے اور وہ قوت میں تواتر سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔[مناهل العرفان: ۴۲۷/۱]

نیز جمہور سلف و خلف کے نزدیک خبر واحد جب امت میں تلقی بالقبول کا درجہ حاصل کر لے یا اس کے ساتھ ایسے قرائن مل جائیں جو اس کی قطعیت پر واضح دلیل ہوں تو وہ علم یقینی کا فائدہ دے گی اور قوت میں متواتر کے برابر تصور ہوگی۔[مجموع الفتاوی: ۴۸،۴۱/۱۸، التحرير والتنوير: ۵۳/۱]

ان دلائل کی بنیاد پر یہ بات بالجزم کہی جاسکتی ہے کہ ثبوت قرآن کے لئے تواتر کو شرط قرار دینے والے جمہور فقہا ومحدثین اور قراءۃ متواترہ و شاذہ کے درمیان امتیاز کے لئے تین ارکان مقرر کرنے والے قراء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ امام زرقانی رحمہ اللہ اس حوالہ سے اپنی گفتگو کے آخر میں فرماتے ہیں:

وهذا التوجيه الذي وجهنا به الضابط السالف يجعل الخلاف كأنه لفظي ويسير بجماعات القراء على جدد الطريق في تواتر القرآن ”ومن سلك الجدد آمن العثار“. [مناهل العرفان: ۴۲۷/۱]

”مذکورہ ضابطہ کی جو توجیہ ہم نے بیان کی ہے' اس کے پیش نظر یہ اختلاف محض لفظی رہ جاتا ہے اور وہ قرآن کے تواتر کے سلسلہ میں قراء کو نئے راستوں سے آشنا کرتا ہے۔“ اور جو نئے راستوں پر گامزن ہوا وہ ٹھوکروں سے محفوظ رہتا ہے۔“

ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بات پر تقریباً امت کا اجماع ہے کہ جو قراءۃ مذکورہ تین ارکان کی حامل ہوگی، وہ متواتر ہے اور جس میں کوئی ایک رکن بھی مفقود ہوگا، وہ شاذ قرار پائے گی۔

لیکن ابن مقسم [1] کے متعلق منقول ہے کہ اجماع امت کے برعکس اس کا نظریہ یہ تھا کہ ہر وہ قراءۃ جو رسم عثمانی اور کسی عربی وجہ کے مطابق ہو، اس کی تلاوت جائز ہے، خواہ اس کی کوئی سند ہو یا نہ ہو۔

علماء امت نے اس نظریہ کو انتہائی گمراہ کن قرار دیا۔ اور ایسی قراءۃ کو قرآن تو درکنار خبر واحد کی حیثیت بھی نہیں دی، بلکہ ایسی قراءۃ کو قابل رد قرار دیا ہے، اس شخص کو بغداد میں وقت کے حکمران کے سامنے پیش کیا گیا اور اس دور کے فقہا و قراء کی ایک بہت بڑی مجلس میں اس نے اپنے اس فاسد نظریہ سے رجوع کیا اور وہیں اس کی توبہ کا محضر نامہ

[1] أبوبكر محمد بن حسن بن يعقوب بن الحسن بن الحسين بن محمد بن سليمان بن داؤد بن عبيد الله بن مقسم الإمام المقرئ النحوي، (۳۵۴ھ)، غاية النهاية: ۱۲۳/۱

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھا گیا۔[غاية النهاية في طبقات القراء: ۱۲۴/۱ - تاريخ بغداد: ۲۸۰/۱]

اسی طرح ایک شخص ابن شَنَبُوذ بغدادی (ت ۳۲۸) کا نظریہ یہ تھا کہ وہ قراءۃ جو صحیح سند سے منقول ہو، خواہ رسم عثمانی کے مخالف ہی ہو، اس کی قراءت جائز ہے۔ تو ابو بکر بن مجاہد (ت ۳۲۴ھ) نے سلطان راضی باللہ (ت ۳۲۹ھ) سے مطالبہ کیا کہ وہ امت کے اجماعی موقف کے خلاف ابن شنبوذ سے رجوع کروائیں۔ چنانچہ سلطان کے حکم پر وزیر محمد بن علی بن مقلہ (ت ۳۲۸ھ) کے دربار میں قضاۃ، فقہا اور قراء کی ایک مجلس منعقد ہوئی، جہاں ابن شنبوذ سے اس کے موقف پر دلیل طلب کی گئی، لیکن یہ کوئی قوی یا ضعیف دلیل بھی پیش نہ کر سکا۔ آخر سزا کے بعد اس نے اپنے اس موقف سے رجوع کر لیا۔[غاية النهاية: ۵۴/۱، ۵۵- تاريخ بغداد: ۲۸۰/۱ - في رحاب القرآن الكريم: ۴۴۲/۱]

قراءات شاذہ کی تلاوت کے حکم کے ضمن میں ہم اس باطل نظریہ پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

قراءات شاذہ کو قراءات متواترہ سے ممتاز کرنے کا دوسرا ضابطہ

علماء قراءات نے ارکان ثلاثہ کی بنیاد پر قراءت شاذہ کو قراءات متواترہ سے الگ کر دیا ہے، چنانچہ علما نے تواتر اور عدم تواتر کے اعتبار سے قراءات کی تین اقسام کی ہیں۔ امام قسطلانیؒ فرماتے ہیں:

1. قراءات سبعہ کے تواتر پر سب کا اتفاق ہے۔
2. بقیہ تین قراءات کے متواتر ہونے میں اختلاف ہے۔
3. قراءات عشرہ کے علاوہ چار قراءات کے شذوذ پر سب کا اتفاق ہے۔[لطائف الإشارات: ۱۷۰/۱]

سبعہ قراءات

ان کے متواتر ہونے کے بارے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔[اتحاف فضلاء البشر: ۷] ابن سبکی 'جمع الجوامع' میں فرماتے ہیں:

''قراءات سبعہ مکمل طور پر تواتر سے ثابت ہیں' یعنی انہیں رسول اللہ ﷺ سے اتنی بڑی جماعت نے نقل کیا کہ ان کا جھوٹ پر مجتمع ہونا محال ہے اور یہ تواتر شروع سند سے آخر سند تک موجود ہے۔ سبعہ قراءات متواتر ہیں' مد بھی متواتر ہے اور امالہ بھی متواتر ہے اور یہ سب واضح ہے' اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔[مناهل العرفان: ۴۳۶/۱]

بقیہ تین قراءات

صحیح بات یہی ہے کہ سبعہ قراءات کے علاوہ ابو جعفرؒ، یعقوبؒ اور خلفؒ کی قراءات' یعنی تمام قراءۃ عشرہ متواترہ ہیں۔[اتحاف فضلاء البشر:۷] تمام محققین اصولیین اور قراء، مثلاً مکی بن ابی طالبؒ، ابو عمرو الدانیؒ، ابو بکر ابن العربیؒ، شیخ الشافعیہ ابو عمرو عثمان بن الصلاحؒ، الشیخ المالکیۃ ابن الحاجبؒ [البرهان في علوم القرآن: ۴۸۱/۱] ابو العلاء الحسن بن احمد بن الحسن الصمدانیؒ، ابن تیمیہؒ، ابن حبانؒ وغیرہ [النشر: ۳۷/۱، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱] نیز حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور بعض شافعیہ کا موقف بھی یہی ہے۔[الموسوعة الفقهية: ۴۴/۳۳] ابن سبکیؒ، ابن جریرؒ، امام نوویؒ، بلکہ ابو شامہؒ [1] کی بھی یہی رائے ہے، مقری

---

[1] صحیح بات یہ ہے کہ ابن شامہ کے متعلق قراءات عشرہ کی بعض وجوہ کے عدم تواتر کا قول ان کی کتاب میں دسیسہ کاری ہے۔ یا پھر یہ ان کا شروع میں موقف تھا لیکن بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔[مناهل العرفان: ص ۴۴۱/۱]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور فقیہ امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں قراءات عشرہ کے تواتر پر اجماع نقل کیا ہے۔[تفسير بغوي: ۳۰/۱،۳۱] اسی طرح ابن جزری رحمہ اللہ نے قاضی القضاۃ ابونصر عبدالوہاب اور الاستاذ اسماعیل بن ابراہیم کا قراءات عشرہ کے متواتر ہونے پر فتویٰ ذکر کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ابن حاجب رحمہ اللہ کی طرف بقیہ تین قراءات کے عدم تواتر کا قول منسوب کرنا غلط ہے۔[النشر: ۴۵/۱، ۴۶، ۴۷] ہاں ابن حاجب رحمہ اللہ کے بارے میں یہ درست ہے کہ وہ فروش کو متواتر مانتے ہیں، لیکن اصول کو متواتر تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے اس موقف کا ابن جزری رحمہ اللہ نے سخت رد کیا ہے۔[منجد المقرئين: ۵۷] اور ابن سبکی رحمہ اللہ نے قراءات عشرہ کے ہر ہر حرف کو متواتر، منزل من الله اور دین کا لازمی جز قرار دیا ہے۔[النشر: ۴۶/۱]

اور اگر ابوشامہ رحمہ اللہ اور دیگر نے بعض قراءات کے عدم تواتر کی بات کی ہے تو اس کی بنیاد ان کا یہ وہم ہے کہ جب کوئی قراءۃ کسی معین شخص کی طرف منسوب ہو جائے تو وہ خبر واحد بن جاتی ہے، حالانکہ انہوں نے اس بات کی طرف دھیان نہیں دیا کہ ہر وہ قراءۃ جو مشہور قراء میں سے کسی قاری کی طرف منسوب ہے، اس کو پڑھنے والے، اس قاری کے زمانہ میں یا اس سے پہلے ایک بہت بڑی تعداد تھی، بلکہ وہ اس کے دور سے کئی گنا زیادہ تھی۔[المنجد: ۶۸]

ابن سبکی رحمہ اللہ نے بھی ابن جزری رحمہ اللہ کی تائید کی ہے اور کہا ہے:

”اگر قراء کی اَسانید آحاد بھی ہوں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر قراءات متواترہ کی اسانید مخصوص افراد کی طرف منسوب ہوگئی ہیں تو اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ ان کے علاوہ اور لوگوں نے قراءات کو نقل نہیں کیا، بلکہ یہ واقعہ ہے کہ ہر امام کی قراءۃ کو ایک جم غفیر نے اس امام کے اہل علاقہ کے ایک جم غفیر سے روایت کیا۔ اور اسی طرح ہر طبقہ میں یہ تعداد بڑھتی رہی۔ ائمہ کی طرف اور ان کی اسانید میں موجود رواۃ کی طرف ان قراءات کے منسوب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ان قراءات کو ضبط کیا تھا اور اپنے شیوخ سے ان قراءات کو مکمل طور پر یاد کیا تھا۔[مناهل العرفان: ۴۳۶/۱]

یہی بات ابن جزری رحمہ اللہ کے شیخ ابو المعالی محمد بن احمد بن اللبیان رحمہ اللہ (ت ۷۷۶ھ) نے نہایت واضح انداز میں کہی ہے۔[المنجد: ۷۰]

اور ابن خلدون رحمہ اللہ نے یہ تصریح کی ہے کہ بعض نے اگرچہ ان قراءات کے طرق کے تواتر میں اختلاف کیا ہے، کیونکہ وہ ان کے نزدیک کیفیات ادا سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن ان کے نزدیک بھی اس سے قرآن کے تواتر میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔[تفسير القاسمي: ۳۰۶/۱]

اس وضاحت کے بعد ہم بالجزم کہہ سکتے ہیں کہ قراءات عشرہ کے تواتر پر امت کے تمام علما وفقہا اور قراء متفق ہیں اور ابو شامہ رحمہ اللہ اور ابن الحاجب رحمہ اللہ بھی ان کے درحقیقت عدم تواتر کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ امام ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الذي وصل إلينا اليوم متواتراً وصحيحا مقطوعاً به قراءات الأئمة العشر ورواتهم المشهورين هذا الذي تحرر من أقوال العلماء وعليه الناس اليوم بالشام والعراق ومصر والحجاز . “ [المنجد المقرئين:۲۳]

”وہ قراءات جو آج ہم تک تواتر اور قطعی ذریعہ سے پہنچی ہیں، وہ ائمہ عشر اور ان کے مشہور رواۃ کی قراءات ہیں۔ یہی بات علما کے اقوال سے ثابت ہوتی ہے اور اسی پر آج اہل شام، عراق، مصر اور اہل حجاز کا اجماع ہے۔“

امام البناء دمیاطی رحمہ اللہ قراءات عشرۃ کو متواتر قرار دینے کے بعد فرماتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وهو الصحيح المختار الذي تلقيناه من عامة شيوخنا وأخذنا به عنهم وبه ناخذ.

[اتحاف فضلاء البشر:۷]

امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی قراءات عشرۃ کے تواتر پر اجماع نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''تمام امصار کے مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ ان ائمہ نے جو قراءات روایت کی ہیں یا انہیں تصنیفات میں تحریر کیا ہے' ان پر اعتماد کیا جائے گا اور ان قراءات کے صحیح ہونے پر ہر زمانہ میں مسلسل اجماع چلا آرہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا ہوا ہے۔ تمام محققین فضلا اور تمام ائمہ سلف' جیسے ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اور قاضی ابی بکر بن ابی الطیب رحمہ اللہ وغیرہ اسی موقف کے حامل ہیں۔''

ابن مجاہد رحمہ اللہ کے سات قراءات کو جمع کرنے کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ صرف یہی سات قراءات متواترہ ہیں، مجدد، مجتھد العصر، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کا ازالہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابن مجاہد رحمہ اللہ اور کسی عالم کا بھی یہ اعتقاد نہیں تھا کہ سبعہ احرف سے مراد یہی سبعہ قراءات ہیں، بلکہ انہوں نے سات قراءات کو اس لئے جمع کیا تھا کہ جن حروف پر قرآن نازل ہوا، اس کے ساتھ لفظی موافقت ہو جائے۔

اس کے بعد ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علماء سلف اور ائمہ دین نے اس بارے میں کبھی اختلاف نہیں کیا کہ یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ تمام علاقوں میں صرف یہی سات قراءات ہی پڑھی جائیں گی' بلکہ جس شخص کے نزدیک اعمش رحمہ اللہ اور یعقوب حضرمی رحمہ اللہ وغیرہ کی قراءۃ امام حمزہ رحمہ اللہ اور کسائی رحمہ اللہ کی طرح ثابت ہو جائے تو وہ ان کی قراءات کرسکتا ہے۔ اس پر تمام معتبر ائمہ کا اتفاق ہے...... اسی وجہ سے ائمہ اہل عراق جن کے نزدیک دس یا گیارہ قراءات ان سات قراءات کی طرح صحیح ثابت ہیں، وہ انہیں کتب میں جمع کرتے اور نماز اور غیر نماز میں تلاوت کرتے ہیں اور یہ بات علما کے درمیان متفق علیہ ہے' کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔'' [النشر: ۱/۳۹،۴۰]

نیز رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ ''أنزل القرآن على سبعة أحرف'' چنانچہ ہم قطعی اور یقینی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن سات حروف (وجوہ) پر نازل ہوا ہے اور دلائل سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ قرائات عشرہ کے علاوہ سب منسوخ ہوگئیں تھیں۔ لہٰذا یہ قراءات اپنے ثبوت میں قطعی ہیں اور قرآن کریم کا لازمی حصہ ہیں اور جب تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ قرآن اپنے اجزاء اور ابعاض سمیت سب کا سب تواتر سے ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ قرآن کا ہر جز تواتر سے ثابت ہے' کیونکہ کل، جز کو مستلزم ہے، مثلاً 'الصراط' میں ایک قراءت سین کے ساتھ اور ایک ضاد کے ساتھ ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں قراءات متواتر اور قرآن ہیں، کیونکہ دونوں ایک ہی ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں اور اگر ہم یہ کہیں کہ ایک متواتر ہے اور دوسری متواتر نہیں' حالانکہ دونوں کا طریق ورود ایک ہے تو یہ محض ضد اور دو باہم مساوی چیزوں کے درمیان امتیاز نہ کرنے کے مترادف ہوگا۔ اور جب پورا قرآن متواتر ہے تو پھر اس کے ایک جز کو غیر متواتر قرار دینا گویا پورے قرآن پر عدم اعتماد کا اظہار ہے جو کہ سراسر باطل ہے۔

تمام عقلی و نقلی دلائل اور علماء سلف کے اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قراءات عشرہ ہی متواتر ہیں اور ان کے علاوہ باقی سب شاذ ہیں اور ہم نے قراءات عشرہ کے تواتر کے ثبوت کو اس لئے اہمیت دی ہے، تاکہ شاذ قراءات کے امتیاز میں کوئی دشواری باقی نہ رہے اور ان لوگوں کا رد ہو جائے جو چودہ قراءات کو متواتر کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ 'تعرف الأشياء بأضدادها'

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قراءاتِ عشرہ درج ذیل طرق سے مروی ہیں

الرقم	قراءة	روایت	طریق	
١	نافع المدني	قالون ورش	ابن نشيط أزرق	محمد بن هارون أبي يعقوب يوسف
٢	ابن كثير المكي	البزي قنبل	أبى ربيعة ابن مجاهد	محمد بن إسحق أبى بكر أحمد بن مجاهد
٣	أبي عمر البصري	الدوري السوسي	أبي الزعراء أبى عمران	عبدالرحمن بن عبدوس موسى بن جرير
٤	ابن عامر الدمشقي	هشام ابن ذكوان	الحلواني أخفش	أبي الحسن أحمد بن يزيد هارون بن موسىٰ
٥	عاصم الكوفي	شعبة حفص	الصلحي	أبي زكريا يحيىٰ بن آدم عبيد بن الصلاح النهشلي
٦	حمزه الكوفي	خلف خلاد	أبي الحسن ابن بويان عن إدريس بن عبدالكريم الحداد أبي بكر محمد بن شاذان الحوري	
٧	علي الكسائي الكوفي	أبوالحارث الدوري	محمد بن يحيىٰ البغدادي (الكسائى الصغير) أبي الفضل جعفر بن محمد النصيبي	
٨	أبى جعفر المدني	ابن وردان ابن جماز	فضل بن شاذان أبو أيوب الهاشمي	
٩	إمام يعقوب بن إسحاق	رويس روح	التمار محمد ابن وهب	
١٠	إمام خلف بن هشام	اسحاق إدريس	ابن شاذان المطوعي	

قراءاتِ عشرہ کے علاوہ چار قراءات شاذہ ہیں

بعض نے قراءۃ عشرہ کے علاوہ بھی بعض قراءات کو متواتر کہا ہے‘ لیکن فن قراءۃ کے امام ابن جزری رحمہ اللہ نے نہایت وضاحت سے یہ ذکر کر دیا ہے کہ صرف قراءات عشرہ ہی ارکان ثلاثہ پر پوری اترتی ہیں اور ان کے علاوہ آج کوئی متواتر قراءۃ موجود نہیں ہے‘ وہ فرماتے ہیں:

أن الذي جمع في زمننا هذه الأركان الثلاثة هو قراءة الأئمة العشرة التي أجمع الناس على تلقيها بالقبول. أخذها الخلف عن السلف إلى أن وصلت إلى زماننا. فقراءة أحدهم

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كقراءة الباقيين في كونها مقطوعا بها . أما قول من قال: إن القراءات المتواترة لا حد لها، فإن أراد القراءات المعروفة في زماننا فغير صحيح لأنه لا يوجد اليوم قراءة متواترة وراء القراءات العشر . وإن أراد ما يشمل قراءات الصدر الأول فمحتمل .'' [المنجد المقرئين: ص ۱۵، ۱۶]

''وہ قراءات جو ہمارے دور میں ان تین ارکان کی جامع ہیں، وہ دس ائمہ کی قراءۃ ہے جن کے قبول عام پر تمام لوگوں کا اجماع ہے۔انہیں خلف نے سلف سے حاصل کیا، یہاں تک کہ یہ ہم تک پہنچیں، ان میں ہر ایک سے قراءت دیگر قراءات کی طرح قطعی ہے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ قراءات متواترہ کی کوئی حد معین نہیں ہے، اگر تو اس کی مراد ہمارے دور کی معروف قراءات ہیں تو یہ بات صحیح نہیں' کیونکہ آج قراءات عشرۃ کے علاوہ کوئی قراءۃ متواتر نہیں ہے اور اگر اس سے مراد صدر اول کی قراءات ہیں تو اس میں احتمال ہے۔''

◉ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''القرآن التي تجوز به في الصلاة بالاتفاق هو المضبوط في المصاحف التي بعث بها عثمان إلى الأمصار، وهو الذي أجمع عليه الأئمة العشرة وهذا هو المتواتر جملة و تفصيلًا فما فوق السبعة إلى العشرة غير شاذ وإنما الشاذ ما وراء العشرة وهو الصحيح .''

[ردالمحتار على درالمختار المعروف بحاشية ابن عابدين: ۱۶۴/۲، تحقيق وتخريج محمد صبحي حسن حداد عامر حسين، دارإحياء التراث العربي، بيروت، لبنان،]

''وہ قرآن جس کے ساتھ بالاتفاق نماز جائز ہے، وہ ہے جو ان مصاحف میں تحریر ہے، جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف علاقوں کی طرف روانہ کیا تھا اور یہ وہی ہے جس پر ائمہ عشر کا اجماع ہے اور یہ اجمالی اور تفصیلی ہر لحاظ سے متواتر ہے۔ سات سے دس تک قراءات شاذ نہیں ہیں، بلکہ شاذ وہ ہیں جو دس کے علاوہ ہیں اور یہی بات صحیح ہے۔''

آخر میں ہم امام زرکشی رحمہ اللہ کی کلام سے یہ سلسلہ گفتگو ختم کرتے ہیں جنہوں نے قراءات شاذہ اور متواترہ کے درمیان ایک واضح ضابطہ متعین کر دیا ہے، فرماتے ہیں:

''والمعروف أنها، أي القراءة الشاذة ما وراء السبعة والصواب ما وراء العشر وهي ثلاثة آخر يعقوب وخلف وأبوجعفر يزيد بن القعقاع . فالقول بأن: هذه الثلاثة غير متواترة ضعيف جدا .'' [البحر المحيط: ۴۷۴/۱]

''معروف یہ ہے کہ قراءات سبعہ کے علاوہ سب قراءات شاذہ ہیں (یہ نظریہ غلط اور فاسد ہے)[1] [النشر: ۴۵/۱] صحیح یہ ہے کہ قراءاتِ عشرہ، یعنی قراءتِ سبعہ اور ان کے ساتھ یعقوب، خلف اور ابوجعفر کی تین قراءات کے علاوہ باقی شاذ ہیں اور یہ قول کہ یہ تین قراءتیں متواتر نہیں ہیں' انتہائی ضعیف ہے۔''

ان تمام عقلی ونقلی دلائل اور علمائے سلف کے اقوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قراءات عشرہ ہی متواتر ہیں اور ان کے علاوہ باقی سب شاذ ہیں اور ہم نے قراءات عشرہ کے تواتر کے ثبوت کو اس لئے اہمیت دی ہے، تاکہ شاذ قراءات کے امتیاز میں کوئی دشواری باقی نہ رہے اور ان لوگوں کا رد ہو جائے جو چودہ قراءات کو متواتر کہتے ہیں، کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ تعرف الأشياء بأضدادها ''اشیاء کی معرفت ان کی اضداد سے ہوتی ہے۔'' لہٰذا قراءات شاذّہ کے تعین

① عبدالوهاب بن السبکي فرماتے ہیں: ''والصحيح إنما وراء العشر فهو شاذ وما يقابل الصحيح إلا فاسد .''

* ....

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے لیے ضروری تھا کہ پہلے قراءات متواترہ کی صحیح کیفیت پیش کی جائے تاکہ قراءات شاذّہ پر نقد کی زد میں قراءات متواترہ کے آنے کا شبہ نہ رہے کیونکہ قراءات متواترہ امت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ وہ کلام الٰہی (قرآن کریم) ہی کی متنوع صورتیں ہیں جو عالم اسلام میں مروج چلی آ رہی ہیں۔ *

قراءاتِ شاذّہ کی مختلف اَقسام

گزشتہ صفحات میں مذکور قراءۃ شاذّہ کی تعریف اور ضوابط اصولیہ کی بنیاد پر ہم قراءات شاذّہ کو درج ذیل اقسام میں منحصر کر سکتے ہیں:

① وہ قراءۃ جس کی سند صحیح ہو اور کسی عربی وجہ کے بھی مطابق ہو اور رسم عثمانی کے بھی موافق ہو، لیکن نہ تو بطریق تواتر ثابت ہو اور نہ ہی ایسے طریق سے جو قوت میں تواتر کے مساوی ہو، مثلاً ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءۃ: «إما تأتينكم رسل منكم» (تائے تانیث کے ساتھ ہے۔) ① [المحتسب: ۱/۲۴۷] اس کے علاوہ اس کی متعدد مثالیں کتب قراءات میں موجود ہیں۔

② وہ قراءۃ جس کی سند صحیح ہو اور لغت عرب کی کسی وجہ کے موافق ہو، لیکن مصاحف عثمانیہ میں کسی مصحف کے رسم کے مطابق نہ ہو۔ مثال کے طور پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی قراءۃ ﴿وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى﴾ «والذكر والأنثى». [الليل: ۱،۳] [صحيح البخاري: ۴۹۴۴]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی قراءۃ: ''وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ «صالحة» غَصْباً وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ «كافرا»'' [الكهف: ۷۹، ۸۰] [صحيح البخاري: ۴۷۲۵، ۴۷۲۶]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی قراءۃ: ﴿يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ﴾ [الطلاق: ۱] «في قبل عدتهن». [صحيح مسلم: ۱۴۷۱ - الموطأ: ۲/۵۸۷ - جزء فی قراءات النبي ﷺ (إمام الدوري): ۱۶۲ - المستدرك للحاكم: ۲/۲۵۰]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں قراءۃ کی اس قسم کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ اور متعدد امثلہ ذکر کی ہیں۔ [الاتقان: ۱/۷۷] اسی طرح ابو عبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ نے بھی رسم عثمانی کے مخالف حروف کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے اور رسمِ عثمانی کے مخالف تقریباً ۱۰۰ روایات ذکر کی ہیں۔
[فضائل القرآن: ۲/۱۰۵-۱۴۵]

قراءاتِ شاذّہ کی یہی دو اقسام ہیں، جن کے متعلق ہم آئندہ صفحات میں یہ بحث کریں گے کہ فقہا کے نزدیک ان کی کیا حیثیت ہے؟

① اس میں متواتر قراءۃ: ﴿إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ وہ قراءۃ جس کی سند صحیح ہو، رسمِ عثمانی کے مطابق ہو اور لغتِ عربی کے مخالف ہو، امام ابن جزری رحمہ اللہ کے بقول یہ قسم بہت ہی کم ہے، بلکہ مفقود ہے۔ اگر اس کی کوئی مثال ہے بھی تو وہ سہو، غلطی اور عدم ضبط کا نتیجہ ہے، جس سے ائمہ محققین اور حفاظِ قراءۃ واقف ہیں، کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی قراءۃ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اور پھر لغتِ عرب کے مطابق نہ ہو۔

بعض نے خارجة عن نافع کی روایت: «معائش» ہمزہ کے ساتھ [1] اسی طرح إبن بكار عن أيوب عن يحییٰ عن ابن عامر کی روایت: «أدرى أقريب» ہمزہ اور یا کے فتح کے ساتھ۔ اسی طرح ابو علی العطا کی روایت عن العباس عن أبي عمر: «ساحران تظاهَّرا» (ظا کی تشدید کے ساتھ) کو اسی قبیل سے قرار دیا ہے۔ ایسی تمام قراءات سہو، غلطی اور عدم ضبط کا نتیجہ ہیں، لہٰذا قابل رد ہیں۔ [النشر: ۱/۱۶]

④ بعض قراءات ایسی بھی ہیں جن کی اسانید صحیح ہیں، لیکن درحقیقت وہ قرآن نہیں ہیں، بلکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دورانِ تلاوت کسی لفظ کی تفسیر اور تشریح کیلئے بعض کلمات کا اضافہ کر دیتے تھے اور بعض ساتھ لکھ بھی دیتے تھے، جس کے لئے 'مدرج' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ چونکہ وہ براہ راست رسول اللہ ﷺ سے قرآن حاصل کر رہے تھے، قرآن کے متن کو خوب جانتے تھے، اس لئے ان الفاظ کے اضافہ سے قرآن کے متن میں اضافہ کا کوئی خدشہ نہ تھا۔ ایسے ہی بعض تابعین نے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے کیا۔ [أیضاً: ۱/۳۲، الاتقان: ۱/۷۹]

مدرج قراءۃ کی مثال سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قراءۃ: « وله أخ أو أخت من أم » میں «من أم» کے لفظ ہے، اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تفسیری اضافہ ہے۔

⑤ وہ قراءۃ جس کی سند صحیح نہ ہو، خواہ وہ رسمِ عثمانی اور لغتِ عرب کے موافق ہو یا مخالف، ایسی قراءۃ بالاتفاق ضعیف اور قابل رد شمار ہوگی۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ان تمام قراءات کو موضوع قرار دیا ہے۔ [الاتقان: ۱/۷۷] امام مکی بن ابی طالب رحمہ اللہ نے کتبِ شواذ میں موجود قراءات کی غالب اکثریت کی اسناد کو ضعیف قرار دیا ہے۔
[النشر فی القراءات العشر: ۱/۱۶]

مثال کے طور پر ابن السمیفع [2] اور ابو السمال [3] وغیرہ کی قراءات ﴿نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ﴾ کی بجائے «نُنْجِيْكَ بِبَدَنِكَ» اور ﴿لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً﴾ کی بجائے «خَلَفَكَ» لام کی فتح کے ساتھ ہے۔

اسی طرح وہ قراءات جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ [4] کی طرف منسوب ہیں۔ ابو الفضل محمد بن جعفر خزاعی نے یہ قراءات ایک کتاب میں جمع کر کے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیں اور اس سے پھر ابو القاسم الہذلی

---

① ابن مجاہدؒ نے القراءات السبعة: ۲۷۸ میں اس روایت کو غلط قرار دیا ہے۔ اسی طرح علی النوری الصفاقسی نے اپنی کتاب غيث النفع میں کہا ہے کہ ''معایش تمام قراء کے نزدیک ہمزہ اور مد کے بجائے یا کے ساتھ ہے اور خارجہ، نافع سے ہمزہ کے ساتھ روایت کرنے میں منفرد اور شاذ ہیں اور یہ وجہ انتہائی ضعیف ہے، بلکہ بعض نے اسے لحن قرار دیا ہے۔'' [غيث النفع على حاشية سراج القاری: ۲۲۱]

② ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن بن السميفع اليمانی؛ اس کا قراءۃ کے بارے میں اجماع امت سے الگ ضابطہ تھا۔ یہ اسمٰعیل بن مسلم مکی کے حوالہ سے قراءت بیان کرتا ہے جو کہ مجہول اور ضعیف ہے، لہٰذا اس کی قراءات ضعیف شمار ہوں گی۔ [غاية النهاية: ۲/۱۶۱، ۱۶۲]

③ ابو السمال قعنب بن ابو قعنب العدوی البصری؛ اس کا بھی قراءۃ میں اجماع امت سے الگ ضابطہ تھا۔ یہ جس سند سے قراءۃ بیان کرتا ہے، وہ ضعیف ہے۔ [غاية النهايه: ۲/۲۷]

④ نعمان بن ثابت بن زوطا (ت ۱۵۰ھ) ائمہ اربعہ میں سے مشہور امام ہیں، عراق کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ [غاية النهاية: ۲/۳۴۲]

٭ النشر فی القراءات العشر: ۱/۱۶

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے انہیں نقل کیا۔ ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ابو العلا الواسطی نے کہا ہے کہ میں نے امام دارقطنی رحمہ اللہ اور علما کی ایک جماعت کی تحریرات دیکھیں، جن میں یہ صراحت تھی کہ یہ کتاب موضوع اور خود ساختہ ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ان میں سے ایک قراءۃ: «إنما يخشى اللهُ عباده العلماء» لفظ 'اللہ' کی رفعی حالت اور لفظ 'العلماء' کی نصبی حالت کے ساتھ ہے۔ یہ قراءۃ اکثر مفسرین کے ہاں رائج ہوگئی ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ اس سے بری الذمہ ہیں۔[النشر فی القراءات العشر: ۱/۱۶]

اسی طرح وہ قراءات جو شاطبیہ کے بعض شارحین نے وقفِ حمزہ کے بارے میں ذکر کی ہیں، وہ بھی قراءات شاذّہ کی ان دو مؤخر الذکر مردود اقسام میں شامل ہوں گی۔

مثال کے طور پر أسمايهم، أوليك (ہمزہ کی بجائے یا) شركاوهم، أحباوه (ہمزہ مرفوعہ کی بجائے واؤ) بداكم، أخاه (ہمزہ کی بجائے الف) اسی طرح مرأى کی بجائے مرا اور ترى کی بجائے ترا اور اشمأزت کی بجائے اشمزّت اور فادّرأتم کی بجائے فادراتم، ان تمام الفاظ میں ایک ایک کلمہ حذف کیا گیا ہے، جسے وہ تخفیف رسمی کا نام دیتے ہیں۔ یہ تمام قراءات کسی بھی عربی وجہ کے مطابق نہیں ہیں، لہٰذا اگر یہ ثقہ رواۃ سے منقول ہوں تو بھی ان کو قبول نہیں کیا جا سکتا ہے اور اگر یہ غیر ثقہ سے منقول ہیں تو پھر یہ رد کے زیادہ لائق ہیں۔[أیضاً ۱/۱۶۔۱۷]

حقیقت یہ ہے کہ ان قراءات کی کوئی اصل موجود نہیں ہے۔ چنانچہ ابن جزریؒ فرماتے ہیں: ''جستجوئے بسیار کے باوجود بھی مجھے کسی صحیح یا ضعیف طریق سے ان کی نص نہیں مل سکی۔'' [أیضاً: ۱/۱۷] اگر حقیقت ایسے ہی ہے جیسا کہ ابن جزریؒ نے بیان کیا ہے تو پھر وقفِ حمزہ کی طرف منسوب ان الفاظ کو درج ذیل آخری قسم میں شمار کیا جانا چاہیے۔

۶ چھٹی قسم ان قراءات کی ہے جو رسمِ عثمانی اور لغتِ عرب کے موافق تو ہیں، لیکن سرے سے ان کی کوئی سند ہی نہیں ہے۔ ایسی قراءات کو شاذّہ کی بجائے 'مکذوبة' کہا جائے گا اور ایسی قراءات کو قرآن کہنے والا کافر قرار دیا جائے گا۔[منجد المقرئین: ۱۷- لطائف الإشارات: ۷۲]

قراءاتِ شاذّہ کی حیثیت ومقام

جب ہم گزشتہ باب پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو درج ذیل نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں:

۱ تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ثبوتِ قرآن کے لئے تواتر اور نصِ قطعی کا ہونا شرط ہے۔

۲ ہر وہ قراءۃ متواتر ہوگی جو مذکورہ تین ارکان کی جامع ہوگی۔

۳ صرف قراءاتِ عشرہ ہی متواتر ہیں جو ان تین ارکان پر پورا اترتی ہیں، ان کے علاوہ باقی سب قراءات احادیہ اور شاذّہ ہیں۔

۴ وہ قراءات جو رسمِ عثمانی کے مطابق ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں، لیکن وہ تواتر اور قبولِ عام کے مقام پر فائز نہیں ہیں، دراصل یہ وہ قراءات تھیں جو سبعہ احرف کا حصہ تھیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جبریل کے آخری دورِ قرآن میں بعض مصالح کے پیش نظر انہیں منسوخ کر کے دائرہ قرآن سے نکال دیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تواتر کے ذریعہ ہم تک نہیں پہنچیں۔

۵ وہ قراءات جو بطریق آحاد ثابت ہیں، لیکن رسمِ عثمانی کے مخالف ہیں، دو حال سے خالی نہیں ہیں یا تو یہ قرآن تھیں

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

،لیکن عرضۂ اخیرہ کے وقت منسوخ کر دی گئیں یا یہ شروع سے ہی قرآن نہیں تھیں، بلکہ یہ آیات کی تفسیر تھیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں۔ جن حضرات نے ان قراءات کو بطور قرآن بیان کیا ہے، اس سے ان کا مقصود یا تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ پہلے یہ قرآن تھیں، یا انہوں نے غلطی سے انہیں قرآن سمجھ لیا، حالانکہ وہ قرآن کی تفسیر تھی یا عرضۂ اخیرہ کے وقت حاضر نہ ہونے کی وجہ سے انہیں ان کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہو سکا، البتہ یہ حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دور میں جمع قرآن کے وقت سب صحابہؓ ان قراءات کے عدم قرآن ہونے پر متفق ہو گئے۔

❻ ان کے علاوہ جتنی بھی قراءات ہیں، سب باطل اور ضعیف ہیں جن کو بعض اسلام دشمن عناصر نے اپنے اہداف کو بروئے کار لانے کے لئے گھڑا تھا یا پھر وہ سہو، لحن اور لغتِ عرب سے ناواقیت کا نتیجہ ہیں۔ ان کو امت نے کسی بھی حیثیت سے قبول نہیں کیا، لہٰذا یہ ہماری اس بحث سے خارج ہیں۔

یہاں ہمارے زیر بحث صرف وہ قراءات شاذّہ ہیں جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں کہ آیا ان قراءات شاذّہ کو قرآن قرار دیا جا سکتا ہے؟ نماز یا اس کے علاوہ ان کی تلاوت کا حکم کیا ہے؟ اس سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ کیا استنباطِ احکام میں فقہا اور مفسرین نے ان کو قبول کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو کس حیثیت سے، بطور قرآن یا خبر واحد؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ یہ وہ موضوع ہے جس پر ہم آئندہ صفحات میں بحث کریں گے۔

گذشتہ باب کے نتائج کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے اگر ہم غور کریں تو یہ بات حتمی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ قراءۃ شاذّہ قرآن نہیں ہے، کیونکہ اس میں وہ تمام شرائط مفقود ہیں، جو ثبوتِ قرآن کے لئے ضروری ہیں، لہٰذا پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ قراءۃ شاذّہ قرآن نہیں ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں اس حقیقت پر تمام مکاتبِ فکر اسلامیہ کے اقوال پیش کر دیئے جائیں، تاکہ اعدائے اسلام اور مستشرقین کے لئے اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

◉ امام سرخسی رحمہ اللہ قراءۃ شاذّہ کے قرآن نہ ہونے پر امت کا اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اعلم بأن الكتاب هو القرآن المنزل على رسول الله ﷺ، المكتوب في دفات المصاحف المنقول إلينا على الأحرف السبعة المشهورة نقلاً متواترا؛ لأن ما دون المتواتر لايبلغ درجة العيان ولاتثبت بمثله القرآن مطلقا؛ ولهذا قالت الأمة: لو صلّى بكلمات تفرد بها ابن مسعود لم تجر صلاته؛ لأنه لم يوجد فيه النقل المتواتر وباب القرآن باب يقين وإحاطة فلاتثبت بدون النقل المتواتر كونه قرآنا.“

[أصول السرخسي، أبوبكر محمد بن أحمد بن أبى سهل السرخسي: ۲۷۹/۱-۲۸۰]

”جان لیجئے! قرآن کریم وہ کتاب ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی۔ جلدوں کے درمیان مصاحف میں لکھی ہوئی ہے۔ مشہور سات حروف کے مطابق تواتر کے ذریعے نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہے، اس لئے کہ جو متواتر کے علاوہ ہے، وہ قطعیت اور عین الیقین کے درجہ کو نہیں پہنچتا، اور ایسی چیز سے قرآن کا ثبوت ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے امت اس بات پر متفق ہے کہ اگر کوئی شخص ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی شاذ قراءۃ کو نماز میں پڑھے گا، اس کی نماز نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں نقل تواتر موجود نہیں ہے۔ اور جو متواتر نہیں ہے، اسے قرآن نہیں کہا جا سکتا۔“

◉ امام زرکشی رحمہ اللہ نے الکیا طبری رحمہ اللہ کے حوالہ سے اس پر علما کا اتفاق نقل کیا ہے ان کا بیان ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"القراءة الشاذة مردودة لا يجوز إثباتها في المصحف، وهذا لا خلاف فيه بين العلماء."
[البحر المحيط في أصول الفقه: ۱/۴۷۵، ایڈٹ: عبد الستار أبو غده]
''قراءۃ شاذّہ قابل رد ہیں، ان کو مصحف میں شامل کرنا ممنوع ہے اور علما کے درمیان اس مسئلہ پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔''
صاحب مسلّم الثبوت فرماتے ہیں:
''جو قراءات بذریعہ آحاد نقل ہوئی ہیں، وہ قطعاً قرآن نہیں ہیں۔ [مسلّم الثبوت لعبدالعلي الهندي: ۱۵۰]

- امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی قراءاتِ شاذّہ کو قطعی طور پر قرآن سے الگ قرار دیا ہے۔
[أصول الفقه الإسلامي للدكتور وهبه الزحيلي: ۱/۴۲۷]

- عبدالعلی الانصاری رحمہ اللہ کا بیان ہے:
" القراءة الشاذة ليست من القرآن اتفاقاً." [فواتح الرحموت لعبدالعلي: ۲/۱۴]
''قراءۃ شاذّہ بالاتفاق قرآن نہیں ہے۔''

مالکیہ کے بہت بڑے فقیہ امام باجی رحمہ اللہ [1] نے بھی متواتر کے علاوہ کسی خبر کو قرآن میں لکھنے کی ممانعت پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔ [المنتقیٰ: ۱/۲۴۴]

اسی طرح حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے قراءۃ شاذّہ کی تلاوت، اور نماز میں قراءۃ شاذّہ کی تلاوت کرنے والے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت پر امتِ مسلمہ کے تمام علما کا اجماع نقل کیا ہے اور جن چند افراد نے اس سے اختلاف کیا ہے، انہیں امت کے اجماعی موقف سے منحرف قرار دیا ہے۔ [التمهيد لابن عبد البر: ۸/۲۹۳]

امام ابن حزم رحمہ اللہ قراءات شاذّہ کے عدمِ قرآن ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق و اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
"من العجب احتجاجكم بهذه الزيادة التى أنتم مجمعون معنا على أنها لا يحل لأحد أن يقرأ بها ولا أن يكتبها فى مصحفه."
''تعجب ہے کہ تم قراءۃِ شاذّہ کے اس اضافہ کو استدلال کی بنیاد بناتے ہو، حالانکہ ہمارا اور تمہارا اس بات پر اجماع ہے کہ قراءۃ شاذّہ کی تلاوت اور ان کو مصحف میں لکھنا جائز نہیں ہے۔'' [المحلیٰ لابن حزم: ۴/۲۵۵]

قراءاتِ شاذّہ کے قرآن نہ ہونے کی اہم دلیل یہ ہے کہ ان کو قبولِ عام اور تواتر حاصل نہیں ہوا۔ اگر یہ قرآن ہوتیں تو یقیناً بطریقِ تواتر منقول ہوتیں اور امت میں ان کو بھی قراءات متواترہ کی طرح قبول عام حاصل ہوتا، کیونکہ قرآن جس نے پوری دنیا کو ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت بنانے کا چیلنج دیا، لیکن عرب کے مایہ ناز بلغاوفصحا سورت تو کیا ایک آیت بھی بنا کر نہ لا سکے تو ایسا عظیم معجزہ جو آج تک پوری انسانیت کے لئے ایک چیلنج بنا ہوا ہے اور ہر دور میں اس کے بذریعہ تواتر نقل ہونے میں متعدد اسباب کارفرما رہے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کوئی چیز قرآن ہو اور چند افراد کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہ ہو؟ چنانچہ ثابت ہوا کہ تواتر کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے قراءۃ شاذّہ پر قرآن

---

(1) ابو الولید سلیمان بن خلف بن سعد القرطبی الباجی (ت ۴۷۴ھ) مالکیہ کے بہت بڑے فقیہ اور عظیم محدث تھے۔ اندلس کے شہر باجہ (Beja) میں پیدائش کی وجہ سے باجی کہلائے۔ حصولِ علم کے لئے اندلس سمیت بغداد، موصل، دمشق اور حلب کا سفر کیا۔ اندلس کے بعض علاقوں میں قاضی کے منصب پر فائز رہے۔ علوم اسلامیہ پر انہوں نے متعدد کتب تصنیف کیں۔ [الأعلام: ۳/۱۸۶]

(2) محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم المحلی الشافعی (ت ۸۶۴ھ) عظیم مفسر اور اصولی گزرے ہیں۔ ابن العماد نے انہیں عرب کا تفتازانی قرار دیا ہے۔ نہایت خوددار آدمی تھے، کوئی حکمران ملنے آتا تو ملنے سے انکار کردیتے۔ حکومتِ وقت کی طرف سے چیف جسٹس کے عہدہ کی پیش کش ہوئی تو ٹھکرا دیا۔ [الأعلام: ۴/۱۱۰]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ شہاب الدین القسطلانیؒ اس پر علما کا اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”أجمع الأصوليون وغيرهم على أن الشاذ ليس بقرآن لعدم الصدق لفظ القرآن عليه أو شرطه وهو التواتر.“ [لطائف الإشارات: ۷۲]

جمع الجوامع کے شارح جلال الدین المحلی [۲] فرماتے ہیں:

”قراءۃ شاذّہ اس لئے قرآن نہیں ہے کہ وہ متواتر نہیں ہے، (اگر یہ قرآن ہوتی تو یقیناً بذریعہ تواتر منقول ہوتی) حالانکہ قرآن دنیا کے لئے ایک عظیم معجزہ ہونے ناطے بذریعہ تواتر منقول ہونے کے لئے متعدد اسباب کا حامل ہے۔“ [حاشیة العطار: ۱/۲۹۵۔۲۹۷] [۱]

◉ امام شربینیؒ [۲] جلال الدین المحلی کے اس قول کی تشریح میں فرماتے ہیں:

”فلو کان ما نقل آحاداً لتواتر نقله.“

”اگر قراءاتِ شاذّہ قرآن ہوتیں تو یقیناً بذریعہ تواتر منقول ہوتیں“ [شرح الشربيني على جمع الجوامع: ۱/۲۹۷]

اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے امام سخاویؒ فرماتے ہیں:

”جب ثبوت قرآن کے لئے تواتر ضروری ہے تو پھر ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قراءۃ شاذّہ قرآن نہیں ہے، کیونکہ وہ متواتر نہیں ہے۔“

نیز امام جوینیؒ [البرهان فی أصول الفقه: ۱/۶۶۸]، امام سمعانیؒ [قواطع الأدلة في الأصول: ۱/۴۱۵، تحقیق: محمد حسين إسماعيل الشافعي] اور ابن حزمؒ نے نہایت پرزور دلائل سے قراءۃ شاذّہ کا قرآن نہ ہونا ثابت کیا ہے اور کہا کہ اگر قراءۃ شاذّہ قرآن ہوتیں تو یقیناً اس کے ماننے والے اس کی حفاظت اور آئندہ نسلوں کی طرف منتقل کرنے کے لئے اپنی تمام مساعی بروئے کار لاتے، کیونکہ قرآن' عظیم معجزہ، اسلام کے تمام اصولوں اور قوانین کا منبع اور اہل اسلام کے لئے سرمایۂ حیات ہونے کے ناطے اسی کا مقتضی تھا۔

زیدیہ کا موقف بھی یہی ہے کہ جو چیز بطریقِ آحاد منقول ہے، وہ یقیناً قرآن نہیں ہے۔

[البحر الزخار: ۱/۱۱۶۰، أحمد بن يحيىٰ بن المرتضىٰ]

پھر دورِ عثمانؓ میں تمام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع ہوچکا ہے کہ قرآن صرف ان دوگتوں کے درمیان ہے، اس کے علاوہ جو کچھ تھا، قرآن سے الگ کردیا گیا تھا۔ آج چودہ سو سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود اسکے ایک حرف پر بھی کسی نے انگشت نمائی نہیں کی اور اعدائے اسلام ہزارہا کوششوں کے باوجود بھی اس میں ذرا بھر تحریف ثابت نہیں کرسکے۔

اس کے علاوہ مذاہب اَربعہ کے تمام فقہا، مفسرین اور اصولیین اس بات پر متفق ہیں کہ نماز میں قراءاتِ شاذّہ کی تلاوت جائز نہیں ہے، کیونکہ نماز میں قرآن کے علاوہ کسی چیز کی تلاوت بطور قرآن جائز نہیں اور ایسا شخص جو قراءۃ شاذّہ کو قرآن سمجھتا ہے، اس کے متعلق علما نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اسے جیل میں ڈال دیا جائے اور اس وقت تک سخت سزا دی جائے، جب تک کہ وہ اپنے اس موقف سے رجوع نہ کرلے۔ اس کی تفصیل ہم آئندہ فصل میں مذاہب اربعہ اور دیگر مکاتبِ فکر کی آراء کی روشنی میں پیش کریں گے۔ یہاں مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ علمائے امت کا نماز

---

① یہ دراصل جمع الجوامع کی شرح از جلال الدین محلی پر حسن العطار کا حاشیہ ہے۔

② عبد الرحمن بن محمد بن أحمد الشربيني (ت ۱۳۲۶ھ) شافعیہ کے فقیہ اور اصولی تھے، نہایت متقی اور زاہد آدمی تھے، اصول فقہ میں تقریر علی جمع الجوامع اور بلاغہ میں فیض الفتاح ان کی معروف کتب ہیں۔ [الأعلام: ۶/۲۳۰]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں قراءۃ شاذّہ کی تلاوت کوممنوع قرار دینا اور قراءۃ کی تلاوت پر اصرار کرنے والے کیلئے انتہائی سخت رویہ اختیار کرنا قراءۃ شاذّہ کے قرآن نہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اور ابن مقسم اور ابن شنبوذ کا واقعہ قراۃ شاذّہ کے قران نہ ہونے پر امت مسلمہ کے اجماع کی روشن مثال ہے۔اس وقت بغداد عالم اسلام کا مرکز اور دارالخلافہ تھا،وہاں حکومت کے سامنے جب یہ مسئلہ پیش ہوا اور حکومت نے وقت کے تمام فقہا،قرا وغیرہ کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا تو تمام علما وفقہا نے متفقہ طور پر قراءۃ شاذّہ کے قرآن نہ ہونے کا فیصلہ دیا اور واضح کیا کہ قراءات شاذّہ کی تلاوت حرام ، ان کو قرآن سمجھنے والا اور ان کی تلاوت کرنے والا شخص سخت سزا کا مستوجب ہے۔ یقیناً مرکزِ اسلام میں حکومتی سطح پر ہونے والے اس دور کے جید فقہا،علما اور قرا کے اس فیصلہ کی خبر پورے عالم اسلام میں پہنچی ،لیکن لاکھوں مربع میل پر پھیلی ہوئی مملکت اسلامیہ کے کسی گوشہ سے اس فیصلہ کے خلاف ایک آواز بھی بلند نہیں ہوئی۔ اجماع کی اس سے بڑی مثال شاید پیش نہیں کی جا سکتی۔

مذکورہ تمام حقائق واضح دلیل ہیں کہ قراءۃ شاذّہ عرضۂ اخیرہ سے لے کر آج تک نہ کبھی قرآن تھی اور نہ آج ہے، لہٰذا مستشرقین کا قراءۃ شاذّہ کی بنیاد پر قرآن میں اختلاف ثابت کرنا انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

ابن مقسم ، ابن شنبوذ اور ابن دقیق العید رحمہ اللہ کے نظریات کا جائزہ

گزشتہ صفحات میں پیش کئے گئے تمام امت کے اجماعی موقف کے خلاف ابن مقسم ، ابن شنبوذ اور ابن دقیق العید نے قراءۃ شاذّہ کی تلاوت کو جائز قرار دیا تھا۔زیرنظر سطور میں ان کے نظریات اور دلائل کا خلاصہ ذکر کرنے کے بعد تفصیل سے اس کا جائزہ لیا جائے گا۔

ابو بکر ابن مقسم العطار رحمہ اللہ (ت ۳۵۴ھ یا ۳۶۲ھ) کا نظریہ

یہ شخص اپنے دور میں کوفیوں کی نحو کا سب سے بڑا حافظ اور مشہور ،غریب وشاذ قراءات کا بہت بڑا عالم تھا۔علوم القرآن پر اس نے متعدد کتب تصنیف کیں۔قراءات کے متعلق اس کا نظریہ یہ تھا کہ ہر وہ قراءۃ جو مصحف اور کسی عربی وجہ کے مطابق ہو، اس کی قراءت جائز ہے،خواہ اس کی کوئی سند نہ بھی ہو۔[غاية النهاية:۲/۱۲۴] تمام علما نے ان کے اس نظریہ کو باطل اور خودساختہ قرار دیا ہے، جیسا کہ ابو طاہر بن ابو ہاشم فرماتے ہیں:

”بدعة أضل بها عن قصد السبيل . “[النشر: ۱/۱۷]

”یہ ایسی بدعت ہے،جس نے اس شخص کو راہ راست سے گمراہ کردیا ہے۔“

اپنے اس باطل نظریہ کی بنیاد پر یہ شخص قراءات میں دور از کار وجوہ کا استخراج کرتا تھا۔اور تصحیفِ کلمات کی ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جو اس نے آثار سے قطع نظر محض اپنی رائے اور اجتہاد سے اختیار کر رکھی تھیں ،حالانکہ ان کی کوئی اصل نہیں ہے، نہ کسی نے انہیں پڑھا ہے اور نہ روایت کیا ہے۔اس کی خودساختہ قراءات کی ایک مثال یہ ہے کہ یہ ﴿ فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ﴾ کو أنجباء[یوسف:۸۰] پڑھتا تھا۔

اس کی یہ قراءۃ اجماع کے مخالف اور معنوی لحاظ سے بھی مضحکہ خیز ہے،کیونکہ ناامیدی کے ساتھ نجات کی کوئی بھی مناسبت سمجھ میں نہیں آتی۔مصطفیٰ صادق الرافعی اس قاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس کا شمار قراءات کے بہت بڑے علما میں سے ہوتا تھا، پھر اس کے ذہن میں یہ سودا سمایا کہ وہ بھی کوفہ کے ائمۂ نحاۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کم نہیں ہے ۔یہی احساس تعلّی اس کے بگاڑ کا سبب بنا اور اس نے اجماع کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی قراءات کیلئے نئی نئی وجوہ اختراع کیں، اس کی ایک مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:﴿فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا﴾ اس کو یہ احمق 'أنجباء' پڑھتا تھا اور اس طرح اس نے عربی کی فصیح و بلیغ اور خوبصورت ترین وجہ کو ترک کر کے منفرد قسم کی وجہ ایجاد کی اور اس نے نہیں سوچا کہ وہ کیا کررہا ہے!''[إعجاز القرآن والبلاغة النبوية: ۱۴۷]

جب اس کے اس باطل نظریہ کی خبر اہل علم کو پہنچی تو انہوں نے اسے زبردست تنقید کا نشانہ بنایا، آخر کار معاملہ حاکم وقت تک پہنچا۔حاکم وقت نے اسے طلب کیا اور علما کی ایک مجلس بلائی پھر اسے مجلس کے سامنے پیش کیا گیا اور اس سے اس کے اس نظریہ کی صحت پر دلیل طلب کی گئی ،لیکن یہ شخص کوئی قابل ذکر قوی یا ضعیف دلیل بھی پیش نہ کرسکا۔ چنانچہ اسے سخت سزا سے دوچار کرنے کا فیصلہ ہوا، آخر اس نے قرا اور فقہا کے سامنے اپنے اس نظریہ سے توبہ کی، پھر اس کی توبہ کا محضر نامہ لکھا گیا جس پر تمام حاضرین نے دستخط کیے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ شخص اپنے اس نظریہ اور خود ساختہ قراءات سے دستبردار نہیں ہوا تھا۔[معجم الأدباء: ۱۵۴/۸]

اور بیان کیا جاتا ہے کہ بعض نیک لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ تمام لوگ مسجد میں قبلہ رو ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں، لیکن ابن مقسم کعبہ کی طرف پیٹھ کئے کھڑا نماز پڑھ رہا ہے۔ اس واقعہ کو علما نے اس کے سیدھے راستے سے بھٹک جانے اور امت کے اجماع سے انحراف سے تعبیر کیا ہے۔

مذکورہ تاریخی حقائق ثابت کرتے ہیں کہ یہ نظریہ اور اس بنیاد پر اس کی ایجاد کردہ قراءات اس کے اپنے ذہن کی اختراع تھیں، جس کی تہہ میں نام ونمود، حصولِ جاہ اور احساس برتری کا مرض کارفرما تھا۔ امت نے اسے باطل کی اتباع اور حق سے انحراف قرار دیا اور کسی نے بھی اس کے نظریہ کو قبول نہ کیا۔ آخر یہ نظریہ اس کی موت کے ساتھ ہی دفن ہو گیا، کیونکہ قراءات کی اصل نقل ہے، لیکن اس کے نظریہ کی بنیاد عقل ورائے اور ذہنی مرض تھا۔ یہ تاریخی حقیقت قراءاتِ شاذّہ کے قرآن نہ ہونے پر ساری امت کے اجماع کی بہت بڑی دلیل ہے۔

ابن شنبوذ اور اس کا نظریہ

ابن شَنَبوذ یا ابن شَنَّبُوذ [غاية النهاية: ۱۲۵/۲] چوتھی صدی ہجری کا ایک بہت بڑا قاری تھا۔ یہ شخص رسمِ عثمانی کے مخالف قراءۃ شاذّہ کی تلاوت کو جائز سمجھتا تھا۔[النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة: ۲۴۸/۳، جمال الدين

---

① ابن شنبوذ نے دورانِ تفتیش درج ذیل رسم مصحف کے خلاف قراءات کا اقرار کیا تھا، جن کی یہ تلاوت کیا کرتا تھا:

- «فامضوا» ﴿إِلَى ذِكْرِ اللهِ﴾ [الجمعه: ۹]
- ﴿وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ ((صالحة)) غَصْبًا﴾ [الكهف: ۷۹]
- ﴿كَ ((الصوف)) الْمَنْفُوشِ﴾ [القارعة: ۵]
- ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ (وقد) تَبَّ﴾ [لهب: ۱]
- ﴿فَالْيَوْمَ ((نُنَحِّيكَ)) بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً﴾ [يونس: ۹۲]
- ﴿وَتَجْعَلُونَ ((شكركم)) أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ﴾ [الواقعة: ۸۲]
- ﴿وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ○ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى﴾ ((والذكر والأنثى)) [الليل: ۳]
- ((فقد كذب الكافرون)) ﴿فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا﴾ [الفرقان: ۷۷]
- ﴿إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ وَفَسَادٌ﴾ ((عريض)) [الأنفال: ۷۳]
- ﴿فَلَمَّا خَرَّ ((تيقنت الإنس أن الجن)) لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا﴾ [سبا]

معرفة القراء الكبار على الطبقات والأعصار: ۲۲۳/۱، ۲۲۴- غاية النهاية: ۵۵/۲

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يوسف بن تغري بردي الأتابكي (ت۸۷۴ھ)] اس باطل نظریہ کی بنیاد پر اس نے کچھ حروف اختیار کر لئے، جن کو وہ محراب میں پڑھتا تھا، لوگوں کو ان کی تعلیم دیتا تھا اور اس پر لوگوں سے مناظرے کرتا تھا۔ یہ وہ قراءات تھیں جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی تھیں اور رسم مصحف کے خلاف تھیں۔ [1] [تاریخ بغداد: ۲۸۰/۱] تو ابوبکر الانباری اور کئی دیگر علما نے اس کے رد میں کتب تصنیف کیں۔

چنانچہ جب اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا اور امت میں فتنہ کا اندیشہ پیدا ہوا تو علما نے اس کا سخت رد کیا۔ امام ابن مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ نے اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے یہ معاملہ حاکم وقت کے سامنے پیش کیا۔ حاکم وقت نے اپنے ایک وزیر محمد بن مقلہ کو یہ مسئلہ حل کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ چنانچہ ۳۲۳ھ ماہ ربیع الآخر کے شروع میں ابن شنبوذ کو اس الزام کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا۔ ۷؍ربیع الاول کو محمد بن مقلہ نے ابن شنبوذ کے معاملہ کو حل کرنے کے لئے بغداد کے علما، فقہا اور قراء کا ایک اجلاس بلایا، [معرفة القراء الكبار: ۲۷۸/۱-۲۷۹] جس میں اس دور کے سب سے بڑے عالم اور مفتی ابوبکر الابہری [الشفاء بالتعريف بحقوق الصطفىٰ: ۲۶۶/۲، العلامة القاضي أبوالفضل عياض بن موسىٰ بن عياض (ت۵۴۴ھ)] عمر بن محمد بن یوسف القاضی اور امام القراء ابن مجاہ [معرفة القراء الكبار: ۲۲۴/۱، ۲۲۵] بھی موجود تھے۔

اس کے بعد مجلس کی کاروائی کا آغاز ہوا، علما نے دلائل سے اس کے نظریہ کو غلط ثابت کیا، لیکن ابن شنبوذ نے اپنے موقف سے دستبردار ہونے سے انکار کر دیا اور مقابل علما کو کم علم ہونے کا طعنہ دیا اور کہنے لگا کہ تمہیں حصول علم کیلئے سفروں کی وہ مشقتیں برداشت نہیں کرنا پڑیں جو مجھے کرنا پڑی ہیں۔ آخر بغداد کے ان تمام علما نے متفقہ طور پر زبردستی اسے اس کے مذہب سے رجوع کروانے کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ اس نے کوڑوں کی سخت سزا اٹھانے کے بعد اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور پھر ابن میمون کی تحریر سے اس کے رجوع کا یہ محضر نامہ لکھا گیا:

يقول محمد بن أيوب المعروف بابن شنبوذ:

”وقد كنت أقرأ حروفاً تخالف ما في مصحف عثمان بن عفان -رضي الله عنه- المجمع عليه، والذي اتفق أصحاب النبي ﷺ ورضي عنهم على تلاوته، ثم بان لي أن ذلك خطأ فأنا منه تائب وعنه مقلع وإلى الله بريء، إذ كان مصحف عثمان هو الحق الذي لا يجوز خلافه، ولا أن يقرأ بغير ما فيه.“

اور اس کے بعد خود ابن شنبوذ نے اس محضر نامہ میں اپنے خط سے یہ الفاظ تحریر کیے:

”يقول محمد بن أحمد بن أيوب بن شنبوذ: ما في هذه الرقعة صحيح وهو على قولي واعتقادي وأشهد الله عز وجل وسائر من حضر على نفسي بذلك.“ [معرفة القراء الكبار للذهبی: ۲۲۴/۱، ۲۲۵]

نیز اس نے یہ لکھا:

”اگر میں اس کی مخالفت کروں یا مجھ سے اس محضر نامہ کے خلاف کسی بات کا ظہور ہو تو امیر المؤمنین کے لئے میرا خون حلال ہے...“ [معجم الأدباء لياقوت الحموى: ۱۷/۱۷۱، ۱۷۲- وفيات الأعيان: ۴۷/۳]

اس کے بعد اجلاس میں موجود ابن مجاہد رحمہ اللہ اور دیگر تمام علمائے قرآن نے محضر نامہ پر لکھا کہ ابن شنبوذ نے محضر

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں موجود ہر بات کا اقرار کیا ہے اور اس کے بعد انہوں نے اپنے دستخط کئے۔ ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ وزیر ابن مقلہ نے ابن شنبوذ کو محافظ دستہ کے ساتھ رات کو گھر بھیجا کہ کہیں مشتعل عوام اسے قتل نہ کر دیں۔ پھر دو ماہ کے لئے انہیں خفیہ طور مدائن بھیج دیا۔ اس کے بعد جب اسے واپس بلایا تو یہ عوام سے چھپ کر اپنے گھر میں داخل ہوا۔

حق کو باطل کے ساتھ ملتبس کرنے کی کوشش

بیان کیا جاتا ہے کہ جب ابن مقلہ نے ابن شنبوذ کو اس کی کمر ننگی کر کے اس پر سات درے لگوائے تو اس نے ابن مقلہ کے خلاف یہ بددعا کی کہ اس کے ہاتھ کٹ جائیں اور اس کا خانہ خراب ہو۔ اس کی دعا قبول ہوئی اور وہی ہوا جو اس نے بددعا کی تھی۔ امام ابوشامہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے:

’’میں نے ہارون بن مامون کی تاریخ میں یہ بات پڑھی کہ راضی باللہ کے دور میں ابن مقلہ نے ابن شنبوذ کو قراءۃ شاذّہ کی تلاوت کی وجہ سے سات درے لگائے تھے، جس پر ابن شنبوذ نے اس کے خلاف بددعا کی کہ ’’اس کے ہاتھ کٹیں، اس کا معاملہ درہم برہم ہو... ‘‘ چنانچہ اس کے بعد ابن مقلہ کو معزول کر دیا گیا اور ابن شنبوذ کے واقعہ کے ایک سال بعد اس پر مصیبت آن پڑی، وہ عتاب کا شکار اور سخت مار اور ذلت سے دوچار ہوا اور انجام کار اس کا ہاتھ اور زبان کاٹ دی گئی۔‘‘ [حاشية الفتاویٰ الکبریٰ لإبن تيمية: ۳۷۵/۱]

ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’وزیر کے خلاف ابن شنبوذ کی بددعا قبول ہوئی، اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، گھر برباد ہو گیا اور وہ ایک مدت تک انتہائی بری حالت میں پس زندان رہا۔‘‘ [غاية النهاية: ۵۵/۲]

ان واقعات سے بظاہر یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ابن شنبوذ کی رائے درست تھی اور عدالت نے اس پر ظلم کیا، جبھی تو اس کی دعا قبول ہوئی۔ بعض لوگوں نے یہی تاثر پیدا کر کے ابن شنبوذ کو مظلوم ثابت کرنے اور حق کو باطل کے ساتھ ملتبس کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر اس دور کی تاریخ کے دریچوں میں جھانک کر دیکھا جائے تو ابن مقلہ کی معزولی وعتاب اور ابن شنبوذ کی دعاؤں کے درمیان کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔

یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جو شخص اسلام کا سرچشمہ اور اللہ کی کتاب میں پیدا ہونے والے ایک فتنہ کا دروازہ بند کرنے کیلئے اقدام کرے، اس دور کے علما، فقہا اور قرا کی ایک بہت بڑی جماعت اس کی ہم نوا ہو اور وہ کسی ایسے شخص کی بددعا کا شکار ہو جائے جو اجماعِ امت کے خلاف ایک باطل نظریہ کا پیروکار تھا۔ نیز یہاں اس بات کو کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے کہ ابن شنبوذ کو اس انجام تک پہنچانے والے تو بغداد کے علما وفقہا تھے اور اس کی سزا کا فیصلہ کرنے والے تو علما وقرا تھے، وزیر نے تو اس سزا کو نافذ کروایا ہے تو پھر یہ وزیر ہی بددعا کا شکار کیوں ہوا؟ علما پر اس کی زد کیوں نہیں پڑی؟ جبکہ بغداد کے اصل 'ظالم' تو علما تھے۔ تو معلوم ہوا کہ ابن مقلہ پر حکومت کے عتاب کو ابن شنبوذ کی بددعا کا نتیجہ قرار دینا قطعاً غلط ہے۔

اس دور کے حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس عتاب کی حقیقی وجہ سیاسی کشمکش معلوم ہوتی ہے، عروج وتنزل وانحطاط سیاست کا لازمی حصہ ہیں، کبھی تخت اور کبھی تختہ اور کبھی جیل کی کال کوٹھڑیوں کے بعد دوبارہ آن بان کے ساتھ حکومت کی زمامِ کار مل جاتی ہے۔ دور حاضر کی سیاست میں اس کی واضح مثالیں موجود ہیں۔ اور ابن مقلہ بھی درحقیقت

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیاست کے اسی کھیل کا شکار ہوا تھا، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ۳۱۶ھ میں ابن شنبوذ کے واقعہ سے سات سال پہلے خلیفہ مقتدر کے دور میں ابن مقلہ وزارت کے منصب پر فائز ہوئے اور خلیفہ کا قلمدان انہیں ملا، لیکن صرف دو مہینہ کے بعد ہی اسے اس کے گھر میں قید کر دیا گیا اور ۳۱۸ھ میں یہ شخص کوڑی کوڑی کا محتاج ہو گیا۔ دجلہ کے کنارے مقام 'زاہر' میں اس کا شاندار محل، جس پر اس نے ۲ ہزار دینار خرچ کئے تھے، جلا دیا گیا اور وزارت سے پہلے یہ جن گھروں میں مقیم تھا، وہ سب بھی جلا دیئے گئے اور جو کچھ باقی بچا تھا وہ لوگوں نے لوٹ لیا، [صلة تاريخ الطبري: ۶۹/۲ ، عريب بن سعد القرطبي] لیکن پھر زمانہ نے کروٹ لی اور ابن مقلہ دوبارہ خلیفہ کا منظورِ نظر بن گیا۔ ابن مقلہ اپنے عروج وزوال کی اس داستان کو ان اشعار میں بیان کرتا ہے:

تحالف الناس و الزمان　　فحيث كان الزمان كانوا

عادني الدهر نصف يوم　　فانكشف الناس لي و بانوا

يا أيها المعرضون عني　　عودوا فقد عاود الزمان

''لوگوں نے زمانے سے ایکا کر لیا ہے، چلیے ادھر کو جدھر کی ہوا ہو۔ آدھے دن کے لئے زمانہ میرا دشمن بنا تو وہی لوگ جو میری محبت کے گیت گاتے تھے، یکا یک چھٹ گئے۔ اے مجھ سے منہ موڑنے والو! واپس آ جاؤ! اب زمانہ واپس آ گیا ہے۔''

اب بتائیں! ابن شنبوذ کے واقعہ سے سات سال پہلے اس کے ساتھ جو یہ المناک واقعات پیش آئے، اس کی آپ کیا توجیہہ کریں گے؟

اس سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ ابن مقلہ کا انجام ابن شنبوذ کی بد دعاؤں کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ یہ اس دور کی ہنگامہ خیز سیاست کا تقاضا تھا، جس نے متعدد سیاستدانوں اور وزراء کو اپنی بھینٹ چڑھایا تھا، خصوصاً ابن مقلہ جیسا شخص جو کرسیٔ وزارت کا حریص و لالچی اور اپنے مخالفین کے ساتھ بغض و عداوت کا جذبہ رکھتا تھا اور سیاست میں اس کا اہم مقام تھا اور پھر اس نے قرآن کے متعلق ایک فتنہ کا دروازہ بند کر کے پورے بغداد کی ہمدردیاں حاصل کر لیں تھیں۔ ایسے میں عموماً انسان کے حاسدین میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ابن مقلہ بہت سی خوبیوں کا مالک انسان تھا، اس کی تحریر خوبصورتی میں ضرب المثل تھی۔ امام ثعلبیؒ نے لکھا ہے کہ:

''اس کی کتابت دنیا کی خوبصورت ترین کتابت میں سے تھی، جو دیکھتا مسحور ہو جاتا، اس وقت خوشخطی میں کوئی شخص بھی اس کا ہم پلہ نہ تھا۔'' اس کے بعد وہ لکھتا ہے:

''ایسے نفیس ہاتھ عموماً کاٹ دیے جاتے ہیں۔'' [ثمار القلوب في المضاف والمنسوب: ۲۱۱]

نیز عباسی دور کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس دور میں وزارت کی کرسی اور جیل کا چولی دامن کا ساتھ تھا، چنانچہ صلاح الدین المنجد نے اپنے ایک مضمون 'دورِ عباسی میں بغداد کی جیلیں' میں اس دور کی سیاست کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''وزارت کا انجام اکثر جیل کی کال کوٹھڑی ہوتا تھا، بہت کم ایسا ہوتا کہ کوئی شخص منصبِ وزارت پر فائز ہوا ہو، اور پھر اسے جیل کا منہ نہ دیکھنا پڑا ہو۔ کبھی وہ قتل کر دیا جاتا اور قید سے بچ جاتا اور کبھی جیل اور اس کے بعد گردن زدنی اس کا مقدر ہوتی تھی۔'' [الجمع الصوتي الأول للقرآن: ۲۳۳ ، بحواله: سجون بغداد زمن العباسيين: ۱۰۸۹]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ اس کی بعض لوگوں کے ساتھ سیاسی رقابت بھی تھی۔ درج ذیل واقعہ اس حقیقت کی واضح نشاندہی کرتا ہے اور لگتا ہے کہ یہی واقعہ ابن مقلہ کے عتاب کا سبب بنا۔ ابو الفدا صاحب حماۃ نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن مقلہ نے ابن رائق کو گرفتار کروانے کی کوشش کی ،لیکن ابن رائق اور خلیفہ راضی باللہ کے درمیان مضبوط تعلق داری تھی ،جس کی وجہ سے خلیفہ نے ابن مقلہ کو قید میں ڈال دیا۔ پھر کچھ دیر بعد اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ ابن مقلہ نے علاج کروایا اور ٹھیک ہوگیا اور حصولِ وزارت کے لئے کوشش کرنے لگا۔ یہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھ سے قلم باندھ لیتا اور لکھتا رہتا ،لیکن کچھ عرصہ بعد اس کی زبان کاٹ دینے کا حکم صادر ہوا ،چنانچہ اس کی زبان کاٹ کر اسے جیل میں ڈال دیا گیا۔ [الجمع الصوتي الأول للقرآن: ۲۳۰، بحواله: المختصر في أخبار البشر: ۸۵/۲]

یہ تمام تاریخی حقائق صاف بتاتے ہیں کہ ابن مقلہ کے معتوب ہونے کا سبب ابن شنبوذ کی بد دعا نہیں تھی، بلکہ ابن رائق کے ساتھ دشمنی مول لینا جیل جانے کا سبب ہوا۔ پھر اس نے زورِ قلم کے زور سے اپنا کھویا ہوا وقار بحال کروانے کی کوشش کی تو دشمنوں اور حاسدوں کو اس کی یہ ادا بھی پسند نہ آئی اور خوشخطی کی اعلیٰ مثالیں رقم کرنے والا نفیس ہاتھ بدن سے جدا کردیا گیا۔ امام ثعالبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو وہ اس کو دیکھ کر روتا تھا اور ان الفاظ میں نوحۂ غم کرتا تھا:

''اس ہاتھ سے میں نے تین دفعہ خلافت کی خدمت انجام دی۔ اس کے ساتھ دو دفعہ قرآن لکھا اور آج اس طرح کاٹ دیا گیا، جس طرح چوروں کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں۔'' [ثمار القلوب في المضاف والمنسوب: ۲۱۱]

اور پھر اسے یہ داستانِ ظلم لوگوں کو سنانے سے روکنے کے لئے اس کی زبان بھی کاٹ دی گئی۔ عباسی دور میں ایک ابن مقلہ کی ہی مثال نہیں ہے، بلکہ اس دور کی پوری تاریخ ایسی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔ خاندان برامکہ اور بنوعباس کا نہایت معتمد خاص مختار ثقفی جس خوفناک انجام سے دوچار ہوئے، اس کی ہم کیا توجیہ کریں گے؟ یہ سب سیاست کا کھیل تھا، جہاں ہزاروں میں ایک بازی ہارنے والا ابن مقلہ بھی تھا۔ ابن شنبوذ کی دعاؤں کا اس میں کوئی کردار نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے ساتھ جو ہوا بہت مناسب ہوا اور اچھا ہوا کہ دورِ عثمانی رضی اللہ عنہ کے بعد پنپنے والے اس فتنہ کو اٹھنے سے پہلے ہی دبا دیا گیا۔

ابن دقیق العید رحمہ اللہ کا نظریہ

ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے بھی قراءۃ شاذّہ کی تلاوت کو جائز قرار دیا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ قراءات شاذّہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق آحاد منقول ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قراءات کی تلاوت کی ہے، اگرچہ اس کی تعیین نہیں ہے۔ [النشر في القراءات العشر: ۱۵/۱]

ان کے اعتراضات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابن دقیق العید، ابن شنبوذ اور ابن مقسم کے دلائل کا خلاصہ ذکر کرکے دلائل سے اس کا تجزیہ کیا جائے۔ بنیادی طور ان کے درج ذیل تین دلائل ہیں:

1. کسی قراءۃ شاذّہ کا صحیح سند سے ثابت ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پڑھا ہے۔
2. نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین نے قراءۃ شاذّہ کو نماز میں پڑھا ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسعودؓ کی قراءۃ کو پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔[أیضاً - مجموع الفتاویٰ:۱۳/۳۹۴]

۳ مسلمان قراءۃ شاذّہ کے قراحسن بصری ؒ، طلحہ بن مطرف ؒ، اعمش ؒ وغیرہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے ،لیکن کسی نے ان پر انکار نہیں کیا۔[شرح الکوکب المنیر:۲/۱۳۷]

جواب:

ان اعتراضات کا سبب دراصل قراءۃ شاذّہ کی حقیقت سے ناواقفیت ہے۔گزشتہ صفحات میں بیان کردہ ان کی حقیقت کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو تمام اعتراضات خود بخود رفع ہو جاتے ہیں۔

☜ جہاں تک پہلے اعتراض کا تعلق ہے کہ'رسول اللہ ﷺ نے ان قراءات کو پڑھا ہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ صحیح سند سے ثابت قراءات شاذّہ زبانِ نبوت سے صادر ہوئی ہیں،لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ نے انہیں بطور قرآن ہی پڑھا ہو، بلکہ اس میں درج ذیل دو احتمال ہیں، جن کو رد نہیں کیا جا سکتا:

① بعض قراءاتِ شاذۃ کے بارے میں یہ امکان موجود ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن کی تلاوت کے دوران کسی آیت یا لفظ کی تفسیر کی ہو اور سننے والے صحابی ؓ نے اسی پیرائے میں اسے بطور قرآن نقل کر دیا ہو، کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ بعض صحابہ کرام ؓ نے اپنے مصاحف میں تفسیری حواشی بھی نقل کر رکھے تھے اور یہ ممکن ہے کہ ان کے شاگردوں نے ان تفسیری کلمات کو بطورِ قراءۃ نقل کر دیا ہو۔

② اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ واقعی قراءۃ ہو، تو اس کے بارے میں ہم یقینی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ قراءۃ عرضہ اُخیرہ کے وقت منسوخ ہوگئی تھی، کیونکہ حضرت عائشہ ؓ اور ابن عباس ؓ کی صحیح روایات سے ثابت ہے کہ جس سال آپ ﷺ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا ہے، اس سال جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے ساتھ قرآن مجید کا دو دفعہ دور کیا تھا، نیز صحیح روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ عرضہ اُخیرہ کے وقت کچھ قراءات منسوخ کر دی گئی تھیں اور عرضۂ اخیرہ سے مراد زید بن ثابت ؓ اور ان صحابہ کرام ؓ کی قراءۃ ہے جو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے۔ اسی عرضۂ اخیرہ کے مطابق خلفائے راشدین کے حکم اور مشورہ سے قرآن کو مصاحف میں مدون کیا گیا تھا اور تمام صحابہ ؓ نے اس پر اجماع کیا تھا، تو قراءۃ شاذّہ کا قرآن میں موجود نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ قراءات عرضہ اُخیرہ کے وقت منسوخ ہوگئیں تھیں ،وگرنہ یہ ضرور صحائف ابوبکر ؓ اور مصاحف عثمان ؓ میں موجود ہوتیں۔

☜ نیز یہ اعتراض کہ 'بعض صحابہ کرام ؓ نے ان قراءات کو پڑھا ہے۔' تو اس کی وجہ گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کی جا چکی ہے کہ بعض وہ صحابہ ؓ جو عرضۂ اخیرہ کے وقت حاضر نہیں تھے، انہیں ان قراءات کے منسوخ ہونے کا علم نہیں ہوسکا تھا، اس لئے وہ انہیں پڑھتے رہے، لیکن جب مصحف کی تدوین کے وقت انہیں معلوم ہوگیا کہ یہ قراءات منسوخ ہوچکی ہیں تو انہوں نے ان قراءات کی تلاوت ترک کر دی اور اس کی دلیل تمام صحابہ کرام ؓ کا یہ اجماع ہے کہ قرآن صرف وہی ہے جو ان دو گتوں کے درمیان ہے۔

اس حقیقت کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عثمان ؓ کی بعض قراءات جو ان سے صحیح ثابت ہیں، لیکن

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ مصحف عثمانی میں موجود نہیں ہیں، اگر وہ منسوخ نہ ہوئی ہوتیں تو کم از کم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں ضرور قرآن میں شامل کرواتے، کیونکہ وہ خود قرآن کو جمع کروا رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بعض قراءات بھی اس میں شامل نہیں ہیں، حالانکہ یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ جمع عثمانی پر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفق تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خاص طور پر یہ فرمایا تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنی قراءات کو قرآن میں شامل نہ کرنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس سے مکمل اتفاق کرنا، اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ ان کی یہ قراءات عرضہ اخیرہ کے وقت منسوخ ہوگئیں تھیں، اور جمع عثمانی کے بعد کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے قراءۃ شاذّہ کی تلاوت بحیثیتِ قرآن نماز میں کی ہو۔ ہاں وہ تعلیم وتعلم کیلئے انہیں ضرور پڑھتے رہے، کیونکہ ان کا حکم باقی تھا، صرف تلاوت منسوخ ہوئی تھی۔

☜ اسی طرح یہ اعتراض کہ ''بعض قراءات شاذّہ وہ ہیں، جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءۃ کو پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔''

امام کمال بن ہمام رحمہ اللہ نے اس اعتراض کو ذکر کرنے کے بعد اس کا نہایت مسکت جواب دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''یہ قراءاتِ شاذّہ ان کے پہلے مصحف میں تھیں جو عرضۂ اخیرہ سے پہلے لکھا گیا تھا۔ جب عرضۂ اخیرہ کے وقت یہ منسوخ ہوگیا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی پہلی قراءۃ کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عرضۂ اخیرہ والی قراءت کو اختیار کر لیا تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ اہلِ کوفہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جس قراءۃ کو پڑھتے ہیں، وہ ان کی یہی دوسری قراءۃ ہے جو امام عاصم رحمہ اللہ سے مروی ہے اور یہی عرضۂ اخیرہ کے مطابق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محل ترغیب بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ آخری قراءۃ ہی تھی۔ امام طحاوی رضی اللہ عنہ نے بھی یہی بات ذکر کی ہے۔'' [التقریر والتحبیر: ۲/۲۱۵]

☜ باقی رہا یہ اعتراض کہ 'بعض تابعین انہیں نمازوں میں پڑھتے تھے' تو یہ اعتراض بھی درست نہیں ہے۔

حسن بصری رضی اللہ عنہ، اعمش رضی اللہ عنہ اور ابن محیصن رضی اللہ عنہ وغیرہ کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے رسمِ عثمانی کے مخالف قراءات شاذّہ کو بحیثیت قرآن نمازوں میں پڑھا ہو۔ ہاں بعض تابعین نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان قراءات کو نقل ضرور کیا ہے۔

باقی رہیں ان کی وہ قراءات جو رسمِ عثمانی کے مطابق ہیں، تو وہ زیادہ تر جمہور کی قراءۃ کے مطابق ہیں اور بعض جو اختلاف ہے، انہیں وہ اس لئے پڑھتے تھے کہ وہ انہیں سبعة أحرف کا حصہ سمجھتے تھے، لیکن ہم ان قراءات کے متعلق بالجزم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یا تو وہ قراءات ہی نہیں تھیں، بلکہ وہ رواۃ کے عدم ضبط اور سہو کا نتیجہ ہیں یا پھر وہ عرضۂ اخیرہ کے وقت منسوخ ہوگئی تھیں، اگر وہ منسوخ نہ ہوئی ہوتیں تو یقیناً ان قراء صحابہ رضی اللہ عنہم سے بذریعہ تواتر ہم تک پہنچتیں، جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر مصحف کے ساتھ بھیجا تھا۔

☜ اگر یہاں یہ اعتراض کیا جائے کہ ممکن ہے کوئی قراءۃ شاذّہ پہلے مشہور اور متواتر ہو، پھر اسے ترک کر دیا گیا اور وہ شاذ ہوگئی ہو۔

امام سخاوی رحمہ اللہ اور امام جوینی رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا نہایت عمدہ جواب دیا ہے، جس کا خلاصہ یہ کہ اُمت

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ِ محمدیہ ﷺ نے نبی ﷺ کے ہر ہر قول، فعل اور وصف کو اپنے عمل اور قول سے جس طرح اہتمام سے آئندہ نسلوں تک منتقل کیا اور وہ اس میں کس قدر حریص تھے! دنیا کی کوئی قوم اس کی مثال آج تک پیش نہیں کرسکی، کیونکہ اس کے پیچھے یہ عوامل کارفرما تھے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ان کو «بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً» کا حکم دیا تھا۔انہیں قرآن کی اتباع اور اس کے سیکھنے سکھانے کی تعلیم دی تھی اور اس پر ان سے عظیم انعامات کا وعدہ کیا تھا۔اپنے پیغمبر ﷺ کی ہر ہر ادا اور اشارۂ ابرو کو محفوظ کر دینے والے ہر دور میں لاکھوں علمائے امت کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ قرآن کی کسی قراءۃ کو ترک کر دیتے اور وہ شاذ بن جاتی ۔ یہ تو قرآن کا معاملہ تھا جو منبع شریعت اور تمام قوانین و اصول کی بنیاد تھا، اس نے پوری دنیا کو یہ چیلنج دیا تھا کہ ایک آیت بنا کر لے آؤ، ایسا عظیم معجزہ کہ متعدد اسباب اس کے بطریق تواتر منقول ہونے پر موجود تھے، پھر بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قرآن کی کوئی قراءۃ ہو اور پوری امت کے ایک دو افراد کے سوا کسی کو اس کا پتہ نہ ہو؟ ہرگز نہیں! ایسا ہونا محال اور ناممکن ہے۔

[جمال القراء وكمال الإقراء: ۱/۴۸۷ - البرهان في أصول الفقه: ۱/۶۶۷ - قواطع الإدلة في الأصول: ۱/۴۱۴، ۴۱۵]

اِس بحث سے یہ بات پوری طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ قراءات شاذّہ کی تلاوت جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ قرآن نہیں ہیں۔

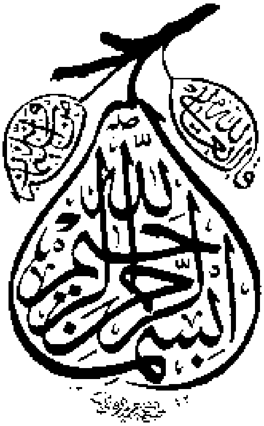

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِينَ

ماہنامہ رشد کی اِشاعت خاص

حرمت رسول نمبر ﷺ

- انتہائی دیدہ زیب فور کلر ٹائٹل
- جید علمائے دین اور ممتاز سکالرز کے علمی مضامین
- معروف مفتیان کرام کے فتاویٰ جات
- حرمت رسول کے متعلق مضامین کا اشاریہ
- ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ضخیم اشاعت، قیمت صرف 30 روپے

دفتر رابطہ: ۹۹/جے بلاک ماڈل ٹاؤن، لاہور، پاکستان

فون: 5866396,5866476

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طالبانِ علوم نبوت کیلئے عظیم خوشخبری

جامعة لاهور الإسلامية (نیو کیمپس) میں

امتحانات سے فارغ طلباء کیلئے داخلہ جاری ہے

بمقام خیابانِ جناح، لنک رائے ونڈ روڈ، لاہور (نزد شوکت خانم کینسر ہسپتال)

خصوصیات

- مین روڈ پر ۱۲ر کنال اراضی پر مشتمل خوبصورت اور وسیع و عریض عمارت
- کشادہ اور خوبصورت ترین جامع مسجد البیت العتیق
- بہترین چارپائیوں اور سیف الماریوں کا انتظام
- مطعم میں کرسیوں اور میزوں کا اہتمام اور معیاری ترین کھانا
- مشفق اور قابل ترین اساتذہ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت کے مواقع
- درس نظامی کے ابتدائی چار سال کی اعلیٰ معیار پر تعلیم کا اہتمام
- درس نظامی کے ساتھ ساتھ تجوید و قراءاتِ سبعہ کا چار سالہ مکمل نصاب
- شعبہ حفظ القرآن کی بہترین تعلیم
- تمام طلبائے شعبہ کتب کے لیے سکول کی لازمی تعلیم (نہم تا ایف۔اے)
- کمپیوٹر لیب اور کتب لائبریری
- علاج و معالجہ کی معیاری سہولت
- عمارت کے اندر کینٹین کا انتظام
- کھیل کیلئے وسیع اور کھلے میدان

منجانب: حافظ عبدالرحمٰن مدنی، رئیس جامعہ لاہور الاسلامیہ......ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی، مدیر التعلیم

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حافظ فہد اللہ مراد☆

جمع عثمانی رِوایات کے آئینے میں

جمع عثمانی کے سلسلہ میں عام طور پر امام بخاری رحمہ اللہ کی نقل کردہ حدیث بروایت سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ پر ہی اعتماد کیا جاتا ہے جس میں ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ صحف جو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھے، کی مزید نقول تیار کروا کر حکومتی سطح پر نشر کردی تھیں لیکن روایات کی تفصیلی جائزہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف نقول ہی نہیں تھیں بلکہ ایک باقاعدہ جمع تھی۔ زیر نظر مضمون میں جمع عثمانی کی حقیقی نوعیت، جو روایات کے تناظر میں سامنے آتی ہے، کی وضاحت کی گئی ہے، یقیناً صاحبان فکر و دانش مسئلہ کے اس پہلو پر بھی غور فرمائیں گے اور اپنی مؤقر آراء سے مطلع فرمائیں گے۔ [ادارہ]

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ «خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ». [صحيح البخاري: ٢٦٥٢] پر جب نظر پڑتی ہے تو سر احسان و نیازمندی کے ملے جلے تاثرات سے جھک جاتا ہے کہ واقعتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا زمانہ خیر القرون تھا، کیونکہ اس میں بنی نوع اِنسان کی راہ روی اور اسلام کی سربلندی کے لیے وہ محنتیں اور کوششیں ہوئی ہیں کہ جس کی مثال آئندہ جمیع قرون میں پیش کرنا مشکل ہے۔ یقیناً وہ لوگ اس قابل تھے کہ اُنہیں یہ ذمہ داری سونپی جاتی کہ وہ دینِ الٰہی اور شرع اللہ کو اپنی مکمل تشریحات کے ساتھ آئندہ نسلوں تک منتقل کریں، بلاشبہ وہ طائفہ فائزہ اپنے اس مقصد میں بامراد ہوا ہے۔

ان جملہ ذمہ داریوں میں سے اَہم ترین ذمہ داری یہ تھی کہ ہدایت سماوی کے آخری ربانی صحیفہ کو محفوظ اور غیر متبدل شکل میں ہم تک پہنچایا جائے۔ ہمارا یہ قطعی ایمان ہے کہ وہ پیام اَیزدی آج اپنی سو فیصد اَصلی اور حقیقی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہے۔ الحمد لله على ذلك.

اِس سلسلہ میں خیرالقرون میں جو سب سے اَہم کام ہوا ہے وہ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ اس کام کی تفصیلی نوعیت کیا تھی۔ ذیل میں آپ کے گوش گزار کرتے ہیں۔

رِوایات کے آئینہ میں جمع عثمانی کی حقیقت

جمع عثمانی کے سلسلہ میں کتب فنون میں کئی ایک رِوایات منقول ہیں۔ ہم ذیل میں صرف انہی روایات کا تذکرہ کریں گے، جن میں دیگر کے مقابلہ میں کچھ زائد فوائد ہوں گے۔ تاکہ روایات میں موجود بحث کا ہر پہلو سامنے آجائے۔ تکرار سے حتی المقدور اِجتناب کریں گے اور ہر روایت کو ذکر کرنے کے بعد یہ اِلتزام کریں گے کہ اس روایت سے حاصل شدہ اِضافی نکات کو آخر میں ذکر کردیں۔

☆ فاضل كلية القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ و رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

1 عن أنس بن مالك قال: إن حذيفه بن اليمان قدم على عثمان وكان يغازي أهل الشام في فتح آرمينية وآذربيجان مع أهل العراق فافزع حذيفة اختلافهم في القراءة. فقال حذيفة لعثمان: يا أمير المؤمنين! أدرك هذه الأمة قبل أن يختلفوا في الكتاب اختلاف اليهود والنصارىٰ. فأرسل عثمان إلى حفصة أن أرسلي إلينا بالصحف ننسخها في المصاحف ثم نردها إليك، فأرسلت بها حفصة إلى عثمان. فأمر زيد بن ثابت وعبدالله ابن زبير وسعيد بن العاص وعبدالرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها في المصاحف، وقال عثمان للرهط للقريشين الثلاثة: "إذا اختلفتم أنتم وزيد بن ثابت في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش، فإنما نزل بلسانهم". ففعلوا حتى إذا نسخوا الصحف في المصاحف رد عثمان الصحف إلى حفصة فأرسل إلى كل أفق بمصحف مما نسخوا، وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة أو مصحف أن يحرق.

[صحيح البخاري:٤٩٨٧]

''جناب اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے وہ آرمینیہ اور آذربیجان کے محاذ پر مسلمانوں کی ہمراہ جنگ میں شریک تھے۔اَہل عراق کے قراءت میں اختلاف نے ان کو شدید خوف زَدہ کردیا، تو سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: اَے امیر المؤمنین! اس اُمت کی خبر لیجئے اس سے پہلے کہ یہ یہود ونصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف شروع کردیں۔تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا کہ وہ صحف کو میرے پاس بھیج دیں ہم اُسے مصاحف میں نقل کرکے لوٹا دیں گے۔سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ صحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیئے۔آپ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، سعید بن العاص رضی اللہ عنہ وعبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔اُنہوں نے اُسے مصاحف میں نقل کردیا اور ساتھ تین قریشی صحابہ کو کہا کہ جب تمہارے اور زَید کے مابین اختلاف ہو تو لسان قریش میں لکھو، کیونکہ قرآن انہی کی لغت میں اُترا ہے۔ لہٰذا اُنہوں نے ایسا ہی کیا اور صحف سے قرآن کریم کو مصاحف میں منتقل کردیا اور صحف سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو لوٹا دیئے اور باقی جمیع مصاحف کو جلانے کا حکم دے دیا۔''

فوائد: مذکورہ روایت میں جمع عثمانی کی اِجمالی تصویر دکھائی دیتی ہے۔جس سے درج ذیل باتیں سامنے آئی ہیں:

1. آرمینیہ اور آذربیجان کے موقع پر مسلمانوں کا قراءت میں اِختلاف رونما ہونا دوبارہ جمع کا محرک بنا ہے۔
2. اِس میں معیار صحف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بنایا گیا ہے۔
3. کاتبین حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ تھے۔
4. اِن مصاحف کو مرتب کرنے کے بعد دیگر جمیع غیر مصدقہ اور ذاتی مصاحف کو جلا دیا گیا۔

2 عن زيد بن ثابت قال: فقدت آية من سورة الأحزاب حين نسخنا المصاحف قد كنت أسمع من رسول الله ﷺ يقرأ بها فالتمسناها فوجدناها مع خزيمة بن ثابت الأنصاري: ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ﴾ فألحقناها في سورتها في المصحف.

[صحيح البخاري: ٤٩٨٨]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سورۃ الاحزاب کی آیت (نمبر۲۳) ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ﴾ کوگم پایا۔ حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تھا۔ ہم نے اس کی مزید تلاش و بسیار کی تو بالآخر یہ ہمیں خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس مل گئی۔ پس ہم نے اُسے مصحف میں شامل کرلیا۔''

فائدہ: مذکورہ روایت میں صرف یہ بات مذکور ہے کہ دورانِ جمع کوئی بھی فرد سورۃ احزاب کی مندرجہ بالا آیت نہیں لایا تھا۔ جسے بعد میں خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے اَخذ کیا گیا۔

۳ عن أنس بن مالك الأنصاری أنه اجتمع لغزوة آذربيجان وآرمينيه أهل الشام وأهل العراق قال: فتذاكروا القرآن فاختلفوا فيه حتى كاد يكون بينهم فتنة. قال: فركب حذيفه ابن اليمان -لما رأى من اختلافهم في القرآن- إلى عثمان فقال: إن الناس قد اختلفوا في القرآن حتى والله أخشى أن يصيبهم ما أصاب اليهود والنصارىٰ من الاختلاف. قال: ففرع لذلك عثمان فزعاً شديداً، فأرسل إلى حفصة فاستخرج الصحيفه التي كان أبوبكر أمر زيداً بجمعها فنسخ منها مصاحف فبعث بها إلى الآفاق فلما كان مروان أمير المدينة أرسل إلى حفصة يسألها الصحف ليحرقها وخشي أن يخالف بعض الكتاب بعضاً فمنعته أياه۔ [كتاب المصاحف:۷۲]

''مالک بن اَنس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل شام اور اہل عراق آرمینیہ اور آذربیجان کے غزوہ پر اکٹھے ہوئے۔ ان کی قرآن کریم پر باہم گفتگو ہوئی جس سے اختلاف اِس قدر شدت اِختیار کرگیا کہ بہت بڑے فتنے کا اَندیشہ پیدا ہوگیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو اَمیرالمؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ لوگ قرآن کریم میں باہم مختلف ہوگئے ہیں۔ بخدا اگر ایسا ہی ہوتا رہا تو مسلمان بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کا شکار ہوجائیں گے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سنا تو بہت زیادہ پریشان ہوگئے اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیج کر، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم پر زید کے جمع کردہ، صحائف منگوائے۔ اُن سے مزید مصاحف تیار کروائے اور ہر طرف بھیج دیئے۔ جب مروان مدینہ کے اَمیر مقرر ہوئے تو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے صحف ابی بکر کے متعلق کہا کہ مجھے اَرسال کردیں تاکہ اُنہیں جلا دیا جائے اور مخالفت کتاب کا ڈر ختم کیا جائے۔ لیکن سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اُسے تلف کرنے سے روک دیا۔''

فائدہ: اِس روایت میں بخاری والی روایت کی طرح جمع عثمان کا اِجمالی تعارف اور اس کے اَسباب مذکورہ ہیں۔ اِضافہ صرف اِس بات کا ہے کہ مروان نے اپنے دورِ خلافت میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے بغرض تلف صحف ابی بکر کو منگوائے لیکن اُنہوں نے اس سے اِنکار کردیا۔

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے سالم بن عبداللہ نے بیان کیا ہے کہ جب سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں تو مروان بن حکم نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے وہ مصاحف منگوا لیے اور اُنہیں تلف کردیا۔ [کتاب المصاحف:۷۳]

۴ عن أبي قلابة قال: لما كان في خلافة عثمان جعل المعلم يعلم قرائة الرجل والمعلم يعلم قراءة الرجل فجعل الغلمان يلتقون فيختلفون، حتى ارتفع ذلك إلى المعلمين قال: حتى كفر بعضهم بقراءة بعض، فبلغ ذلك عثمان فقام خطيباً، فقال: أنتم عندي

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تختلفون وتلحنون، من نأى عني من الأنصار أشد فيه اختلافاً ولحناً، اجتمعوا ياأصحاب محمد! فاكتبوا للناس إماماً .

[كنز العمال في سنن الأقوال:۵۸۲/۲، ط/خامسۃ، مؤسسة الرسالة]

''ابی قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں معلمین قرآن مختلف اَفراد کی قراءات سکھلاتے، بعد میں جب بچے آپس میں ملتے تو قراءت میں اِختلاف کرتے حتیٰ کہ یہ بات معلّمین تک پہنچ گئی۔ ایوب، راوی حدیث کہتے ہیں کہ مجھے یقینی علم نہیں ہے کہ اُنہوں نے کہا ہو کہ معلّمین نے آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر شروع کردی۔ جب یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو اُنہوں نے خطبہ اِرشاد فرمایا کہ تم میرے پاس رہ کر اس قدر اختلاف کا شکار ہوگئے ہو اور قرآن میں غلط باتیں کہتے ہو تو وہ لوگ جو مجھ سے دور ہوں گے ان کی کیا حالت ہوگی وہ تو تم سے بھی زیادہ اختلاف اور غلطیوں کا شکار ہوں گے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے اَصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جمع ہوجاؤ اور لوگوں کے لیے ایک مصحف اِمام لکھ دو۔''

فوائد

① مدینہ میں بھی معلمین کے مابین قراءت کے اِختلاف رونما ہوئے تھے۔ جمع قرآن کے اَسباب میں سے یہ بھی ایک سبب ہے۔

② حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے اِجماع سے یہ کام سراَنجام دیا۔

③ دور اور قریب کے جمیع بلاد میں شدت سے اِختلافات پیدا ہونا شروع ہوگئے تھے۔

❺ قال أبوقلابة حدثني مالك قال: كنت فيمن أملي عليهم فربما اختلفوا في الآية فيذكرون الرجل قد تلقاها من رسول الله ﷺ ولعله أن يكون غائباً أو في بعض البوادي فيكتبون ما قبلها وما بعدها ويدعون موضعها حتى يجيء أو يرسل إليه، فلما فرغ من المصحف كتب إلى أهل الأمصار: "أني قد صنعت كذا، محوت ما عندي، فامحوا ما عندكم." [کتاب المصاحف:۷۵]

''ابوقلابہ فرماتے ہیں کہ مجھے مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ میں ان لوگوں میں موجود تھا جو مصاحف کی اِملاء کرواتے تھے۔ جب کبھی کسی آیت میں اختلاف ہوتا تو پھر اس فرد کا ذکر کرتے جس نے اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ لیا ہوتا۔ اگر وہ غائب ہوتا یا شہر سے باہر بادیہ میں ہوتا تو اس سے ماقبل اور مابعد لکھ لیا جاتا اور اس جگہ کو چھوڑ دیا جاتا یہاں تک کہ وہ آدمی خود آجاتا یا اُسے بلا لیا جاتا۔ جب اس تمام کام سے فارغ ہوگئے تو اسے جمیع اَمصار میں بھیج دیا گیا۔ اور ساتھ یہ لکھا کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔ میرے پاس اس کے علاوہ جو کچھ موجود تھا میں نے اُسے ختم کردیا ہے تم بھی ختم کردو۔''

فوائد

① کاتبین مصاحف میں جناب مالک بن اَنس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

② جب کاتبین وحی کے مابین اختلاف ہوجاتا تو اس شخص کا اِنتظار کیا جاتا جس نے وہ آیت بالمشافہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لی ہوتی۔ یعنی پوری طرح تصدیق کرنے کے بعد آیت کو درج کیا جاتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ اَمیرالمؤمنین کی طرف سے تمام اَمصار و بلاد کی طرف با قاعدہ فرمان جاری کیا گیا کہ مصاحفِ عثمانیہ کے علاوہ دیگر جمیع مصاحف کو ختم کردیا جائے۔

❻ عن مصعب بن سعد قال: قام عثمان فخطب الناس فقال: ”أيها الناس عهدكم بنبيكم منذ ثلاث عشرة وأنتم تمترون في القرآن، وتقولون قراءة أبيّ وقراءة عبدالله!؟ يقول الرجل: والله! ما تقيم قراءتك فأعزم على كل رجل منكم ما كان معه من كتاب الله شيء لما جاء به، فكان الرجل يجيء بالورقة والأديم فيه القرآن، حتى جمع من ذلك كثرة، ثم دخل عثمان فدعاهم رجلاً رجلاً فناشدهم لسمعت من رسول الله ﷺ وهو أملاه عليك؟ فيقول: نعم، فلما فرغ من ذلك عثمان، قال: من أكتب الناس؟ قالوا: كاتب رسول الله ﷺ زيد بن ثابت، قال: فأي الناس أعرب؟ قالوا: سعيد بن العاص، قال عثمان: فليمل سعيد وليكتب زيد، وكتب زيد، وكتب مصاحف ففرقها في الناس، فسمعت بعض من أصحاب محمد ﷺ يقول قد أحسن.“

[المصاحف لابن أبی داود:۱/۸۱]

”مصعب بن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خطبہ اِرشاد فرمایا اور کہا: اَے لوگو! تمہارے نبی ﷺ کو گئے تو ابھی صرف تیرہ برس گزرے ہیں، تم نے ابھی سے قرآن میں شک کرنا شروع کردیا ہے۔ اور کہتے ہو قراءت اُبی، قراءت عبداللہ اور ایک آدمی کھڑا ہوکر کہتا ہے میں تمہاری قراءت کو درست نہیں مانتا۔ انہوں نے ان میں سے ہر شخص کو قسم دی کہ اس کے پاس قرآن کی صورت میں جو کچھ بھی موجود ہے لے آئے۔ تو لوگ ورق اور چمڑے کی ٹکڑے وغیرہ لے کر حاضر ہوتے رہے۔ جب قرآن بکثرت جمع ہوگیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور ہر ایک کو بلا کر اس سے قسم لی کہ کیا تو نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور آپ ﷺ نے تجھے اِملاء کروایا ہے؟ تو وہ شخص ہاں میں جواب دیتا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کام سے فارغ ہوئے تو کہا۔ لوگوں میں سب سے بڑا کاتب کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: اللہ کے رسول ﷺ کے کاتب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ پھر پوچھا سب سے بہتر عربی دان کون ہے؟ عوام نے جواباً کہا: سعید بن عاص رضی اللہ عنہ۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا سعید اِملاء کروائیں اور زید لکھیں۔ چنانچہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو لکھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُسے لوگوں میں پھیلا دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے بعض صحابہ سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا خوب کام کیا ہے۔“

فوائد

① لوگوں میں اِنکارِ قراءات کا فتنہ پرورش پا رہا تھا۔

② حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمیع صحابہ کو قسم دے کر کہا کہ تمہارے پاس جو کچھ قرآن ہے لے آ ؤ۔ تو لوگ سب کچھ لے کر حاضر ہوگئے۔

③ جب وہ لوگ لے کر حاضر ہوگئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرداً فرداً ہر ایک سے قسم لی کہ کیا یہ تم نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے اور آپ ﷺ نے تمہیں اس کی اِملاء کروائی ہے؟ تو وہ اِثبات میں جواب دیتے۔

④ آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ بہترین کاتب اور عربی دان کون ہے لوگوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ اور سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑤ بعد اَزاں اِن مصاحف کو سرکاری سطح پر بلادِ اِسلامیہ میں پھیلا دیا گیا۔
⑥ دیگر صحابہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کام کی تحسین فرمائی ہے۔

❼ عن كثير بن أفلح قال: لما أراد عثمان أن يكتب المصاحف جمع له اثني عشر رجلاً من القريش والأنصار، فيهم أبي بن كعب و زيد بن ثابت، قال: فبعثو إلى الربعة التي في بيت عمر فجيء بها. قال: وكان عثمان يتعاهدهم، فكانوا إذا تدارءوا في شيء أخروه. [تفسير ابن كثير: ۳۲/۱]

''کثیر بن افلح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کتابت مصاحف کا اِرادہ کیا تو قریش اور اَنصار میں سے بارہ اَفراد جمع کیے، جن میں اُبي بن کعب رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ راوی کہتے ہیں، وہ سب (افراد) اُن صحائف کی طرف بھیجے گئے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر پڑے ہوئے تھے۔ ان کو لایا گیا، کثیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان پر نگرانی کررہے تھے اور کاتبین جب کسی مسئلہ میں فیصلہ نہ کرپاتے تو اُسے مؤخر کردیتے۔''

فوائد

① قریش اور انصار کے بارہ لوگوں کو کتابت کے لیے منتخب کیا گیا تھا جن میں حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔
② حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کام کی باقاعدگی نگرانی فرمارہے تھے۔
③ بعض دفعہ کسی آیت میں اِختلاف ہوجاتا تھا جس پر مزید تصدیق کے لیے اس کی کتابت مؤخر کردی جاتی۔
④ جمع وتدوین کا یہ کام اِنتہائی جانچ پڑتال کے ساتھ پوری نگرانی میں ہورہا تھا۔

❽ عن خارجة بن زيد بن ثابت، عن أبيه زيد، قال: لما قتل أصحاب رسول الله ﷺ باليمامة، دخل عمر بن الخطاب على أبي بكر فقال: إن أصحاب رسول ﷺ باليمامة تهافتوا تهافت الفراش في النار، وإني أخشى أن لا يشهدوا موطنا إلا فعلوا ذلك حتى يقتلوا. وهم حملة القرآن. فيضيع القرآن و ينسى، فلو جمعته و كتبته! فنفر منها أبوبكر وقال: أفعل ما لم يفعل رسول الله ﷺ! فتراجعا في ذلك. ثم أرسل أبوبكر إلى زيد بن ثابت، قال زيد: فدخلت عليه و عمر محزئل[1] فقال أبوبكر: إن هذا قد دعاني إلى أمر فأبيت عليه، وأنت كاتب الوحي. فإن تكن معه اتبعتكما، وإن توافقني لا أفعل. قال: فاقتص أبوبكر قول عمر، وعمر ساكت، فنفرت من ذلك، وقلت: نفعل ما لم يفعل رسول الله ﷺ! إلى أن قال عمر كلمة: "وما عليكما لو فعلتما ذلك؟" قال: فذهبنا ننظر، فقلنا: لا شيء والله! ما علينا في ذلك شيء! قال زيد: فأمرني أبوبكر فكتبته في قطع الأدم وكسر الأكتاف والعسب. فلما هلك أبوبكر وكان عمر، كتب ذلك في صحيفة واحدة، فكانت عنده. فلما هلك، كانت الصحيفة عند حفصة زوج النبي ﷺ. ثم إن حذيفة بن اليمان قدم من غزوة كان غزاها بمرج أرمينية، فلم يدخل بيته حتى أتى عثمان بن عفان فقال: يا أمير المؤمنين! أدرك الناس! فقال عثمان: "وما

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذلك؟" قال غزوت مرج أرمينية، فحضرها أهل العراق وأهل الشام، فإذا أهل الشام يقرؤون بقراءة أبي بن كعب، فيأتون بما لم يسمع أهل العراق، فتكفرهم أهل العراق. وإذا أهل العراق يقرؤون بقراءة ابن مسعود، فيأتون بما لم يسمع به أهل الشام، فتكفرهم أهل الشام. قال زيد: فأمرني عثمان بن عفان أكتب له مصحفاً، وقال: إني مدخل معك رجلا لبيباً فصيحاً، فما اجتمعتما عليه فاكتباه، وما اختلفتما فيه فارفعاه إلي. فجعل معه أبان بن سعيد بن العاص، قال: فلما بلغنا ﴿إِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ﴾ [البقرة:٢٤٨] قال: زيد فقلت: "التابوه" وقال أبان بن سعيد: "التابوت" فرفعنا ذلك إلى عثمان فكتب: "التابوت" قال: فلما فرغت عرضته عرضة، فلم أجد فيه هذه الأية: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾ [الاحزاب:٢٣] قال: فاستعرضت المهاجرين أسألهم عنها، فلم أجدها عند أحد منهم، ثم استعرضت الأنصار أسألهم عنها، فلم أجدها عند أحد منهم، حتى وجدتها عند خزيمة بن ثابت، فكتبتها، ثم عرضته عرضة أخرى، فلم أجد فيه هاتين الأيتين: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ [التوبة:١٢٨،١٢٩] فاستعرضت المهاجرين، فلم أجدها عند أحد منهم، ثم استعرضت الأنصار أسألهم عنها فلم أجدها عند أحد منهم، حتى وجدتها مع رجل آخر يدعى خزيمة أيضاً، فأثبتها في آخر "براءة" ولو تمت ثلاث آيات لجعلتها سورة على حدة۔ ثم عرضته عرضة أخرى، فلم أجد فيه شيئا، ثم أرسل عثمان إلى حفصة يسألها أن تعطيه الصحيفة، وحلف لها ليردنها إليها فأعطته إياها، فعرض المصحف عليها، فلم يختلفا في شيء۔ فردها إليها، وطابت نفسه، وأمر الناس أن يكتبوا مصاحف۔ فلما ماتت حفصة أرسل إلى عبدالله بن عمر في الصحيفة بعزمة، فأعطاهم إياهافغسلت غسلاً."

''زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب شمع نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانے یمامہ میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے تھے تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اَصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح جانیں نچھاور کی ہیں، جس طرح شمع پر پروانے قربان ہوتے ہیں اور مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ اپنے گھروں کو لوٹنے کی بجائے اس وقت تک گستاخانِ نبوت کے خلاف برسرِ پیکار رہیں گے جب تک جامِ شہادت نوش نہیں کر لیتے اور وہ سارے کے سارے وہ لوگ ہیں جو حاملین قرآن ہیں ان کی شہادت سے قرآن کے ضیاع کا خطرہ ہے، کیوں نہ ہو کہ ہم قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کر لیں اور لکھ لیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کام کو کرنے سے ہچکچائے اور کہا کہ میں وہ کام کیسے کروں جو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، شیخین کے مابین اس موضوع پر گفتگو جاری رہی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں ان کے ہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جناب عمر رضی اللہ عنہ پریشان حال بیٹھے ہیں تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ یہ مجھے ایک کام کے بارے میں اِصرار کرتے ہیں جبکہ میں نے اِنکار کردیا ہے۔ آپ کاتب وحی ہیں اگر آپ ان کے ساتھ متفق ہیں تو میں آپ کا ساتھ دوں گا لیکن اگر آپ میری رائے سے اتفاق کریں تو تب میں یہ کام نہیں کروں گا۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ہم وہ کام کیسے کریں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کلمہ کہا: 'اگر تم یہ کرلو تو تم پر کیا بوجھ آپڑے گا' زید رضی اللہ عنہ کہتے، کہ ہم نے غوروخوض کی غرض سے مجلس برخاست کردی۔ جب ہم نے اس کے جملہ پہلوؤں پر نظر دوڑائی تو پتہ چلا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے جمع کرنے کا حکم دیا جسے میں نے کھجور کے پتوں، ہڈیوں، چمڑے اور کاغذ کے ٹکڑوں میں سے جمع کرلیا۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ راہی آخرت ہوئے اور خلافت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی تو اُنہوں نے دوبارہ اُسے ایک صحیفہ میں لکھوایا اور اپنے پاس محفوظ رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں منتقل ہوگیا۔ پھر ایک روز سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اچانک آرمینیہ کی جنگ سے لوٹے اور اپنے گھر جانے کے بجائے سیدھے اَمیرالمؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ اے امیر المؤمنین، لوگوں کی خبر لیجئے، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا ماجرا کیا ہے تو انہوں نے عرض کیا میں ابھی ابھی مرج آرمینیہ سے لوٹا ہوں جہاں اہل شام اور اہل عراق جہاد میں مشغول ہیں۔ اہل عراق سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءات پڑھتے ہیں اور اہل شام جناب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت پر ہیں جبکہ دونوں نے ایک دوسرے کی قراءات کو سنا تو اس کا اِنکار کردیا اور بات اس قدر بڑھی کہ دونوں ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے بلا کر اپنے لیے ایک مصحف لکھنے کا کہا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ ہم بطور معاون آپ کو ایک فصیح اللسان اور ذہین شخص فراہم کریں گے، جس پر تم دونوں متفق ہوجاؤ اُسے لکھ لو اور جس پر تمہارا اختلاف ہوجائے تو میری طرف رجوع کرو۔ لہٰذا انہوں نے اَبان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو میرا معاون مقرر کیا، جب ہم ﴿إِنَّ ءَايَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ﴾ [البقرہ: ۲۴۸] پر پہنچے تو میں نے کہا: ﴿التابوہ﴾ جبکہ ابان رضی اللہ عنہ نے کہا: ﴿التابوت﴾ ہے۔ ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے التابوت تائے طویلہ کے ساتھ لکھا۔ کہتے ہیں کہ جب میں کتابت سے فارغ ہوا تو میں نے پورے مصحف کی مراجعت کی تو میں نے ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ...﴾ آیت نہ پائی۔ تو میں نے مہاجرین سے کہا کہ کسی کے پاس یہ آیت موجود ہے؟ تو ان کے پاس نہ پایا پھر میں نے انصار سے سوال کیا تو خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مل گئی جسے میں نے لکھ لیا اور دوسری بار پھر مراجعت کی تو سورۃ توبہ کی دو آخری آیات نہیں تھیں۔ مہاجرین اور انصار سے اس بارے میں دریافت کیا تو ان کے پاس نہ پائیں بالآخر خزیمہ نامی صحابی کے پاس مل گئیں جسے میں نے درج کرلیا۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر ایسی تین آیات مجھے مل جاتیں تو میں ایک علیحدہ سورۃ بنا دیتا۔ اس کے بعد میں نے مزید ایک دفعہ مراجعت کی تو میں نے ہر طرح سے مکمل پایا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مصحف منگوایا اور وعدہ کیا کہ یہ واپس لوٹایا جائے گا۔ پھر ان دونوں مصاحف کا موازنہ کیا گیا۔ اور دونوں کو متفق پایا تو مطمئن ہوگئے اور لوگوں کو اس کے مطابق سیکھنے کا حکم دے دیا۔ جب سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا وفات پاگئی تو انہوں نے یہ مصحف سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کردیا تو اُنہوں نے حکام کے حوالے کردیا جسے بعد میں دھو دیا گیا۔''

فوائد: جمع عثمان کے سلسلہ میں سب سے تفصیلی روایت یہی ہے۔ ہم جمع ابوبکر کی تفصیلات کو قصداً حذف کررہے ہیں:

① جمع کا سبب آرمینیہ اور آذربیجان کے موقع پر صحابہ کا اختلاف ہوا۔

② زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور ابان بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہما کو جمع کے لیے مقرر کیا گیا۔ ثانی الذکر انتہائی فصیح اللسان شخص تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ التابوت کی تاء کے رسم میں اختلاف ہوا زید گول اور ابن عاص لمبی لکھنے کے قائل تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لغت قریش کے موافق تائے طویلہ کے ساتھ لکھوایا۔

④ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے تکمیل مصحف کے بعد دوبارہ مراجعت کی تو سورۃ احزاب کی آیت (نمبر۲۳)﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا ﴾ گم پائی۔ تلاش کے بعد خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے مل گئی۔ دوسری مرتبہ پھر مراجعت کی تو سورۃ توبہ کی آخری دو آیات گم پائیں جو دوسرے صحابی ابوخزیمہ نامی شخص سے ملیں۔ تیسری مرتبہ مراجعت کی تو مکمل پایا۔

⑤ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے مصحف منگوا کر اس سے موازنہ کیا گیا تو دونوں کو یکساں پایا۔

⑥ اس مصحف کو آئندہ تعلیم و تعلم کے لیے مقرر کر دیا گیا۔

⑦ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اُس مصحف ابوبکر کو حکام کے حوالے کر دیا گیا، جنہوں نے اُسے دھو ڈالا۔

رِوایات مذکورہ کے علاوہ ہمیں کوئی بھی ایسی رِوایت نہیں مل سکی جس میں جمع عثمانی کی نوعیت کے بارے میں کچھ مزید بحث موجود ہو۔

رِوایات کی روشنی میں جمع عثمانی کی حقیقت

جمع عثمانی کے اَسباب ومحرکات

جمع عثمانی کے اَسباب و محرکات میں دو چیزیں گذشتہ رِوایات میں مذکور ہیں۔

پہلا سبب تو یہ سامنے آتا ہے کہ آرمینیہ اور آذربیجان کے محاذ پر عراق اور شام کے مسلمان جمع تھے۔ اہل عراق چونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءات پڑھتے تھے جبکہ اہل شام نے قرآن کریم کی تعلیم سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے لی تھی، اس لیے وہ ان کی قراءات کے موافق پڑھا کرتے تھے۔ اور مذکورہ دونوں حضرات کے اختیارات مختلف تھے، جس وجہ سے لوگ دو طرح سے تلاوت کرتے۔ یہی چیز ان کے اختلاف کا سبب بنی کہ اُنہوں نے اپنی قراءات کو دوسری پر ترجیح دینا شروع کر دی، حالانکہ کسی بھی متواترہ قراءات کو دوسری پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ شامی کہنا شروع ہوگئے کہ ہماری قراءات بہتر ہے اور عراقی سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءات پر اظہار فخر کرنے لگے۔ حتیٰ کہ ان کا یہ اختلاف اس قدر شدید ہوگیا کہ ایک دوسرے کی تکفیر پر اُتر آئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ، جنہیں صاحب السّر ہونے کا بھی اِعزاز حاصل ہے، ان کے درمیان موجود تھے۔ اُنہوں نے جب یہ معاملہ دیکھا تو فوراً دربار خلافت کا قصد کیا اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اس معاملہ کی حساسیت سے آگاہ کیا اور کہا کہ اس اُمت کا کچھ کیجئے ورنہ یہ بھی کلام اللہ کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کرنے لگے گی۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن کا اِرادہ فرمایا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ مدینہ میں مختلف معلمین بچوں کو قرآن کریم سکھانے کے لیے مقرر کیے گئے تھے، جو مختلف صحابہ کے شاگرد ہونے کی وجہ سے ان کی قراءات (اختیارات) کے موافق قراءات کرتے تھے۔ بعد اَزاں جب بچے اکٹھے ہوتے اور ایک دوسرے کو قرآن سناتے تو ان کی قراءات میں فرق ہوتا جس پر ہر ایک اپنی قراءات کے بہتر

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے پر اِصرار کرتا۔ یہ بات جب معلمین تک پہنچی تو وہ بھی اس فتنہ کا شکار ہوگئے۔ جب حضرت عثمان ؓ کو اس بات کی اِطلاع ہوئی تو اُنہوں نے خطبہ دیا اور لوگوں کو تنبیہ کی کہ یہ غلط کام ہورہا ہے۔اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ صحابہ کی جماعت: تم اکٹھے ہوکر لوگوں کے لیے ایک مصحف امام لکھ دو، تاکہ مسلمان اس فتنہ سے بچ سکیں۔

بہرحال اَندرونی سطح پر مدینہ میں بھی اختلاف موجود تھا اور دیگر اَمصار میں بھی، جہاں ایک سے زیادہ اختیارات کے موافق تلاوت ہورہی تھی، یہ بات سامنے آئی۔ یہ بات ہم نے اس لیے نقل کی ہے کہ عراق اور شام میں تلاوتِ قرآن مجید میں کوئی اختلاف رونما نہ ہوا تھا، کیونکہ عراق میں عوام الناس ابن مسعود ؓ کی قراء ت پر تھے۔اور شام میں بھی اس لیے رونما نہ ہوا، کیونکہ وہاں تو صرف اُبی بن کعب ؓ کی قراء ت کے مطابق تلاوت ہورہی تھی۔ اختلاف اس وقت ہوا جب اہل شام اور اہل عراق آذربیجان میں جمع ہوئے۔ اور مدینہ میں بھی اختلاف کا سبب کئی ایک صاحب اختیار قراء کی موجودگی تھی۔

یہاں ایک اور بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہ اختلاف اِنکارِ قرآن کا نہیں بلکہ اَولاً ترجیح قراء ت کا تھا، اگرچہ تھا یہ بھی غلط، پھر جب اختلاف شدت اختیار کرنے لگا تو اِنکار کی شکل پیدا ہوئی اور یہ عموماً کم علمی کی بنیاد پر ہوتا رہتا ہے جیسا کہ ہمارے معاشرے میں بیسیوں ایسے اختلافات موجود ہوتے ہیں۔

اَمیر المؤمنین حضرت عثمان ؓ کا عملی اَقدام

آپ ؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو جمیع صحابہ کو جمع کیا اور خطبہ اِرشاد فرمایا۔سب سے پہلے یہ پوچھا کہ آیا قرآن سبعہ اَحرف پر نازل ہوا ہے تو اتنے لوگوں نے کھڑے ہوکر گواہی دی کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا تھا۔[کنز العمال]

پھر حضرت عثمان ؓ نے فرمایا: اے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جمع ہوجاؤ اور لوگوں کے لیے ایک اَیسا مصحف تیار کردو جو امام کی حیثیت اِختیار کرلے۔ جب سارے صحابہ نے ان کی جمع مصاحف کی رائے کی تائید کی تو سیدنا عثمان ؓ نے کہا: میں تم سے ہر ایک شخص کو قسم دیتا ہوں کہ تمہارے پاس جو کچھ بھی بطور قرآن موجود ہے وہ لے آؤ۔ لوگ واپس گھروں کو گئے اور اُنہوں نے قرآن کی صورت میں جو کچھ تھا، حضرت عثمان ؓ کے پاس لاکر جمع کردیا۔ پھر حضرت عثمان ؓ نے ہر شخص کو قسم دے کر گواہی لی کہ کیا تو نے اللہ کے رسول ﷺ سے پڑھا ہے اور آپ ﷺ نے اس کی اِملاء کروائی۔ آپ نے اِس طرح جمع کیے ہوئے پورے قرآن کی چھان پھٹک کی۔

کتابتِ قرآن

جب سیدنا عثمان ؓ نے قرآن کریم کے سلسلہ میسر جمیع مواد کو ایک جگہ پوری تصدیق کرکے اکٹھا کرلیا تو پھر لوگوں سے سوال کیا کہ تم میں سے بہترین کاتب کون ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا نبی کریم ﷺ کے کاتب سیدنا زید بن ثابت ؓ۔ پھر دریافت کیا کہ بہترین عربی دان کون ہے؟ تو جواب دیا گیا سعید بن عاص ؓ۔ سیدنا عثمان ؓ نے فرمایا سعید بن عاص ؓ اِملاء کروائے اور زید ؓ لکھیں اور بخاری کی رِوایت کے مطابق مزید دو حضرات عبداللہ بن زبیر ؓ اور عبدالرحمٰن بن حارث ؓ کو بھی مقرر کیا اور ان تینوں قریشی صحابہ یعنی ابن عاص ؓ، ابن زبیر ؓ اور عبدالرحمٰن بن حارث ؓ کو کہا کہ جب تمہارے اور زید ؓ کے مابین کسی چیز کا اِختلاف ہو تو مجھے اِطلاع دو۔ یعنی رئیس اللجنۃ کی ذِمہ داری خود حضرت عثمان ؓ نبھا رہے تھے۔ جیسا کہ ایک موقع پر سیدنا زید ؓ اور دیگر صحابہ میں

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلاف ہوا جس کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا فاکتبوا بلغة قريش فإنما نزل بلسانهم۔
لیکن محمد ابن سیرین نے اپنی کئی ایک روایات میں کہا ہے کہ کاتبین جمع عثمانی کی تعداد بارہ تھی۔ جیسا کہ کثیر بن افلح رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: ”لما أراد عثمان أن يكتب المصاحف جمع له اثني عشر رجلا من قريش والأنصار فيهم أبي بن كعب وزيد بن ثابت......“

”کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کتابت مصاحف کا ارادہ کیا تو اس کے لیے بارہ اَفراد کو جمع کیا جن میں اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔“

ان میں سے کچھ کے نام تو روایات میں موجود ہیں۔ جیسا کہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں: 'حدثني كثير بن أفلح أنه كان يكتب لهم' 'یعنی کثیر بن افلح بھی کاتبین میں سے تھے۔' [کتاب المصاحف:۱/۲۱۳]

◉ اِمام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”كان جدي مالك بن أبي عامر ممن قرأ في زمان عثمان و كان يكتب المصاحف .“

[کتاب المصاحف:۱/۲۱۵]

”میرے دادا مالک بن ابی عامر رحمہ اللہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن پڑھا اور وہ مصاحف کی کتابت بھی کیا کرتے تھے۔“

◉ محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أن عثمان جمع اثنتي عشر رجلاً من قريش والأنصار فيهم: أبي بن كعب، وأبو عامر جد مالك بن أنس، وكثير بن أفلح وأنس بن مالك وعبدالله بن عباس وعبدالله بن عمر وعبدالله ابن عمرو بن العاص“[نكت الانتصار للباقلاني:۳۵۸، لطائف الإشارات للقسطلاني:۱/۶۱]

”عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے قریش اور انصار میں سے بارہ اَفراد کو کتابتِ قرآن کے لیے جمع فرمایا۔ جن میں اُبی بن کعب، ابوعامر مالک بن انس کے جدامجد، کثیر بن افلح، انس بن مالک، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل تھے۔“

ابن سیرین رحمہ اللہ کی مذکورہ روایت کے مطابق کاتبین مصاحف عثمانیہ کی کل تعداد گیارہ بنتی ہے، جو درج ذیل ہیں:

① زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ② ابن بن کعب رضی اللہ عنہ ③ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ
④ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ⑤ عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ
⑥ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ⑦ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ⑧ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
⑨ کثیر بن افلح رضی اللہ عنہ ⑩ مالک بن انس رضی اللہ عنہ ⑪ مالک بن ابوعامر رضی اللہ عنہ

مصر کے مشہور محقق قاری شیخ علی محمد الضباع نے اپنی کتاب سمير الطالبين في رسم وضبط كتاب المبين میں بارہ اَفراد کے نام ذکر کیے ہیں جن میں مذکورہ گیارہ کے ساتھ ایک بارہویں شخص ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کو شامل کیا ہے۔ [سمیر الطالبین:۱۱]

ہمارے علم کے مطابق شیخ الضباع نے ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کا نام عمارۃ بن غزیہ کی روایت، جسے ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے تخریج کیا ہے، کی بنیاد پر شامل کیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اسے عمارۃ بن غزیہ کا وہم قرار دیا

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، فرماتے ہیں:

”ووقع في رواية عمارة بن غزية 'أبان بن سعيد بن العاص بدل سعيد' قال الخطيب: ووهم عمارة في ذلك لأن أبان قتل بالشام في خلافة عمر ولا مدخل له في هذه القصة والذي أقامه عثمان في ذلك هو سعيد بن العاص ابن أخي أبان المذكور .“[فتح الباری:۱۱/۲۳]

”عمارة بن غزیہ رحمہ اللہ کی روایت میں سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی جگہ ابان بن سعید رضی اللہ عنہ ہے۔ جس کے بارے میں خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ عمارۃ کو اس بارے میں وہم ہوا ہے، کیونکہ اَبان بن سعید رضی اللہ عنہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شام کے محاذ پر شہید ہوگئے تھے مذکورہ واقعہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ جن کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع مصاحف کے لیے مقرر فرمایا تھا وہ اَبان کے بھتیجے سعید ہیں۔“

ہماری نظر میں اگر بارہ اَفراد کی اس کمیٹی میں کاتبین اور ان کے معاونین تمام شامل ہیں تو ایک ایسے شخص کو شامل کیا جاسکتا ہے جو باقاعدہ کاتب تو نہیں البتہ ان کی بھرپور معاونت کرتا رہا ہے۔ وہ شخص ھانی ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کے بارے میں ایک رِوایت امام ابوعبید فضائل القرآن میں لائے ہیں:

”عن هانئ مولى عثمان قال: كنت الرسول بين عثمان وزيد بن ثابت ، فقال زيد: سله عن قوله: 'لم يتسن' أو 'لم يتسنّه'، فقال عثمان: اجعلوها في الهاء .“[فضائل القرآن لابی عبید:۲/۱۰۲]

”ھانی مولیٰ عثمان فرماتے ہیں کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے درمیان (جمع کے دوران) قاصد تھا مجھے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کرو کہ لم يتسن کو هاء کے ساتھ لکھنا ہے یا بدون هاء؟ تو اُنہوں نے فرمایا هاء کے ساتھ لم يتسنه لکھو۔“

لہٰذا اگر اس کمیٹی میں کوئی بطور معاون بارھواں فرد شامل ہوسکتا ہے تو یہ ھانی مولیٰ عثمان ہیں، ورنہ بارھویں فرد کے بارے میں رِوایات خاموش ہیں۔

اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور جمع عثمانی

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ جمع عثمانی میں شریک نہیں تھے، کیونکہ اُن کی وفات کے بارے میں روایات مضطرب ہیں جیسا کہ دکتور غانم قدوری نے رسم المصاحف میں لکھا ہے ۔ اِمام ذھبی رحمہ اللہ نے سیر أعلام النبلاء میں ان روایات کو جمع کردیا ہے، فرماتے ہیں:

محمد بن عمر الواقدی نے کہا ہے کہ روایات اس پر دال ہیں کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ میں فوت ہوئے۔ میں نے ان کے اَہل اور دیگر لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ آپ ۲۲ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ ان کی وفات پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آج سید المسلمین دنیا سے چلے گئے ہیں۔

واقدی آگے ذکر کرتے ہیں:

”قد سمعنا من يقول: مات في خلافة عثمان سنة ثلاثين .“

”ہم نے ایک شخص کو سنا وہ کہہ رہا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ ۳۰ ہجری خلافتِ عثمان میں فوت ہوئے ہیں۔“

اس کے بعد واقدی اس رِوایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”وهو أثبت الأقوال عندنا وذلك أن عثمان أمره أن يجمع القرآن .“

”(۳۰ ہجری) والی روایت تمام اَقوال میں مضبوط قول ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اُنہیں جمع قرآن کا

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکم دیا تھا۔''

واقدی کے اس تبصرے کے بعد امام ذہبی رحمہ اللہ اس روایت کو لائے ہیں جس کی طرف واقدی نے اِشارہ کیا ہے اور بعد میں کہا ہے کہ یہ روایت سنداً قوی ہے لیکن مرسل ہونے کی وجہ سے قابل حجت نہیں ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ میرا گمان یہی ہے کہ سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں شامل نہیں تھے اگر ہوتے تو بجائے زید کے ان کی شہرت ہوتی۔ لہٰذا ظاہر یہ ہی ہے کہ ان کی وفات خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ میں ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ ھیثم بن عدی وغیرہ نے تو ان کی وفات ۱۹ رہجری قرار دی ہے۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر رحمہ اللہ، ابوعبید رحمہ اللہ اور ابوعمرو الضریر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ۲۲ ہجری میں وفات پائی ہے۔ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ طبیعت اسی کی طرف مائل ہے۔

[سير أعلام النبلاء:۱/۴۰۰]

اِمام ذہبی رحمہ اللہ نے اپنا میلان اس طرف ظاہر کیا ہے کہ سیدنا ابی رضی اللہ عنہ ۲۲ رہجری میں ہی وفات پا چکے ہیں جس کی سب سے اَہم دلیل اُنہوں نے یہ دی ہے کہ سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے جمع عثمانی میں موجودگی کے بارے میں جو روایت محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے نقل کی ہے وہ مرسل ہے لہٰذا قابل حجت نہیں۔

دیگر اَقوال میں سے واقدی کی رائے کے مطابق سب سے ثابت ترین قول یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ۳۰ رہجری میں وفات پائی ہے۔

- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وصحح أبونعيم أنه مات في خلافة عثمان . سنة ثلاثين واحتج له بأن زر بن حبيش، لقيه في خلافة عثمان . “ [الإصابہ:۱/۱۸۲]

''ابونعیم نے یہ صحیح قرار دیا ہے کہ آپ کی وفات خلافت عثمان رضی اللہ عنہ میں ۳۰ ھ کو ہوئی ہے، کیونکہ زِر بن حبیش رحمہ اللہ نے آپ سے خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ میں ملاقات کی ہے۔''

بغوی حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قبل جمعہ کے روز فوت ہوئے۔

[الإصابہ:۱ / ۱۸۲]

ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی آپ کی وفات خلافتِ عثمان میں ہی قرار دی ہے۔

ہماری نظر میں یہی بات درست ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہی فوت ہوئے ہیں۔ اور امام ذہبی رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ کی رِوایت مرسل ہے، درست نہیں۔ کیونکہ ابن ابی داؤد رحمہ اللہ نے محمد بن سیرین رحمہ اللہ کی اسی روایت کو سیدنا کثیر بن اَفلح رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بھی نقل کیا ہے۔

”عن محمد بن سيرين عن كثير بن أفلح قال: لما أراد عثمان أن يكتب المصاحف جمع له اثني عشر رجلاً من قريش والأنصار، فيهم أبي بن كعب وزيد بن ثابت......“

[کتاب المصاحف:۱/۲۱۳]

مذکورہ رِوایت اس پر دال ہے کہ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ جمع عثمانی میں موجود تھے بلکہ آپ اس کمیٹی کے ایک اَہم رُکن تھے۔ باقی جمیع اَقاویل کی صحیح اور متصل روایت کی موجودگی میں کوئی حیثیت نہیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ اِمام ذہبی رحمہ اللہ ان کی وفات کو خلافت عمر بابت ۲۲ ہجری کیوں قرار دیتے ہیں تو اس کی واضح دلیل موجود ہے کہ ان کی اس مرفوع روایت تک

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسائی نہیں ہو پائی۔

فقدِ آیات کا مسئلہ

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جب مسلمانوں کے مجمع عام سے خطاب فرمایا اور اختلاف قرآن کے متعلق لوگوں کی صورت حال سے آگاہ کیا تو جمیع صحابہ نے جمع قرآن پر آپ کی موافقت فرمائی اور اپنے پاس لکھا ہوا جمیع قرآنی مواد لے کر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوگئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قسم دے کر اُن سے شہادت لیتے اور بطور قرآن اُسے محفوظ کرلیا جاتا جب سارا مواد جمع ہوگیا تو صحابہ کی رائے کے موافق کاتبین کے حوالے کردیا اور انہوں نے اُسے ترتیب دے دیا۔ تکمیل قرآن کے بعد جب سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی دوبارہ مراجعت کی تو آپ نے بعض آیات کو نہ پایا۔ اَب مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ وہ آیات کون سی تھیں۔ اس بارے میں کئی ایک روایات ذخیرہ اَحادیث میں موجود ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

”فقدت آية من سورة الأحزاب حين نسخنا المصحف كنت أسمع رسول الله ﷺ يقرأ بها ما التمسناها فوجدناها مع خزيمة بن ثابت الأنصارى ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ﴾ فألحقناها في سورتها في المصحف .“

[صحيح البخاري:٣٧٤٣]

”میں نے سورۃ احزاب کی آیت (نمبر۲۳) ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى ﴾ کو گم پایا جسے ہم نے تلاش کیا تو خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے مل گئی تو ہم نے اُسے مصحف میں شامل کردیا۔“

اِس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں چار مقامات پر نقل کیا ہے:

① كتاب الجهاد والسير باب قول الله عزوجل: ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا ...... ﴾
② كتاب المغازي باب غزوة اُحد
③ كتاب تفسير القرآن باب ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ...... ﴾
④ كتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن

مذکورہ چاروں مقامات پر جو روایات نقل ہوئی ہیں ان میں چند ایک باتیں مشترک ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ جمع عثمانی کا ہے نہ کہ جمع صدیقی کا کیونکہ اس میں نسخ مصاحف کے وقت کا ذکر ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک نسخ مصاحف (یعنی فوٹو کاپی) کا کام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا ہے کیونکہ باب جمع القرآن میں امام بخاری رحمہ اللہ نے جو جمع صدیقی کے متعلق حضرت زید رضی اللہ عنہ کے الفاظ نقل کیے ہیں وہ 'فتتبع القرآن فأجمعه' کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تلاش و بسیار سے قرآن کو جمع کردو اور پھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں۔ فتتبعت القرآن فأجمعه کہ میں نے پوری طرح تلاش کیا اور اس کو جمع کردیا جبکہ جمع عثمانی میں جو کام ہوا اس کے متعلق حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں 'حين نسخنا المصاحف' کہ جب ہم مصاحف کو نقل کررہے تھے' لہٰذا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان چاروں روایات میں واقعہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع کا بیان ہورہا ہے نہ کہ جمع صدیقی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری بات یہ ہے کہ سب میں یہ بھی موجود ہے کہ آیت مفقود سورۃ الاحزاب کی آیت تھی۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس آیت کو لانے والے سیدنا خزیمۃ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ بخاری کی جمیع رِوایات میں مکمل نام خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ مذکور ہے سوائے ایک روایت کے جو کتاب تفسیر القرآن کی ہے اس میں صرف خزیمہ الانصاری رضی اللہ عنہ ہے یعنی صرف صحابی کا نام ہے والد کا نام نہیں ہے۔ جبکہ جو شخص سورۃ التوبہ کی آیات لایا تھا اس کا نام ابوخزیمہ الانصاری رضی اللہ عنہ ہے یعنی خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ ذوالشہادتین ہیں جو کہ جمع عثمانی میں آیت احزاب کو لے کر آئے تھے اور جمع صدیقی میں جو شخص سورۃ التوبہ کی آیت لے کر آئے تھے وہ ابوخزیمہ حارث بن خزیمہ الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ ابن داؤد نے کتاب المصاحف میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس کی صراحت کی ہے۔

ابن ابی داؤد رحمہ اللہ نے عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

”أتی الحارث بن خزیمة بهاتین الآیتین: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ إلی قوله: ﴿رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ إلی عمر، فقال: من معکم علی هذا؟ فقال: لا أدري والله! إلا أني أشهد أني سمعتها من رسول الله ﷺ ووعیتها وحفظتها، فقال عمر: وأنا أشهد لسمعتها من رسول الله ﷺ.“ [کتاب المصاحف: ۱/۹۷]

”کہ حارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ دو آیات ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ......﴾ [التوبة: ۱۲۸] الی قولہ ﴿رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تمہارے ساتھ دوسرا گواہ کون ہے تو اُنہوں نے کہا میں نہیں جانتا مگر مَیں یہ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ نبی کریم ﷺ سے سنی ہیں اور یاد کی ہیں۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ آیت میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنی ہے۔“

مذکورہ روایت سے واضح ہوتا ہے کہ ابوخزیمہ جو آیات سورۃ توبہ لے کر آئے تھے وہ حارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ تھے جن کے نام کی صراحت اس روایت میں آ گئی ہے۔

اس بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یعنی سورۃ الاحزاب کی آیات لانے والے جناب خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں اس کے علاوہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بھی وضاحت فرما دی ہے کہ جمع صدیقی میں سورۃ التوبہ کی آیات کا مسئلہ تھا اور جمع عثمانی میں سورۃ الاحزاب کی آیت مفقود تھی۔ [فتح الباری: ۱۰/۴۳۹]

البتہ بخاری میں مذکورہ روایات جو جمع صدیقی کے متعلق ہیں ان میں یہ اختلاف موجود ہے کہ سورۃ توبہ کی آیات لانے والے خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے یا ابوخزیمہ تھے۔ کتاب التفسیر میں موجود روایت میں ہے کہ یہ خزیمۃ الانصاری رضی اللہ عنہ تھے جبکہ کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن میں سورۃ التوبۃ کی آیات لانے والے ابوخزیمہ تھے اس کے علاوہ بخاری میں دوسرے مقامات پر ان دونوں رِوایات کے متابعات اور شواہد بھی موجود ہیں۔

یعنی بخاری میں جمع صدیقی کی رِوایات دونوں ناموں خزیمہ اور ابوخزیمہ سے موجود ہیں اور ترمذی کی روایت صیغہ شک کے ساتھ ہے جس میں خزیمہ أو أبو خزیمه کے الفاظ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے راجح اس بات کو قرار دیا ہے کہ جمع صدیقی میں آیت توبہ لانے والے اکیلے صحابی سیدنا ابوخزیمہ حارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ ہیں اور جمع عثمانی کے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موقع پرسورۃ الاحزاب کی آیت لانے والے صحابی سیدنا خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ تھے۔[فتح الباری:۱۱/۱۸]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا مؤقف کو ترجیح تو دی ہے لیکن اس کا سبب ذکر نہیں کیا یعنی وجہ ترجیح موجود نہیں ہے۔ ہماری نظر میں اس کی دو توجیہات ہوسکتی ہیں:

① اِمام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری میں جس جگہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جمع عثمانی کے متعلق اَحزاب والی آیت کا تذکرہ کیا ہے ان جمیع روایت میں صیغہ جزم کے ساتھ یہ منقول ہے کہ اس آیت کے لانے والے سیدنا خزیمہ بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ ہے۔ البتہ شک کا اظہار سورۃ التوبہ والی آیت میں ہے لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ کے ہاں یہ بات تو طے ہے کہ سورۃ الاحزاب والی آیات لانے والے صحابی سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے جس سے دوسری رِوایات کا مفہوم بھی اَز خود متعین ہوجاتا ہے کہ وہ سیدنا ابوخزیمہ الانصاری رضی اللہ عنہ تھے۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۃ التوبہ کی آیات کے بارے میں جو رِوایت ابن ابي داوٗد کتاب المصاحف میں لائے ہیں اس میں خزیمہ یا ابوخزیمہ کے بجائے ایک صحابی کا نام مذکور ہے الفاظ یوں ہیں 'أتی الحارث ابن خزیمة بهاتين الآیتین' یعنی سورۃ التوبہ کی آیات لانے والے صحابی حارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ تھے اور یہی وہ حارث بن خزیمہ رضی اللہ عنہ ہیں جس کی کنیت ابوخزیمہ ہے اور وہ کنیت سے معروف تھے۔ والله أعلم بالصواب۔

عمارۃ بن غزیہ کی روایت کا مسئلہ

جمع عثمانی کے سلسلہ میں اگر کوئی مفصل ترین رِوایت ہے تو وہ تفسیر طبری میں مذکور عمارۃ بن غزیہ کی روایت ہے جسے ہم نے نمبر ۷ پر ذکر کیا ہے۔ لیکن اُس روایت کا مسئلہ یہ ہے کہ اس میں راوی کو بعض مقامات پر شدید وہم ہوا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے مطابق ویسے بھی اس نے کئی ایک طرق کو جمع کردیا ہے جس میں ایک بات تو ہم پیچھے واضح کر چکے ہیں کہ اُنہوں نے جمع عثمانی کے کاتبین میں اَبان بن سعید کو شمار کیا ہے جو کہ راوی کا وہم ہے دوسری بات جو یہاں ذکر کرنا مطلوب ہے وہ یہ کہ اس روایت میں فقد آیات کے مسئلہ کو صرف اور صرف جمع عثمانی کا مسئلہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ دونوں جمع عثمانی میں نہیں ملی تھیں جبکہ یہ بات درست نہیں جیسا کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ آیت توبہ جمع صدیقی میں اور آیت اَحزاب جمع عثمانی میں مفقود تھی مزید ایک بات یہ بھی قابل بحث ہے کہ انہوں نے لانے والے دونوں صحابہ کو خزیمہ ہی کہا ہے کسی کی کنیت ذکر نہیں کی بلکہ دوسری آیت کے موقع پر کہہ دیا ہے وھو یدعی خزیمه حالانکہ یہ بات بھی درست نہیں کیونکہ آیات توبہ لانے والے ابوخزیمہ تھے جبکہ آیت احزاب خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے ملی تھی۔

تعدادِ مصاحف کا مسئلہ

تعداد مصاحف کے بارے میں بھی کئی ایک اَقوال پائے جاتے ہیں جن میں چار، پانچ، چھ، سات تک کے اَقوال موجود ہیں۔ کتاب المصاحف میں ابن ابی داوٗد اس بارے میں دو روایات لائے ہیں۔

① فرماتے ہیں:

”حمزة الزيات يقول: كتب عثمان أربعة مصاحف، فبعث بمصحف منها إلى الكوفة فوضع عند رجل من مراد، فبقي حتى كتبت مصحفي عليه.“ [کتاب المصاحف: ۱/۱۱۵]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''امام حمزہ الزیات رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار مصاحف لکھوائے جن میں سے ایک مصحف کوفہ روانہ کیا جسے آل مراد کے ایک شخص کے پاس پر رکھا گیا۔ (امام حمزہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں) میں نے اپنا مصحف بھی اُسی سے لکھا۔''

④ امام اَبوحاتم سجستانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لما كتب عثمان المصاحف حين جمع القرآن كتب سبعة مصاحف فبعث واحداً إلى مكة وآخر إلى الشام وآخر إلى اليمن، وآخر إلى البحرين وآخر إلى البصرة وآخر إلى الكوفة وعين بالمدينة واحداً.“ [تاريخ دمشق: ١/ ١٩٨]

''جمع قرآن کے وقت جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف لکھوائے اُن کی تعداد سات تھی۔ ان میں سے ایک مکہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک کوفہ اور ایک اہل مدینہ کے لیے رکھ لیا۔''

اِس روایت کے مطابق مصاحف کی تعداد سات بنتی ہے۔

◉ اِمام ابن کثیر رحمہ اللہ نے مذکورہ دونوں روایات کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

”وصحح القرطبي أنه إنما نفذ إلى الآفاق أربعة مصاحف وهذا غريب.“ [ابن کثیر: ۱/۳۰]

''امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ مصاحف جن کا نفاذ ہوا ہے وہ چار ہیں لیکن یہ بات غریب ہے۔''

◉ امام ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ نے بھی چار والے قول کو ہی صحیح قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

”أكثر العلماء على أن عثمان بن عفان ÷ لما كتب المصحف جعله على أربع نسخ وبعث إلى كل ناحية من النواحي بواحدة منهن، فوجه إلى الكوفة إحداهن وإلى البصرة أخرى، وإلى الشام الثالثة، وأمسك عند نفسه واحدة. وقد قيل: أنه جعله سبع نسخ ووجه من ذلك أيضاً نسخة إلى مكة ونسخة إلى اليمن ونسخة إلى البحرين. والأوّل أصح وعليه الأئمة.“ [المقنع في رسم المصاحف الأمصار: ٣]

''اکثر علماء اسی طرح ہیں کہ حضرت عثمان رحمہ اللہ نے چار نسخے تیار کروائے تھے جن میں ایک کوفہ، ایک شام، ایک بصرہ اور ایک اپنے پاس رکھ لیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ سات نسخے تھے جو مذکورہ چار شہروں کے علاوہ باقی مکہ، یمن اور بحرین بھیجے گئے تھے۔ (امام دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں) پہلی بات درست ہے اوراسی پر ائمہ ہیں۔''

یعنی اِمام دانی رحمہ اللہ کی رائے امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے کے خلاف ہے، اِمام دانی رحمہ اللہ چار مصاحف کے قائل ہیں، جبکہ ابن کثیر رحمہ اللہ سات مصاحف کی ترسیل کو درست قرار دیتے ہیں۔ ہماری نظر میں دونوں کی دلیل مذکورہ بالا اِمام حمزہ رحمہ اللہ اور امام سجستانی رحمہ اللہ کے اَقوال ہیں۔ ان کے علاوہ شاید ان آراء کے رجوح کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

ہماری نظر میں مصاحف کی تعداد جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آفاق اَرض کی طرف ارسال فرمائے تھے، پانچ ہے اور کل مصاحف کی تعداد چھ ہے۔ وہ اس لیے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب مصاحف روانہ فرمائے تھے تو ہر مصحف کے ساتھ باقاعدہ ایک قاری روانہ کیا تھا اور جن قراء کے نام روایات میں موجود ہیں وہ پانچ ہیں جیسا کہ مناہل العرفان میں ہے:

”روي أن عثمان ÷ أمر زيد بن ثابت أن يقرئ بالمدني، وبعث عبدالله بن السائب مع المكي، والمغيرة بن أبي شهاب مع الشامي وأبا عبدالرحمن السلمي مع الكوفي وعامر بن عبدالقيس مع البصري.“ [مناهل العرفان: ۴۰۱]

''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مصحف مدنی پڑھائے، عبدالرحمٰن بن سائب رضی اللہ عنہ کو مکی، مغیرۃ بن شہاب رضی اللہ عنہ کو شامی، ابوعبدالرحمٰن السلمی رضی اللہ عنہ کو کوفی اور عامر بن قیس رضی اللہ عنہ کو بصری مصحف

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ روانہ کیا۔''

لہٰذا وہ مصاحف جو عوام الناس کے لیے مختص کیے گئے وہ پانچ تھے، جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کی تائید کی ہے، فرماتے ہیں:

"واختلفوا في عدة المصاحف التي أرسل بها عثمان إلى الآفاق فالمشهور أنها خمسة . "

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو آفاق ارض کی طرف مصاحف ارسال فرمائے ان کی تعداد میں اختلاف ہے اور مشہور یہ ہے کہ وہ پانچ ہیں۔''

یعنی جو مصاحف عامة المسلمین کے لیے تھے وہ پانچ ہی تھے اور چھٹا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے خاص فرمایا تھا جسے مدنی خاص کہا جاتا ہے۔

◉ ابن عاشر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے، فرماتے ہیں:

"والصواب أنها ستة: المكي الشامي والبصري والكوفي والمدني العام الذي سيره عثمان من محل نسخة إلى مقره والمدني الخاص به الذي حبسه لنفسه وهو المسمى الإمام"

[مناهل العرفان:۴۰۳]

''صحیح بات یہ ہے کہ مصاحفِ عثمانیہ چھ تھے جن میں مکی، شامی، بصری، کوفی، مدنی عام جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محل نسخ یعنی مدینہ والوں کی قراءات کے لیے خاص کیا تھا اور مدنی خاص جسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے خاص فرمایا تھا۔''

ابن حجر رحمہ اللہ اور ابن عاشر کا قول میں کوئی منافات نہیں ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے مصحف امام کا ذکر ہی نہیں کیا یعنی فقط لفظی اختلاف ہے۔

نیز امام سیوطی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، فرماتے ہیں:

"اختلف في عدة المصاحف التي أرسل بها عثمان إلى الآفاق ، فالمشهور أنها خمسة"

[الإتقان:۱۲۱/۱]

''جو مصاحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف بلاد میں روانہ کیے تھے انکی تعداد میں اختلاف ہے اور مشہور یہ ہے کہ وہ پانچ ہیں۔''

کیا آیات اور سورہ کی ترتیب توقیفی ہے؟

آیات کی ترتیب کے بارے میں تو اُمت مسلمہ کا اِجماع ہے کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے۔

◉ اِمام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الإجماع والنصوص المترادفة على أن ترتيب الآيات توقيفي لا شبهة في ذلك. أما الإجماع فنقله غير واحد منهم: الزركشي في البرهان وأبو جعفر بن الزبير في مناسباته، وعبارته: ترتيب الآيات في سورها واقع بتوقيفه وأمره من غير خلاف في هذا بين المسلمين" [الإتقان:۱۲۱/۱]

''اِجماع اُمت اور نصوص مترادفہ اس پر دال ہیں کہ آیات کی ترتیب توقیفی ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہے، اس پر کئی ایک نے اجماع نقل کیا ہے جن میں زرکشی رحمہ اللہ نے برھان میں اور ابو جعفر بن الزبیر نے مناسبات میں کہا ہے کہ سورتوں میں آیات کی ترتیب یہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بتائی ہے اور یہ ایسا معاملہ ہے جس میں مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

◉ امام زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"فأما الآيات في كل سورة وضع البسملة أوائلها فترتيبها توقيفي بلاشك، ولا خلاف فيه." [البرهان:۲۵۴/۱]

''ہر ایک سورت کی آیات اور ان کے شروع میں بسملہ لکھنا تو قرآن کریم کی جو ترتیب ہے یہ بغیر کسی شک کے نبی مکرمﷺ کی طرف سے ہے اور اس بارے میں کسی قسم کا بھی اختلاف نہیں۔''

◉ مکی بن ابی طالب القیسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ترتيب الآيات في السور هو من النبي ﷺ ولما لم يأمر بذلك في أوّل براء ة تركت بلا بسمله."

''آیات کی ترتیب یہ نبی مکرمﷺ کی طرف سے ہے اسی وجہ سے سورۃ براۃ کو بغیر بسملہ کے لکھا گیا ہے کہ آپ نے وہاں لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا۔''

◉ قاضی ابوبکر الباقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ترتيب الآيات أمر واجب وحكم لازم فقد كان جبريل يقول: «ضَعُوْا آيَةَ كَذَا فِي مَوْضِعِ كَذَا». [البرهان:۲۵۴/۱]

''آیات کی ترتیب کو ملحوظ رکھنا واجب اور لازم ہے خود سیدنا جبریل علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ فلاں آیت کو فلاں جگہ رکھو۔''

اِمام زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المدخل اور دلائل النبوۃ میں اس کی دلیل حضرت زید رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث دی:

"كنا حول رسول الله ﷺ نؤلف القرآن من الرقاع. إذ قال: «طُوْبٰى لِلشَّامِ». فقيل له: ولِمَ؟ قال: «إِنَّ مَلَآئِكَةَ الرَّحْمٰنِ بَاسِطَةٌ أَجْنِحَتَهَا عَلَيْهِمْ». [البرهان: ۱۵۴/۱]

''کہ ہم اس وقت اللہ کے رسولﷺ کے اردگرد قرآن کریم کو ترتیب دے رہے تھے جب آپ نے کہا کہ شام والوں کے لیے خوشخبری ہو، آپﷺ سے کہا گیا کیوں اللہ کے رسولﷺ، آپﷺ نے فرمایا: رحمٰن کے فرشتے شام پر اپنے پَر پھیلائے ہوئے ہیں۔''

لہٰذا ترتیب آیات توقیفی ہونے کے متعلق اُمت مرحومہ کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے ساری کی ساری اُمت اس بات پر متفق ہے کہ یہ توقیفی ہی ہیں۔

ترتیب سور کا مسئلہ

سورتوں کی ترتیب آیا توقیفی ہے یعنی بذریعہ وحی مقرر کی گئی ہے یا پھر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے اجتہاد سے مقرر فرمائی ہے اس بارے میں علماء کی تین آراء ہیں:

① قرآن کی ترتیب اجتہادی ہے یعنی صحابہ نے خود اپنے اِجتہاد سے مقرر فرمائی ہے یہ جمہور علماء کی رائے ہے امام مالک رحمہ اللہ اور قاضی ابوبکر الباقلانی رحمہ اللہ اپنے ایک قول میں ان کے ساتھ ہیں۔[الاتقان:۱۲۴/۱]

② علماء کی ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ آیات کی طرح سور کی ترتیب بھی توقیفی ہے یعنی خود نبیﷺ نے مقرر فرمائی ہے۔

③ اس بارے میں تیسری رائے یہ ہے کہ قرآن کا بعض سور کی ترتیب توقیفی ہے اور بعض کی صحابہ رضی اللہ عنہم نے مقرر فرمائی۔[البرھان:۳۵۴/۱]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہماری نظر میں درست اور صحیح مذہب یہ ہے کہ قرآن کریم کی ان سور کی ترتیب تو نبی مکرمﷺ کی مقرر کردہ جس کی طرف آپ نے خود اِشارہ بھی فرمایا ہے۔ جبکہ دیگر سور کی ترتیب اِجتہادی ہے۔ توقیفی کہنے والوں کے دلائل درج ذیل ہیں۔

آپﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”عن واثلة بن الأسقع أن النبي ﷺ قال: «أُعْطِيْتُ مَكَانَ التَّوْرَاةِ السَّبْعَ الطِّوَالَ، وَأُعْطِيْتُ مَكَانَ الزَّبُوْرِ الْمِئَيْنَ وَأُعْطِيتُ مَكَانَ الإِنْجِيلِ الْمَثَانِي وَفُضِّلْتُ بِالْمُفَصَّلِ»

[مسند أحمد: ١٦٣٦٨، سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني: ١٤٨٠]

”واثلہ بن اسقع روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرمﷺ نے فرمایا: مجھے تورات کے بدلے سبع طوال، زبور کے بدلے مئین، اِنجیل کے بدلے مثانی عطا کی گئی ہیں اور مجھے مفصل سورتوں کے ساتھ فضیلت عطا کی گئی ہے۔“

اس رِوایت کے بارے میں امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”المختار على أن تأليف السور على هذا الترتيب من رسول الله ﷺ لحديث واثلة وأعطيت مكان التوراة السبع الطوال.“ [مناهل العرفان: ١/٣٥٥، الإتقان: ١/١٧٢]

”واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی حدیث ”أعطيت مكان التوراة السبع الطوال“ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سورتوں کی ترتیب بھی اللہ کے رسولﷺ کی طرف سے ہے اور یہی پسندیدہ مذہب ہے۔“

پھر فرماتے ہیں:

”فهذا الحديث يدل على أن تأليف القرآن مأخوذ عن النبیﷺ.“ [المرجع السابق]

”یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ سورۃ کی ترتیب یہ نبی مکرمﷺ سے ہی ماخوذ ہے۔“

- ابن الحصار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ترتيب وضع الآيات على مواضعها إنما كان بالوحي.“

”سورتوں اور آیات کی ترتیب یہ صرف اور صرف وحی کی بنیاد پر ہے۔“

- ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ترتيب بعض السور على بعضها أو معظمها لا يمتنع أن يكون توقيفياً: ومما يدل على أن ترتيب المصحف كان توقيفا ما أخرجه أحمد، وأبوداؤد وغيرهما عن أوس بن أبي أوس حذيفة الثقفي. قال: ”كنت في الوفد الذين أسلموا من ثقيف......“ الحديث. وفيه، فقال لنا رسول الله ﷺ: «طَرَأَ عَلَيَّ حِزْبِي مِنَ الْقُرْآنِ فَأَرَدْتُ أَنْ لَّا أَخْرُجَ حَتّٰى أَقْضِيَهٗ». فسألنا عن أصحاب رسول الله ﷺ قلنا: كيف تحزبونَ القرآن؟ قالوا: نحزبه ثلاث سور وخمس سور وسبع سور وتسع سور، وإحدى عشرة، وثلاث عشرة، وحزب المفصل من قٓ حتى تختم، فهذا يدل على أن ترتيب السور على ما هو في المصحف الآن كان في عهد النبي ﷺ.“ [الاتقان: ١/١٢٦]

”بعض سور کی بعض کے ساتھ جو ترتیب ہے اس بارے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ اسے توقیفی قرار دیا جائے اور ان کی توقیفیت پر مسند احمد اور ابوداؤد کی یہ حدیث دال ہے۔“ حذیفہ الثقفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس وفد میں شامل تھا جو ثقیف میں سے مسلمان ہوئے تھے۔ ہمیں رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ اچانک مجھے، قرآن کی تلاوت کرنا یاد آ گیا اور

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے ارادہ کیا کہ اس کی تکمیل کر کے ہی نکلوں: کہتے ہیں کہ ہم نے صحابہ سے سوال کیا کہ تم کس طرح قرآن کے حزب بناتے ہو۔ انہوں نے کہا ، پہلا حزب تین سورتیں، دوسرا پانچ سورتیں، تیسرا سات سورتیں، چوتھا نو سورتیں، پانچواں گیارہ سورتیں، چھٹا تیرا سورتیں اور سورۃ ق سے آخر تک ۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی مصحف کی یہی ترتیب تھی۔''

◉ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ومما يدل على أنه توقيفي كون الحواميم رتبت ولاء وكذا الطواسين ولم ترتب المسبحات ولاء، بل فصل بين سورها وفصل (طسم) الشعراء و(طسم) القصص بـ(طس) مع أنها أقصر منهما ولو كان الترتيب اجتهادياً لذكرت المسبحات ولاء، وأخرت طس عن القصص . “ [الاتقان:۱۲۶/۱]

''قرآن کریم کی سورتوں کے توقیفی ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ تمام سورتیں جو حٰم اور طٰس سے شروع ہوتی ہیں انہیں اکٹھا ذکر کیا گیا ہے اور مسبّحات کے درمیان کئی دیگر سورتیں بھی موجود ہیں نیز یہ کہ سورۃ قصص اور شعراء کے درمیان سورۃ النمل کو لایا گیا ہے حالانکہ وہ دونوں سے چھوٹی ہے اگر ترتیب اجتہادی ہوتی تو پھر مسبحات کو اکٹھا ذکر کرنا چاہیے تھا اور قصص اور شعراء کے درمیان نمل کو لانے کی بجائے اسے قصص سے مؤخر کرنا چاہیے تھا۔''

◉ امام ربیعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”عن سليمان بن بلال قال: سمعت ربيعة يسأل: لم قدمت البقرة وآل عمران وقد نزل قبلهما بضع وثمانون سورة بمكة، وإنما أنزلتا بالمدينة . قال: قدمتا وألف القرآن على علم ممن ألفه به . “ [الإتقان: ۱۷۳/۱]

''سلیمان بن بلال کہتے ہیں میں نے ربیعہ سے سنا کہ جب ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا کہ بقرہ اور آل عمران کو کیوں مقدم کیا گیا ہے حالانکہ اس سے پہلے اسی زیادہ سورتیں نازل ہوئی ہیں تو انہوں نے کہا کہ ان کو اسی ذات کے علم کی وجہ سے مقدم کیا گیا جس نے قرآن کی ترتیب لگوائی ہے۔''

ائمہ کے اِن اَقوال کے علاوہ بعض مزید مرفوع اَحادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِقْرَءُوْا الزَّهْرَاوَيْنِ؛ اَلْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ آلِ عِمْرَانَ» . [صحيح مسلم: ۱۳۳۷]

''دو چمکنے والی سورتوں بقرہ اور آل عمران کو پڑھا کرو۔''

اس حدیث میں بھی اللہ کے رسول ﷺ نے موجودہ ترتیب کے موافق سورۃ بقرہ اور آل عمران کے اَسماء ذکر فرمائے ہیں۔

◉ امام محمود کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ترتيب السور هكذا هو عند الله وفي اللوح المحفوظ وهو على هذا الترتيب كان يعرض على جبريل كل سنة ما كان يجتمع عنده ، وعرض عليه في السنة التي توفي فيها مرتين . “

[مباحث فی علوم القرآن: ۱۴۵/۱]

''سورتوں کی ترتیب موجودہ ترتیب کے موافق اللہ کی طرف سے متعین کردہ ہے اور لوح محفوظ میں بھی اسی طرح ہی موجود ہے اسی ترتیب کے موافق ہی اللہ کے رسول ﷺ سیدنا جبریل علیہ السلام سے ہر سال جتنا قرآن ان کے پاس جمع ہوتا

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دور کرتے اور ایسے ہی عام وفات میں آپ ﷺ نے دو مرتبہ دور فرمایا۔''

مذکورہ اَحادیث اور ائمہ کے اَقوال کے باوصف چند ایک دلائل ایسے ہیں جو سورتوں کی ترتیب کے توقیفی ہونے میں حائل ہیں۔ جس میں ایک دلیل صحابہ کے وہ مصاحف ہیں کہ جن میں سور کی ترتیب موجودہ ترتیب عثمانی کے خلاف ہے۔ جس کی تفصیل 'الإتقان' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس کی دوسری دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وہ قول ہے جس میں آپ نے سورۃ انفال اور توبہ کو اپنے اجتہاد سے ترتیب دیا۔ نیز بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایات بھی اس کے خلاف دلیل ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''وما يضرك أية قرأت قبل، إنما نزل أول ما نزل منه سورة من المفصل، فيها ذكر الجنة والنار...... . '' [فتح الباری:۱۱/۴۷]

جبکہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''لقد تعلمت النظائر التي كان النبي يقرؤهن اثنين في كل ركعة فقام عبدالله ودخل معه علقمة وخرج علقمة فسألناه فقال: عشرون سورة من أول المفصل على تأليف ابن مسعود آخرهن الحواميم حٰم الدخان وعم يتساءلون . '' [فتح الباری:۱۱/۴۷]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے قرآن کی ترتیب مقرر نہیں کی تھی ایسے ہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترتیب قرآن، کہ جس میں سورۃ دخان مفصل میں شامل ہے یہ ظاہر کرتی ہے قرآن کریم کی ترتیب اجتہادی ہے نہ کہ توقیفی۔ اِن دلائل کی موجودگی میں یہ کہنا مشکل ہے کہ مکمل قرآن کریم کی ترتیب توقیفی ہے البتہ ان سورتوں کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی ترتیب توقیفی ہے جس کے بارے میں نبی مکرم ﷺ نے خود اِرشاد فرمایا اور پھر مصحف عثمانی میں ان کو اسی ترتیب کے موافق لکھا گیا ہے۔ واللہ أعلم بالصواب .

ضروری وضاحت

بجلی کی شدید لوڈشیڈنگ اور دیگر بعض وجوہات کی بناء پر رسالہ ہذا اکتوبر ۲۰۰۹ء سے مارچ ۲۰۱۰ء تک مشتمل ہے۔ قارئین کرام نوٹ فرمالیں۔ [ادارہ]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعجاز القرآن

مولانا محمد رمضان سلفی☆

علم القراءات اور قواعدِ نحویہ

قرآن کریم وہ معجزہ کلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے آخری پیغمبر حضرت محمدﷺ پر نازل فرمایا ہے، اگر اللہ رب العزت چاہتا تو قرآن کریم کو بنی بنائی اور سلی سلائی کتاب کی صورت میں یکبار بھی اُتار سکتا تھا، تاکہ ہر شخص جیسے چاہتا اسے پڑھ لیتا اور اسے اس سے جو سمجھ آتا اسے مراد اِلٰہی جان کر اس پر عمل پیرا ہو جاتا، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عقل وخرد سے نوازا ہے اور فہم وفراست اور عقل ودانش کے میدان میں کچھ لوگ ایسے بھی گذرے ہیں جو بڑے عالی دماغ اور بال کی کھال اُتارنے والے تھے وہ چاہتے تو قرآن کریم کو اپنی تأویل کی عینک سے وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھال سکتے تھے، اور ہر دور کے لوگوں کو ان کی مرضی کے مطابق قرآنی مفاہیم ومطالب مہیا کر سکتے تھے۔

لیکن اللہ علام الغیوب نے ایسا نہیں کیا کہ قرآن کریم کے مفاہیم ومطالب کو اہل عقل وشعور کی فہم وفراست پر چھوڑ دیا ہو، بلکہ نزول قرآن کے لئے اَیسے رسول کا اِنتخاب فرمایا ہے جسے خاتم النبیین کے منصب پر فائز کیا اور تعلیم کتاب کی ذِمہ داری آپ کے سپرد فرمائی تاکہ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ نبی الفاظ الٰہی سے مراد الٰہی کو قیامت تک آنے والے اِنسانوں کے لئے واضح کردے، یوں کتاب الٰہی اہل عقل کی مختلف تعبیرات سے بازیچۂ اَطفال بننے سے محفوظ ہو جائے، اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ۝﴾ [النحل:۴۴]

’’(اے نبیﷺ!) ہم نے آپ کی طرف اس نصیحت نامہ کو اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے ان کی طرف نازل کردہ کتاب کی وضاحت کریں۔‘‘

اور کتاب وحکمت کی تعلیم کا فریضہ صاحب قرآنﷺ کے حوالے کرتے ہوئے اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ...... ۝﴾ [آل عمران:۱۶۴]

’’اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر اِحسان فرمایا جبکہ ان میں اپنا رسول ان میں سے ہی بھیجا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھتا اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔‘‘

اس آیت کریمہ میں حکمت سے مراد بقول اِمام شافعی رحمہ اللہ حدیث وسنت ہے۔ [الرسالہ:۱]

تلاوت آیات اور تعلیم کتاب قرآنی مفاہیم ومعارف کی وضاحت وصراحت کو شامل ہے۔ ایسے ہی قراءاتِ سبعہ وعشرہ کی تعلیم وتلاوت بھی اس میں داخل ہے، کیونکہ اَئمہ قراء جن قراءات سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں وہ سب رسول اللہﷺ سے ثابت ہیں، اور ان قراءات اور لہجات کی وجہ عرب کے مختلف قبائل تھے جیسے قریش، بنو ہذیل، بنو ثقیف، ہوازن، کنانہ اور بنو تمیم اور بنو اَسد وغیرہ۔ ان میں سے ہر قبیلہ کا لہجہ اور قراءت قرآن کریم کے بعض کلمات دوسرے قبائل سے مختلف تھے اور رسول کریمﷺ کے کاتبین وحی بھی کسی ایک قبیلہ سے تعلق نہ رکھتے تھے، بلکہ

☆ نائب شیخ الحدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ پر نازل ہونے والی وحی کے لکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق مختلف قبائل سے تھا اور ان میں سے ہر ایک کو اپنی قراءت اور لہجہ پر قرآن کریم کو پڑھنے کی اِجازت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعۂ وحی عنایت فرمائی تھی۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَقرَأَنِي جِبْرِيْلُ عَلى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيْدُهُ وَيَزِيْدُنِي حَتّٰى انْتَهٰى إِلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ». [صحيح البخاري مع الفتح:۴۹۹۱]

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے ایک قراءت پر قرآن کریم پڑھایا میں نے ان سے اس بارہ مراجعت کی اور ان سے (اپنی اُمت کی آسانی کی خاطر) قراءات قرآن میں اِضافے کا مطالبہ کرتا رہا یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سات قراءات تک پڑھنے کی اِجازت دے دی۔“

مذکورہ قبائل میں سے ہر ایک کو اگر ایک ہی لغت پر پڑھنے کا پابند بنا دیا جاتا اور جس قراءت کا وہ عادی ہے اس پر قراءت کرنے سے اُسے روک دیا جاتا تو یہ اس کے لئے مشکل اور دشوار ہوتا، اور قراءات کا یہ اختلاف ایسا نہیں جس سے حلال وحرام پر اَثر پڑتا ہو یعنی ایک قراءت سے ایک چیز حلال قرار پاتی ہو اور دوسری قراءت سے حرام بن جاتی ہو ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ اختلاف اِمالہ کرنے نہ کرنے، کسی حرف کو پُر کرنے یا باریک پڑھنے یا ایک حرف کو تشدید کے ساتھ پڑھنے یا تخفیف سے پڑھنے کے متعلق تھا، جس میں لفظی تغیر کے باوجود معنی ایک ہی رہتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اَخذ کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مختلف تھے۔ بعض وہ تھے جنہوں نے ایک حرف پر آپ سے قرآن کریم کو اَخذ کیا تھا، بعض نے دو حرفوں پر اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے زائد حرفوں پر آپ سے قرآن کریم سیکھا تھا اور وہ اس طرح مختلف ملکوں اور شہروں میں پھیل گئے جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرکاری تحویل میں مختلف مصاحف نقل کروا کر متعدد اِسلامی ملکوں اور شہروں میں بھیجے تو ہر مصحف کے ساتھ اس صحابی کو بھی مبلغ بنا کر بھیجا جس کی قراءت اس ملک یا شہر کی قرءات کے موافق تھی۔ اس طرح تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کی قراءات اسی طرح مشہور ائمہ قراء تک پہنچیں، جنہوں نے اپنے آپ کو فن قراءت کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔

قواعد عربیہ قراءات قرآن کے تابع ہیں

بعض متنورین (روشن خیال طبقہ) جو علم القراءات کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے وہ علم نحو وصرف کے قواعد پر قرآنی قراءتوں پر حاکم بنا دیتے ہیں اور ان کے خیال میں جو قراءت نحو وصرف کے قواعد کے خلاف ہو، اسے یہ کہہ کر ردّ کر دیتے ہیں کہ یہ قواعد عربیت کے خلاف ہے، اور یہ بہت بڑی جسارت ہے کہ غیر قرآن کو قرآن کریم پر حاکم بنا دیا جائے، اور وحی پر مبنی قراءات کی صحت وسقم کا فیصلہ ایسے علوم سے کیا جائے جو سراسر اِنسانی سعی وکاوش کا نتیجہ ہیں، جبکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض یہ بنتا ہے کہ قواعد لغت کی تصحیح قراءاتِ قرآنیہ سے کریں، اس کے برعکس قراءات کی تصحیح قواعدِ عربیت سے کرنا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا، کیونکہ قواعدِ لغت کا انحصار قراءاتِ قرآنیہ اور نصوص سنت پر ہے، اور قراءات کا دارومدار سماع پر ہے اِجتہاد و اِستنباط پر نہیں، متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان قراءات کا سماع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، اور ان سے تابعین رحمہم اللہ نے اَخذ کیا، اور تبع تابعین رحمہم اللہ تک ہوتا ہوا یہ علم اَئمہ قراء تک پہنچا اور انہوں نے اسے آگے روایت کیا۔ لہٰذا علم قراءات کے سلسلہ میں ائمہ لغت یا علماءِ نحو کی تقلید نہیں کی جاسکتی،

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لئے کہ اس فن کا تمام تر دارومدار رسول اللہ ﷺ سے سماع پر ہے، جیسا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”القراءة سنة متبعة أن يأخذها الآخر عن الأول .“ [السنن الكبرى للبيهقي:٣٨٥]

یعنی ”فن قراءات لائق اتباع ایسی سنت نبویہ ہے جسے بعد میں آنے والا اپنے پیشرو سے اَخذ کرتا ہے۔“

یہ بات ذہن نشین ہو جانی چاہیے کہ قراءِ کرام کی قراءات کا دارومدار نحوی قواعد یا فقہی مسائل کی طرح اجتہاد اور قیاس واستنباط پر نہیں ہے بلکہ قراءاتِ قرآن صرف رسول اکرم ﷺ سے سماع پر موقوف ہے ہیں۔

◉ امام قرطبی رحمہ اللہ، قشیری سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”القراءات التي قرء بها أئمة القرآء ثبتت عن النبي ﷺ تواترا يعرفه أهل الصنعة وإذا ثبت شيء عن النبي ﷺ فمن رد ذلك فقد رد على النبي ﷺ واستقبح ما قرء به .“ [الجامع لأحكام القرآن: ١٥٧/٣/٤]

”یعنی قرآنِ کریم کے قاریوں کی قراءات نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں جیسے فن قرءات کے علماء بخوبی جانتے ہیں، کسی قراءت کے نبی کریم ﷺ سے صحت کے ساتھ ثابت ہو جانے کے بعد اس کا انکار کرنے والا نبی کریم ﷺ پر انکار کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ اس چیز کو قبیح سمجھتا ہے جسے نبی کریم ﷺ نے شرفِ قراءت بخشا ہے۔“

وہ مزید فرماتے ہیں:

”وهذا مقام محذور ولا يقلد فيه آئمة اللغة والنحو فإن العربية تتلقى من النبي ﷺ ولا يشك أحد في فصاحته .“ [المرجع السابق]

”یعنی قراءاتِ قرآن کا مقام بڑا نازک ہے، جس میں اہل لغت اور نحویوں کی تقلید نہیں کی جاسکتی، کیونکہ لغتِ عربیہ بھی رسول کریم ﷺ سے ہی لی جائے گی، اور آپ کی فصاحت وبلاغت میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔“

◉ شیخ عبد العظیم زرقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”فإن علماء النحو إنما استمدوا قواعده من كتاب الله تعالىٰ وكلام رسوله وكلام العرب فإذا ثبتت قرآنية القرآن بالرواية المقبولة كان القرآن هو الحكم على علماء النحو وما قعدوا من قواعد ووجب أن يراجعوهم بقواعدهم إليه، لا أن نرجع نحن بالقرآن إلى قواعدهم المخالفة نحكمها فيه وإلا كان ذلك عكسا للاية وإهمالا للأصل في وجوب الرعاية۔“ [مناهل العرفان: ٤٢٢/١]

”علماء نحو نے اپنے نحوی قاعدے قرآن کریم، کلام رسول (حدیث نبوی ﷺ) اور کلام عرب سے حاصل کئے ہیں۔ لہٰذا جب معتبر اور مقبول رِوایت کے ساتھ قرآن کی قرآنیت ثابت ہوجائے تو وہی علماء نحو بنائے ہوئے قواعد کا فیصلہ کرے گی۔ اور ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے قواعد کی تصحیح کے لئے کلام اللہ (قرآن کریم) کی طرف رجوع کریں، یہ نہیں ہوسکتا کہ ان کے بعض خلافِ قرآن بنائے ہوئے قواعد کو قرآن کریم پر حاکم بنا دیا جائے، ورنہ اس طرز عمل سے اس اصول کا ترک لازم آئے گا جس کا لحاظ کرنا ضروری ہے اور یہ آیت قرآنی کے خلاف ہوگا۔“

عقل وقیاس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ قراءات کو قواعد عربیہ پر حاکم بنایا جائے اور قراءات کے ذریعہ سے قواعد کی صحت وسقم کا فیصلہ کیا جائے، کیونکہ قرآن وسنت قواعد عربیہ کے لئے اصل اور مصدر کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ قواعد نحویہ قراءاتِ قرآن سے اَخذ کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ غافر آیت ﴿ لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ۝ أَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَأَطَّلِعَ إِلَى

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِلٰهِ مُوْسٰى ﴾ [سورۃ غافر:۳۶،۳۷] میں ’فَأَطَّلِعَ‘ کو حفص کی قراءت میں منصوب پڑھا گیا ہے اور اس سے نحاۃ نے یہ قاعدہ اَخذ کیا ہے۔

قاعدہ

تمنی یا ترجی کے جواب میں فعل مضارع پر فا آجائے تو اس فا کے بعد ’أن‘ مصدریہ مقدر ہوتا ہے جو فعل مضارع کو نصب دیتا ہے۔

جبکہ حفص رحمہ اللہ کے علاوہ باقی قراءِ کرام فا کو عاطفہ بناتے ہیں اور ’أبلغ‘ پر عطف ڈالتے ہوئے ’فأطَّلِعُ‘ کو مرفوع پڑھتے ہیں۔

اسی طرح قاری عاصم رحمہ اللہ نے سورۃ عبس کی آیت ﴿وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰىٓ ۝ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝﴾ [سورۃ عبس:۳،۴] میں ’فَتَنْفَعَهُ‘ منصوب پڑھا ہے کیونکہ اس میں مضارع پر فا ’لعل‘ کے جواب میں ہے، اور یہاں بھی فعل مضارع پر فا کے بعد ’أن‘ ناصبہ مقدر ہے۔

جبکہ عاصم رحمہ اللہ کے علاوہ باقی قراء نے ’یزکی‘ پر عطف ڈالتے ہوئے ’فَتَنْفَعُهُ‘ کو مرفوع پڑھا ہے۔

قاعدہ

اسی طرح علماءِ نحو کے ہاں یہ قاعدہ بھی معروف ہے کہ افعال رجحان ”ظن ، حسب ، خال اور نعم“ کے بعد فعل مضارع پر آنے والا ’أن‘ ناصبہ بھی ہوسکتا ہے اور مخففہ من المثقلہ بھی، اور دوسری صورت میں فعل کو مرفوع پڑھا جائے گا۔

اور یہ قاعدہ سورۃ المائدہ کی آیت ﴿وَحَسِبُوْٓا أَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ [سورۃ المائدہ:۷۱] سے لیا گیا ہے، کیونکہ اس آیت میں ابوعمرو بن علاء، حمزہ اور الکسائی نے ’تکون‘ کو رفع سے پڑھا ہے، اور ’أنْ‘ کو مخففہ من المثقلہ بنایا ہے، جبکہ ان کے علاوہ باقی قراء نے ’تکون‘ کو نصب سے پڑھا ہے اور ’أن‘ کو مصدریہ (ناصبہ) بنایا ہے۔

یاد رہے کہ کلام عرب میں ’أن‘ چار اقسام پر ہے۔

① أن مصدریہ جو فعل مضارع کو نصب دیتا ہے، اور یہ معروف ہے جیسے: ”أريد أن تخرج “

② أن مخففہ عن المثقلہ: اور یہ افعال شک ویقین کے بعد آتا ہے جیسے: ﴿عَلِمَ أَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى﴾ [المزمل:۲۰]

③ أن تفسیریہ اور یہ ایسے فعل کے بعد آتا ہے جو قول کے معنی میں ہو جیسے: ﴿وَنَادَيْنٰهُ أَنْ يّٰٓإِبْرٰهِيْمُ﴾ [الصافات:۱۰۴]

④ أن زائدہ اور یہ تین مقامات میں تاکید کے لئے زائد آتا ہے:

❶ لَمَّا کے بعد جیسے ﴿فَلَمَّآ أَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ﴾ [یوسف:۹۶]

❷ قسم اور ’لو‘ کے درمیان جیسے و اللہ أن لو قمتَ قمتُ

❸ کاف جارہ اور اس کے مجرور کے درمیان بھی أن زائدہ آتا ہے جیسے کان ظبية [حجۃ القراءات ابوزرعہ:۲۳۳]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاعدہ

علماءِ تصریف کے ہاں یہ مشہور قاعدہ ہے کہ ہر کلمہ کو اپنی وقفی صورت پر لکھا جاتا ہے اور اسم منقوص پر وقف کی حالت میں یا کو برقرار رکھنا جائز ہے۔

اور یہ قاعدہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراءات سے اَخذ کیا گیا ہے، انہوں نے سورۃ رعد کی آیت ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾ [سورۃ الرعد:۷] میں وقف کی صورت میں یا کو برقرار رکھا ہے، جبکہ دیگر قراء اس پر وقف کے وقت یا کو حذف کرنے کے قائل ہیں۔

قاعدہ

ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کا عطف حرف جر دہرائے بغیر جائز ہے۔

یہ قاعدہ کوفی نحاۃ کی نزدیک مسلم ہے اور بعض مصری علماء بھی اس کی حمایت کرتے ہیں اور انہوں نے اس کو قرآن کریم میں سورۃ النساء کی آیت ﴿ وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِي تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ ...... ﴾ [سورۃ النساء:۱] سے اخذ کیا ہے، کیونکہ حمزہ رحمہ اللہ نے 'بہٖ' کی ضمیر مجرور پر عطف ڈالتے ہوئے 'الأرحام' کو جر کے ساتھ پڑھا ہے اور حرف جر کا اِعادہ نہیں ہوا۔

لیکن جو علماء ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کو عطف میں حرف جر کا اعادہ ضروری سمجھتے ہیں اور بغیر اِعادہ جار وہ اس عطف کو جائز نہیں سمجھتے، وہ حمزہ قاری رحمہ اللہ کی مذکورہ قراءت پر تین طرح کے اعتراض کرتے ہیں جن کا جواب دینا ضروری ہے اور وہ اعتراض حسب ذیل ہیں:

① یہ قراءت معنوی اعتبار سے درست نہیں ہے۔

② 'والأرحام' کی جر کی صورت میں اس پر با مقدر ہوگی جو کہ با قسمیہ ہوگی اور معنی ہوگا ''رشتہ داریوں کی قسم'' اور یہ جائز نہیں کیونکہ غیر اللہ کی قسم اٹھانا حرام ہے۔

③ یہ قراءت عربی قاعدے کے خلاف ہے۔

جہاں تک پہلے اعتراض کا تعلق ہے، تو یہ جملہ معنوی اعتبار سے بالکل درست ہے، کیونکہ معطوف میں با مقدر ہے جس پر معطوف علیہ کی با دلالت کرتی ہے، لہٰذا یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے 'کیف أصبحت؟' تو اس کے جواب میں کہا جائے 'خیر' را کی جر کے ساتھ اصل میں ہوگا 'بخیر' أي أصبحت بخیر' اور مذکورہ آیت کا معنی ہوگا: ''تساءلون بالأرحام''۔

رہا دوسرا اعتراض تو وہ سرے سے باطل ہے، کیونکہ یہاں با قسمیہ نہیں بلکہ باسببیہ ہے یعنی وہ رشتہ داریاں جن کی وجہ سے تم سوال کرتے ہو، گویا یہ سوال بالرحم کے قبیل سے ہے۔ قسم کے قبیل سے نہیں ہے، اور کسی چیز کے سبب کے ذریعہ سے سوال کرنا اور کسی کی قسم اٹھانا دو مختلف چیزیں ہیں اگر کہا جائے ''باللہ لتفعلن کذا'' تو یہاں با قسمیہ ہے، لیکن اگر کہا جائے ''أسألك باللہ أن تفعل کذا'' تو یہ اللہ کے حق کے واسطے سے سوال ہے، قسم نہیں ہے۔

اور اگر با کو قسمیہ مان بھی لیا جائے تو بھی قسم اٹھانے والا اللہ تعالی ہے اور اللہ تعالی اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم اٹھا سکتا ہے، جبکہ غیر اللہ کی قسم اٹھانے کی ممانعت تو مخلوق کے لئے ہے، مخلوقات میں سے کسی کو اِجازت نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ وہ اللہ تعالی کے علاوہ کسی کی قسم اٹھائے۔

رہا یہ اعتراض کہ 'الأرحام' کی قراءت جر کے ساتھ ہو تو یہ عربی لغت کے خلاف ہے، کیونکہ ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کا عطف حرفِ جر کو معطوف میں دہرانے کے ساتھ صحیح ہوتا ہے، اور آیت مذکورہ میں حرفِ جر کو دوبارہ نہیں لایا گیا، لہٰذا 'والأرحام' کو جر کے ساتھ پڑھنا اور بغیر اعادہ جار کے اس کا عطف ضمیر مجرور پر ڈالنا عربی قاعدے کے خلاف ہے۔ یہ اعتراض بھی لغو اور باطل ہے، کیونکہ حمزہ رحمہ اللہ کا 'والأرحام' کو جر کے ساتھ پڑھنا ہی اس قراءت کے لغت عرب کے موافق ہونے کے لئے بطورِ دلیل کافی ہے، وہ لغت عربیہ کے بھی ماہر تھے، اور اس قراءت کو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے، گویا یہ قراءت منزل من الله ہے۔ لہٰذا بعض علماءِ لغت کا اس قراءت پر انکار کرنا ویسے ہی مردود ہے جیسے جہمیہ وغیرہ کا نصوصِ صفات کا انکار کرنا مردود ہے، کیونکہ وہ ان کی عقلی قیاس آرائیوں کے خلاف ہیں۔

حقیقی بات یہ ہے کہ ضمیر مجرور پر حرف جر دہرائے بغیر اسم ظاہر کا عطف جائز ہے، اور قراءتِ حمزہ رحمہ اللہ قواعدِ عربیہ کے خلاف نہیں ہے، اس بارہ میں ہم بعض ان نحاۃ کے اَقوال ذکر کرتے ہیں جن کے ہاں عطفِ مذکور مطلقاً جائز ہے۔

علمِ نحو کے مشہور و معروف عالم ابن ہشام رحمہ اللہ ضمیر مجرور پر عطف کے وقت اعادہ حرفِ جر کے عدمِ وجوب کا فیصلہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ولا يجب ذلك خلافاً لأكثر البصريين .“ [شرح شذور الذهب:۴۴۹]

یعنی اکثر بصریوں کے خلاف عطف مذکور میں حرفِ جر کا دوبارہ لانا، کوئی ضروری نہیں ہے۔

شرح جامی میں ہے:

”وهو الذي ذكرناه أعني لزوم إعادة الجار في حالة السعة والاختيار مذهب البصريين، ويجوز تركها اضطراراً وأجاز الكوفيون ترك الإعادة في حال السعة .“ [شرح جامی:۱۹۶]

”یعنی حرف جر کا دوبارہ لانا بصریوں کے نزدیک ضروری ہے، اگرچہ وہ بھی ضرورت کے وقت اسے لازم نہیں سمجھتے اور اس کے ترک کی اجازت دیتے ہیں، ان کے برعکس سب کوفی نحاۃ کے ہاں ضمیر مجرور پر عطف کے وقت حرفِ جر کا دوبارہ لانا کسی صورت میں بھی ضروری نہیں ہے۔“

ابن مالک رحمہ اللہ جن کی عربی قواعد میں مایہ ناز کتاب الفیہ (جو عربی نظم میں) ہے فرماتے ہیں:

وعود خافض لدي عطف على — ضمير خفض لازماً قد جعلا

وليس عندي لازماً إذ قد أتى — في النثر والنظم الصحيح مثبتاً

[الفیہ:۸۹]

یعنی ضمیر مجرور پر عطف کے وقت حرفِ جر کا اعادہ بصری نحاۃ کی طرف سے ضروری بتا دیا گیا ہے لیکن میرے نزدیک یہ لازم اور ضروری نہیں کیونکہ یہ عطف اعادہ جار کے بغیر صحیح ثابت نظم و نثر میں مستعمل ہے۔

جبکہ 'المساعد' میں ہے 'والصحيح الجواز مطلقاً' [۴۲۰/۲]

یعنی صحیح بات یہ ہے کہ عطف بہر صورت جائز ہے خواہ حرف جر دوبارہ لایا جائے یا نہ لایا جائے۔

کوفی نحاۃ نے اپنے مؤقف پر قرآن کریم کی متعدد آیات قرآنیہ سے بھی استدلال کیا ہے جن سے قراءتِ حمزہ رحمہ اللہ کی تائید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [البقرۃ:۲۱۷] میں اسم ظاہر کا عطف ’بہ‘ کی ضمیر مجرور پر ہے اور حرفِ جر دوبارہ نہیں لایا گیا، اسی طرح اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ﴾ [الحجر:۲۰] اس میں ’من‘ اسم موصول کا ’لکم‘ کی ضمیر مجرور پر بغیر اِعادہ کے عطف ہے۔ نیز اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ...﴾ [النساء:۱۲۷] اس میں ’ما‘ موصول کا ’فیھن‘ کی ضمیر مجرور پر حرف جر دوبارہ لائے بغیر عطف ہے۔

ذکر کردہ چند مثالوں سے یہ بات ثابت کرنا مقصود ہے کہ قواعد لغت قراءاتِ قرآنیہ سے اَخذ کیے گئے ہیں، اور قراءات ان قواعد سے مقدم ہیں، اس لیے قراءات کو قواعد پر حاکم بنانا اور ان کی صحت وسقم کا فیصلہ قراءات سے کرنا جو قاعدہ ان کے مطابق ہو اسے قبول کرنا اور جو خلاف ہو اس میں ترمیم کرکے قراءتِ قرآن کے موافق بنانا ہی قرین قیاس ہے، اس کے برعکس قواعدِ عربیہ کو قراءات پر حاکم بنا دینا اور قراءات کی صحت وسقم کو قواعد لغت کے تابع بنا دینا تو ایسے ہی ہے جیسے فروع کو اپنے اصول پر حاکم بنا دیا جائے اور یہ درست نہیں بلکہ عدل وانصاف کے اصول کے خلاف ہے۔ لہٰذا قراءات کو قواعد سے پرکھنا بھی علمی دیوالیہ پن کی علامت ہے۔

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ ہر علم کے بارہ میں ان علماء کی طرف مراجعت کی جائے گی جنہیں اس علم میں تخصص اور مہارت حاصل ہو مثلاً فن حدیث میں أصحاب الحدیث کی بات ہی معتبر ہوگی، اگر کوئی شخص احادیث پر یا اَحادیث صحیح بخاری پر رائے زنی کرے جو اس فن کا ماہر نہ ہو تو اس کی بات کالعدم سمجھی جائے گی اور اسے کوئی اَہمیت حاصل نہیں ہوگی بنابریں اَحادیث یا صحیح بخاری کے خلاف لکھی جانے والی کتابیں لائق التفات نہیں ہیں کیونکہ ان کو پرکھنے والے حضرات فن حدیث سے نابلد ہوتے ہیں۔ اسی طرح فقہ حنفی کے مسائل کے بارہ میں فقہاء حنفیہ کی بات کو جو وزن حاصل ہوگا اس فن کے بارہ میں وہ وزن دوسروں کی بات کو حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ بعض علماء ایک فن میں ماہر ہوتے ہیں اور دوسرے علمی فنون میں انہیں کوئی دسترس خاص نہیں ہوتی، مثال کے طور پر امام رازی رحمہ اللہ عقلیات کے امام ہیں لیکن اَحادیث وآثار کے میدان میں تہی دامن ہیں اس طرح وکیع رحمہ اللہ اور عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ حدیث وآثار کے امام ہیں لیکن علم طب سے واقفیت نہیں رکھتے، سیبویہ رحمہ اللہ وغیرہ لغت عربیہ کے امام ہیں لیکن فن حدیث کو نہیں جانتے، حفص رحمہ اللہ وحمزہ رحمہ اللہ وغیرہ قراء کرام قراءتِ قرآن کے امام ہیں لیکن علم فقہ کے ماہر نہیں ہیں۔ اس لیے قراءاتِ قرآن کی صحت کے فیصلے کے لئے قراء کرام کی طرف رجوع کیا جائے گا، آئمہ لغت کی طرف نہیں...... کیونکہ یہ ان کا فن نہیں ہے، اسی لیے کہا گیا ہے ”لکل مقامٍ مقالٌ ولکل فنٍّ رجالٌ.“

——————*

اظہار معذرت

رُشد قراءات نمبر دوم کے صفحہ ۸۲۴ پر ڈاکٹر قاری محمد طاہر کا نام غلطی سے محمد طاہر قادری شائع ہوگیا ہے جس پر ادارہ معذرت خواہ ہے۔ قارئین تصحیح فرمالیں۔ [ادارہ]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساجد علی سبحانی

نحوی قواعد کا قرآن سے انحرف اور اس کے اَسباب

دنیائے علم و اَدب میں عربی گرائمر ایک ایسی منفرد گرائمر ہے جس کے مصادر ومنابع کے طور پر سرفہرست قرآن کریم جیسی عظیم آسمانی کتب کا نام لیا جاتا ہے۔[السیوطي ، عبد الرحمن بن أبي بکر: الاقتراح في علم أصول النحو ، تحقیق وتعلیق أحمد محمد القاسم:۴۸]

جو خالق کائنات کی جانب سے بنی نوع اِنسان کے واسطے ایک اَبدی پیغام ہدایت ہونے کے ساتھ فصاحت وبلاغت زبان سے لبریز ایک ایسا زندہ معجزہ ہے کہ عربی زبان کے نابغہ روزگار اُدباء کو بھی اس کے بے مثل اور خدا کا کلام ہونے کا اعتراف کرنا پڑا یہاں تک کہ جب لبید بن ربیعہ (جن کا شمار معلقات سبعہ کے شعراء میں ہوتا ہے) سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شعر سنانے کے لیے کہا تو انہوں نے سورۃ البقرۃ کی تلاوت کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے سورۃ بقرۃ اور سورۃ آل عمران نازل ہونے کے بعد مجھے شعر کہنا پسند نہیں رہا۔

[ابن قتیبہ ، عبد اللہ بن مسلم: الشعر والشعراء:۱۴۹]

یہ ٹھیک ہے کہ نزول قرآن کے زمانے میں عربی گرائمر کے قواعد ومدوّن نہیں کئے گئے تھے اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی، کیونکہ اہل زبان کو قواعد جاننے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مگر یہ تو یقینی ہے کہ عربوں کا کلام عربی زبان کے طبعی قواعد کے مطابق ہوتا تھا لہٰذا ان کا فصاحت وبلاغتِ قرآن کا اعتراف اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ ان کی نگاہ میں کلام الٰہی کا کوئی حصہ قواعد عربیہ کے خلاف نہ تھا ورنہ وہ اس اعتبار سے اسے ضرور تنقید کا نشانہ بناتے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عرب قرآن کریم کو زبان کی صحت وسقم کے لحاظ سے Authority سمجھتے تھے اسی وجہ سے نحاۃ Grammarians نے بھی قواعد عربیہ کی تاسیس میں قرآن کریم اور اس کی قراء ات کو بہت اَہمیت دی ہے اور مختلف مقامات پر ان سے اِستدلال کیا ہے۔ لیکن قرآن کریم کو اس قدر اَہمیت دینے کے باوجود کچھ ایسے عربی قواعد بھی تدوین کئے گئے ہیں جن میں قرآن کریم اور اس کی قراء ات سے اِنحراف Deviation پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر نحوی قاعدے کے مطابق جب فعل کا فاعل اسم ظاہر ہو تو صیغۂ فعل کو مفرد لانا ضروری ہے چاہے فاعل مفرد ہو یا تثنیہ وجمع۔[السیوطي ، همع الهوامع:۱۴۰۵ھ،۱/۱۲۰]

لہٰذا قام الزیدون کہنا صحیح ہے اور قاموا الزیدون کہنا غلط ہے یعنی فعل کے ساتھ علامت جمع (واو) کا الحاق صحیح نہیں ہے۔ جبکہ قرآنی اسلوب کے مطابق یہ الحاق صحیح ہے جیسا کہ آیت کریمہ:

﴿وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ [سورۃ الانبیاء:۳]

میں فعل (أسروا) کے ساتھ واؤ ملحق ہے حالانکہ اس کا فاعل اسم ظاہر (الذین) ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال یہ ہے کہ وہ کون سے اَسباب ہیں جن کی وجہ سے بعض نحوی قواعد میں قرآن کریم سے اِنحراف کا مسئلہ پیش آتا ہے؟ قرآن کریم اور عربی گرائمر کا مطالعہ اس مسئلے کے درج ذیل چار اَسباب کی نشاندہی کرتا ہے۔

① نحوی تعصب

عربی گرائمر کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اس میں مختلف مکاتب فکر Schools of thought پائے جاتے ہیں۔ اور ان میں بصری، کوفی ، بغدادی، اُندلسی اور مصری مکاتب فکر کو شہرت حاصل ہے۔ ہر مکتب فکر مخصوص طرز تفکر کا حامل ہے۔ ان میں سب سے پہلے بصری مکتب معرض وجود میں آیا اور عربی گرائمر کی تدوین کا سہرا اپنے سر لیا۔ اس کے تقریباً ایک صدی بعد کوفی مکتب فکر سامنے آیا۔[نشأة النحو وتاريخ أشهر النحاة:۴،۱۹۵۴م:۲۶]

بصرہ اور کوفہ عراق کے دو اہم شہر شمار ہوتے ہیں۔ یہ دو شہر شروع ہی سے تعصب کا شکار رہے۔ خاندانی اور مدنی تعصب تو زمانۂ تاسیس سے موجود تھا۔ [فتوح البلدان:۱،۴۱۲۰، ۱۶۷، ۱۶۸، ۲۰۹، ۲۱۰]

جبکہ جنگ جمل نے مذہبی تعصب میں بھی اضافہ کر دیا۔ دیگر شعبہ ہائے حیات کے ساتھ علوم وفنون بھی تعصب کی زد میں آگئے ۔ چنانچہ قرآنی قراءت، شاعری اور عربی گرائمر بھی اس سے متاثر ہوئی۔

[تاريخ العرب قبل الإسلام:۲۱۳،۲۳۰]

مختلف نحوی قواعد میں بصری اور کوفی نحاۃ کے درمیان اختلاف کا اِنکار نہیں کیا جاسکتا ۔ ابن الانباری نے اپنی کتاب میں ایک سو اکیس (۱۲۱) اَیسے نحوی قواعد جمع کیے ہیں جن میں ان کے درمیان اختلاف پائے جاتے ہیں۔

[الإنصاف في مسائل الخلاف ، أدب الحوزة:۸۳۸،۸۵۶]

اس کے علاوہ ان کے مناظرے اور ایک دوسرے پر فخر ومباہات کی مجالس بھی اس تعصب کی نشاندہی کرتی ہیں۔

اسی طرح ملاحظہ کیجئے کہ کسائی کے بعد کوفی مکتب فکر کے بڑے علمدار ابوزکریا فراء، بصری نحو کے امام سیبویہ کے خلاف کتنا تعصب رکھتے تھے۔ اَرباب تاریخ نے لکھا ہے کہ مرتے وقت ان کے سرہانے کے نیچے سیبویہ کی نحوی تصنیف 'الکتاب' رکھی ہوئی تھی ۔ اور زندگی میں بھی ہمیشہ ان کے پاس رہتی تھی، کیونکہ وہ ان کی نحوی غلطیاں تلاش کرنے میں اس حد تک سرگرم رہتے تھے کہ ہر نحوی قاعدے میں ان کی مخالفت کو' کارثواب' سمجھتے تھے۔

[مراتب النحويين:۱۳۹]

یہ حقیقت ہے کہ بصری اور کوفی نحاۃ کے درمیان اختلاف کے کئی اسباب ہیں البتہ مکتبی تعصب کا اِنکار بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس نحوی تعصب کی وجہ سے عربی گرائمر میں ایسے قواعد شامل ہوئے جن میں قرآن کریم اور اس کی قراءت سے عدول پایا جاتا ہے۔[النحو القرآني ، مطابع أبو الفتح:۲۷]

اور جب نحاۃ نے ملاحظہ کیا کہ ان کے وضع کردہ بعض نحوی قواعد اور قرآن کریم میں تضاد پایا جاتا ہے تو ان میں سے بعض نحاۃ قواعد کی مرکزیت کے قائل ہوئے اور مخالف آیات وقراءات کی یا تو تاویل کی اور یا انہیں کسی نہ کسی طرح تنقید کا نشانہ بنایا۔[البحث اللغوی عند العرب :۳۰]

اور اس روش سے کوئی نحوی مکتب فکر مستثنیٰ نہیں ہے۔ اگر چہ اس کی بنیاد بصری نحاۃ نے رکھی ہے ۔ اور پھر ان کی پیروی دیگر ماہرین نحو ولغت اور اَرباب تفسیر وقراءات نے کی ہے۔[دراسات لأسلوب القرآن الكريم:۱/۱۹]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعصب کی یہ حالت تقریباً ایک صدی تک برقرار رہی یہاں تک کہ دونوں فریق بغداد میں جمع ہوئے اور عربی گرائمر میں ایک تیسیر مکتب فکر 'بغدادی' منظر عام پر آیا۔ جس کے نتیجے میں بصری اور کوفی نحاۃ کے درمیان تعصب میں قدرے کمی واقع ہوئی۔

④ عربی گرائمر کے مصادر میں بنیادی اِختلاف

عربی گرائمر کو دوسری زبانوں کی گرائمر سے ایک امتیاز اس لحاظ سے حاصل ہے کہ اس کے مصادر یعنی قرآن کریم، حدیث شریف، شاعری اور نثر میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے۔ شاعری شاعر کے وجدان اور باطن کی ترجمانی کرتی ہے اس کا اُسلوب جذبات واِحساسات پر قائم ہوتا ہے تخیل (Imagination) اس کی شناخت ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ شاعری فکر وسوچ سے بالکل خالی ہوتی ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اگر شاعر اپنے افکار کو شاعری کے قالب میں ڈھالنا چاہے تو بھی شاعری خصوصیات اس پر غالب ہوتی ہیں۔ چنانچہ جذبات سے امتزاج، شعور اور ذاتی تجربات اس کے افکار پر چھائے رہتے ہیں۔

شاعری کی لینگوئج وزن اور قافیہ کی پابند ہوتی ہے جس سے اس میں شعری موسیقی (Poetic Music) بھی شامل ہوتی ہے۔ لیکن نثر (Prose) شاعری سے بالکل مختلف ہے۔ صحیح فکر وسوچ، آزاد کلام، الفاظ وجملات کی خاص ترکیب، مناسب طریقے سے اِبتداء اور خاتمہ نثر کی خصوصیات میں سے شمار ہوتے ہیں۔ یہ خصوصیات ایک ادیب کی پہچان ہیں اور انہی سے کسی کے ادبی مقام کا تعین کیا جاتا ہے۔

جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے تو اسکی Language عربی شاعری اور نثر سے یکسر مختلف ہے۔ نہ تو وہ شاعری کی طرح وزن قافیہ کی پابند ہے اور نہ نثر کی طرح بالکل آزاد کلام بلکہ وہ ایک ایسا یگانہ روزگار کلام ہے جو نہ شعر ہے اور نہ نثر۔ وہ بیک وقت کلام عرب کے تمام اَسالیب حسنہ کی جامع ہے۔ قرآن کریم شاعری اور نثر سے بالکل مختلف ہے وہ آیات کا ایسا مجموعہ ہے جس کی ہر آیت کی انتہاء ایسے مقطع پر ہوتی ہے جس کے بارے میں ذوق سلیم گواہی دیتا ہے کہ وہی کلام کلام کا نکتۂ اختتام ہے۔ [ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد، المقدمۃ: ۲/۲۷]

نتیجہ کلام یہ کہ جس طرح شاعری اور نثر میں مذکور اختلاف کو مدنظر رکھ کر قواعد عربیہ کی تأسیس کے مرحلے میں ان دونوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔

[A. Shapitlar: Arabic in Linquistica Scmetica present c. Futuro ,Roma. 1961. Vol:2 ,p.126]

اسی طرح اس مقام پر ان دونوں اور قرآن کریم میں بھی فرق کرنا لازم ہے لہٰذا جو قواعد شعر اور عام نثر کی بنیاد پر بنائے گئے ہوں ان کو قرآن کریم پر لاگو کرنا صحیح نہیں ہے۔ ان میں بھی فرق کرنا لازم ہے کیونکہ قرآن کریم عربی زبان کا صرف اَدبی شاہکار نہیں بلکہ ایسا معجزانہ کلام ہے جو عربی شاعر اور نثر کے اسالیب واغراض میں بھی تبدیلی کا باعث بنا۔ اور اسی نے عربی زبان کو ایک living language کے طور پر باقی رکھا ہے۔ [الفصحی لغۃ القرآن: ۳۳، ۳۵]

نحاۃ نے شعر اور نثر سے قرآن کریم کے اس فرق کو مدِنظر نہیں رکھا اور ایسے قواعد بنا ڈالے جن میں قرآن کریم سے عدول وانحراف پایا جاتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ شاعری کو قرآن کریم پر مقدم کرنا

ہر زبان کا اَدب دو حصوں شاعری اور نثر پر مشتمل ہوتا ہے اور شاعری ہر زبان کے ادب میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ قرآن کریم جو معجزۂ الٰہیہ ہونے کے ساتھ عربی ادب کا بے مثل شاہکار بھی ہے اس کے فہم میں بھی عربی زبان کے شعری ادب کی اہمیت سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آیات کریمہ کی تفسیر میں دورِ جاہلیت سے بھی مدد لیتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآنی آیات کے معانی وتفسیر پوچھی جاتی تو وہ زمانۂ جاہلیت کی شاعری سے اِستشہاد کرتے ہوئے تفسیر کرتے تھے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ان سے پوچھے گئے وہ دوسو پچاس (۲۵۰) سوالات نقل کئے ہیں جن میں نافع بن ازرق نے ان سے متعدد آیات کریمہ کے معانی کے بارے میں استفسار کیا اور انہوں نے جاہلی شعراء کی شاعری کی روشنی میں جوابات دیئے۔

[الإتقان في علوم القرآن:۳۰۱،۳۳۷]

قرآن فہمی میں عربی شاعری کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب تم مجھ سے قرآن کے غریب الفاظ (غیر واضح) کی تفسیر پوچھنا چاہو تو اسے شعر میں تلاش کرو، کیونکہ شاعری عرب کا دیوان ہے۔''

اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قرآن فہمی میں عربی شاعری کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا:

''اے لوگو! تم پر زمانہ جاہلیت کی شاعری کی طرف رجوع لازم ہے کیونکہ اس میں تمہاری کتاب (قرآن) اور تمہارے کلام کے معانی کی تفسیر ہے۔'' [نفس المرجع]

تابعین اور تبع تابعین کا بھی قرآن فہمی کے سلسلے میں یہی طریقہ رہا اور مفسرین کرام نے بھی اپنی تفاسیر میں اس روش پر چلتے ہوئے بہت سی آیات کریمہ کی وضاحت میں عربی شاعری سے مدد لی۔ اسی اہمیت کے پیش نظر نحاۃ نے بھی قواعد کی تأسیس میں عرب شعراء کے کلام سے بہت زیادہ اِستدلال کیا ہے بلکہ اس سلسلہ میں انہوں نے بعض اَسباب کی وجہ سے شاعری کو قرآن کریم پر مقدم گردانا ہے۔ چنانچہ امام النحو سیبویہ کی 'الکتاب' کو ملاحظہ کیجیے اس میں ذکر شدہ آیات کریمہ کی تعداد تقریباً تین سو تہتر (۳۷۳) ہے۔ جبکہ اشعار کی تعداد تقریباً ایک ہزار ساٹھ (۱۰۶۰) ہے۔

[سيبويه، عمرو بن عثمان بن قنبر، الكتاب، تعليق وتحقيق، أميل بديع يعقوب:۵،۲۶،۳۰،۴۳]

صرف یہ نہیں بلکہ قواعد میں لفظ 'شاہد' کا استعمال نحاۃ کے ہاں شعر سے مختص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 'شواہد' کی کتب میں صرف اشعار کو ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ دیگر ادبی اَقسام کا تذکرہ نہیں کیا جاتا۔

شاعری کو باقی ادبی اقسام پر مقدم کرنے میں کوفی نحاۃ کا طریقہ کار اس حد تک مبالغہ آمیز رہا کہ اگر وہ نحوی اصول کے خلاف شعر کا ایک بیت بھی سنتے تو اسی کو اصل قرار دیتے اور اسی کے مطابق قاعدہ بناتے۔ [نشاۃ النحو:۸۴]

نحوی قواعد میں شاعری کو نثر پر مقدم کرنے کے اَسباب

شاعری کو نثر پر مقدم کرنے کے کئی اَسباب ہیں:

① اس کی تدوین بہت پہلے 'معلقات سبعہ' کی شکل میں ہوئی ہے۔

② شاعری عربوں کی خالص فطری زبان کی ترجمان ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

③ اس میں ’ضرورت‘ کا باب کھلا ہے اور وزن وقافیہ کی خاطر از باب ضرورت قواعد کی مخالفت کو جائز سمجھتا جاتا ہے۔
④ فطری طور پر عربوں کو شاعری سے بہت لگاؤ ہے اس لیے کہا گیا ہے ’الشعر دیوان العرب‘ شاعری عرب کا دیوان ہے، ان کے کارناموں کی کتاب ہے۔ چنانچہ شاعری ان کی ثقافت کی ترجمان ہے۔ ان کے عقائد، افکار و خیالات اور رہن سہن کے طور طریقے اسی سے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔
⑤ نحاۃ ایک مسلمان کی طرح قرآن کریم اور حدیث شریف کا غیر معمولی احترام کرتے ہیں جیسا کہ اصمعی زیادہ دیندار ہونے کی وجہ سے قرآن وحدیث میں سے جواب نہیں دیتے تھے اور اگر لغت کا کوئی لفظ قرآن کریم میں ہوتا تو اس کی لغوی تفسیر کرنے سے گریز کرتے تھے۔[مراتب النحويين:۸۳]
⑥ شعر میں وزن اور قافیہ ہونے کی وجہ سے اِعراب کی تمام صورتیں ممکن ہو جاتی ہیں۔

مذکورہ بالا اَسباب دنیائے ادب میں شعر کی اہمیت کو تو ضرور اجاگر کرتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کرتے کہ قواعد کی تأسیس میں شاعری کو اولیت اور قرآن کریم کو ثانوی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ قرآن سے بڑھ کر عربی زبان میں کوئی باوثوق نص Reliable text نہیں ہے۔

④ قرآنی فواصل کی رعایت نہ کرنا

قرآن کریم کی اِنفرادیت کا ایک سبب اس کے فواصل ہیں۔ قرآنی فواصل آیات کریمہ کے اواخر کو کہا جاتا ہے یہ شعر میں قافیہ اور نثر میں مقاطع کی طرح آیات کریمہ میں تناسب وزن اور حسن پیدا کرتے ہیں۔ ان کے بغیر قرآن کے معانی کا سمجھنا اور اس سے شرعی دلیلوں کا استنباط ممکن نہیں ہے۔[الإتقان في علوم القرآن: ۲۱۱]

اَدبی اعتبار سے قرآنی فواصل بعض مقامات پر نحوی قواعد کی مخالفت کا سبب بنتے ہیں لیکن یہ چونکہ قرآن کا ایک خاص اسلوب شمار ہوتا ہے اس لیے اس کی وجہ سے وہ فصاحت وبلاغت کے دائرہ سے خارج نہیں ہوتا۔ ان کے مقامات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

① حذف وبقاء

قرآنی فواصل کی خاطر جہاں کسی حرف کو حذف کرنا چاہیے تھا لیکن اسے باقی رکھا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

① فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَٰفُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ﴾ [طٰہٰ:۷۷]

قراءت کے ماہرین کی اکثریت نے ’لَا تَخَافُ‘ کو حالت رفع کے ساتھ اس بنا پر پڑھا ہے کہ وہ جملہ خبریہ بن کر یا تو ’اضرب‘ میں فاعل کی ضمیر کے لئے حال ہے اور یا جملہ ابتدائیہ ہے۔[الکتاب:۱۱۳/۳]

پھر ’وَلَا تَخْشٰی‘ کو بھی حالت رفع میں الف کے ساتھ قراءت کرکے اسے ’لَّا تَخَاف‘ پر عطف کیا ہے۔ جبکہ قراء اَعمش، حمزہ اور ہارون ابن ابی لیلٰی نے ’لَّا تَخَفْ‘ کو جزمی حالت کے ساتھ الف کو حذف کرکے اس بنا پر پڑھا ہے کہ وہ یا تو امر ’اضرب‘ کے جواب میں ہے، اور جب فعل مضارع اَمر کے جواب میں واقع ہو تو وہ مجزوم ہوتا ہے، یا وہ نہی کا صیغہ ہے۔ پھر اس پر ’وَلَا تَخْشٰی‘ پڑھنا چاہیے کیونکہ حالت جزمی میں فعل ناقص سے الف کو حذف کیا جاتا

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔لیکن سورۃ کی اکثر آیات کا فاصلہ چونکہ الف ہے اس لیے 'وَلَا تَخْشٰی' میں بھی الف کو حذف نہیں کیا گیا۔
[مجمع البیان :۳۶/۷]

② اسی طرح آیت کریمہ ﴿ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ ﴾ [الأعلى:٦]
میں 'فَلَا تَنْسٰى' میں بھی فواصل کے سبب الف کو باقی رکھا گیا ہے حالانکہ ایک قول کے مطابق اس پر لائے نہی داخل ہے جس کی وجہ سے جزمی حالت میں الف نہیں لاتے ہیں۔[البحر المحیط:۲۴۵/۸]

③ آیت کریمہ ﴿ وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ﴾ [الفجر:۴] میں اکثر قراء نے 'یَسْرِ' کو وقف اور وصل دونوں حالتوں میں بغیر یا کے پڑھا ہے۔[الکتاب:۲۹۷/۴] حالانکہ اس پر حروف جازمہ 'لم ، لما ، لام امر، لائے نہی ، إن شرطیہ' میں سے کوئی جازم داخل نہیں ہے۔لہٰذا قاعدے کے مطابق 'یسری' ہونا چاہیے لیکن فواصل آیات کی وجہ سے بغیر یاء کے پڑھا گیا ہے۔

④ قاعدہ یہ ہے کہ جب اسم منقوص پر 'ال تعریف' داخل ہو تو اس سے یاء کو حذف نہیں کیا جاتا۔جیسے 'القاضی' لیکن قرآنی اسلوب کے مطابق یاء کو باقی رکھنا جائز ہے جیسا کہ آیت کریمہ
﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴾ [الرعد:۹]
میں المتعال سے یاء کو فواصل کی خاطر حذف کیا گیا ہے۔[المرجع السابق:۲۹۸]
حالانکہ قاعدے کے مطابق المتعالی ہونا چاہیے تھا۔اسی طرح آیت کریمہ
﴿ وَيٰقَوْمِ إِنِّيْٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴾ [غافر:۳۲]
میں کلمہ 'التناد' سے یا فاصلہ کی خاطر حذف ہے۔[المرجع السابق]

⑤ قاعدے کے مطابق کلام میں جو معنی مقصود ہے اس کے لیے لفظ کو ذکر کیا جائے اور اسے حذف نہ کیا جائے اور حذف کرنے کے نحوی علماء نے، خاص موارد بیان کیے ہیں لیکن قرآن کریم میں صرف فواصل کی خاطر مفعول بہ کو حذف کیا گیا ہے۔مثال کے طور پر آیۃ کریمہ
﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴾ [اللیل:۵]
یعنی 'أعطی مما أتاها الله واتقاه' [البحر المحیط:۶۸۰/۸] اس میں فعل 'اتقی' کا مفعول فواصل 'الشتی'، 'الحسنی' اور 'للیسری' کی خاطر نہیں لایا گیا ہے۔
اسی طرح آیت کریمہ
﴿ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴾ [الضحیٰ:۳]
یعنی 'وما قلاك منذ اصطفاك' [مجمع البیان:۷۰۵/۱۰]
اس میں بھی مفعول 'ك' کو فواصل 'سجٰی'، 'الأولی'، 'فترضی' کی خاطر نہیں لایا گیا۔

② تقدیم وتاخیر

① گرائمر کے مطابق معمول اپنے عامل کے بعد لایا جاتا ہے۔جیسے مفعول کو فعل کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔اور اگر اس کے برعکس کیا جاتا ہے تو اس کے کچھ عوامل ہوتے ہیں لیکن ان کے علاوہ بھی قرآن کریم میں فواصل کی خاطر

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفعول کو فعل سے پہلے لایا گیا ہے مثلاً آیت کریمہ

﴿ أَهٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴾ [سباء:۴۰]

میں 'إِيَّاكُمْ' کو اپنے عامل 'يَعْبُدُونَ' پر مقدم کیا گیا ہے، کیونکہ 'يَعْبُدُونَ' کا فاصلہ ہے۔

[البحر المحیط:۳۷۹/۷]

۲ اصل یہ ہے کہ مفعول کو فاعل کے بعد لایا جائے لیکن آیت کریمہ

﴿ وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴾ [القمر:۴۱]

میں مفعول 'آلَ فِرْعَوْنَ' کو فاعل 'النُّذُرُ' کے بعد لایا گیا ہے، کیونکہ 'النُّذُرُ' فاصلہ ہے۔

۳ قاعدہ یہ ہے کہ 'کان' کی خبر کو اس کے اسم کے بعد ذکر کیا جائے لیکن آیت کریمہ

﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴾ [الاخلاص:۴]

میں اس کے برعکس لایا گیا ہے کیونکہ 'أحدٌ' فاصلہ ہے۔

۴ جس لفظ کا معنی وجود خارجی میں زماناً متاخر ہے اسے قاعدے کے مطابق اس لفظ کے بعد لانا چاہیے جس کا معنی متقدم ہے مگر آیت کریمہ

﴿ فَلِلّٰهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولٰى ﴾ [النجم:۲۵]

میں کلمہ 'الأولی' کو 'الآخرۃ' سے پہلے لایا گیا ہے حالانکہ 'أولی' سے مقصود دنیوی زندگی ہے جسے مذکورہ قاعدہ کے مطابق 'الأخرۃ' سے پہلے آنا چاہیے مگر اس ترتیب کی رعایت فاصلہ کی خاطر نہیں کی گئی۔

[البحر المحیط: ۲۳۲/۸]

اس طرح اللہ تعالی سے استعانت (مدد طلب کرنا) پہلے اور عبادت اس کے بعد معرض وجود میں آتی ہے مگر آیت کریمہ: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴾ [الفاتحۃ:۵]

میں عبادت کو پہلے اور استعانت کو اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے کیونکہ 'نَسْتَعِينُ' قرآنی فاصلہ ہے۔

۵ قاعدے کے مطابق ضمیر غائب اپنے مرجع کے بعد آتی ہے مگر آیت کریمہ

﴿ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسٰى ﴾ [طٰہ:۶۷]

میں کلمہ 'مُوسٰى' فعل 'فَأَوْجَسَ' کے لئے فاعل ہے اور 'فِي نَفْسِهِ' ضمیر غائب 'موسٰی' کی طرف پلٹتی ہے لیکن اسے فاصلے کی خاطر ضمیر کے بعد لایا گیا۔

۶ جار و مجرور کو فعل کے بعد ذکر کیا جاتا ہے جبکہ آیت کریمہ

﴿ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ﴾ [البقرۃ:۳]

میں 'مما' جار و مجرور کو فعل 'ینفقون' سے پہلے لایا گیا، کیونکہ وہ فاصلہ ہے۔

۷ صفت و موصوف کے باب میں مفرد صفت کو جملہ پر مقدم کیا جاتا ہے لیکن قرآن کریم میں جملہ وصفیہ کو مفرد صفت پر مقدم لایا گیا ہے جیسا کہ آیت کریمہ

﴿ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَلْقٰهُ مَنْشُورًا ﴾ [الاسراء:۱۳]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں 'یلقه' کو پہلے اور 'منشورا' اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ وہ فاصلہ ہے۔

③ اِنصراف

جس طرح ضرورت شعری کی خاطر غیر منصرف کو منصرف پڑھا جاتا ہے اسی طرح فاصلہ قرآنی کی خاطر بھی ایسا کرنا جائز ہے۔ مثال کے طور پر آیت کریمہ

﴿ وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ○ قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ○ ﴾

[الدہر: ۱۵،۱۶]

میں 'قوارير، قوارير' نافع، ابوبکر، کسائی نے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ حالانکہ پہلا 'قوارير' جمع المنتهى المجموع کا صیغہ ہے اور وہ غیر منصرف ہے جس پر تنوین نہیں آسکتی۔ مگر اسے منصرف پڑھا گیا ہے کیونکہ وہ فاصلہ ہے۔ اور رجہاں تک دوسرے 'قوارير' کو منصرف پڑھنے کا تعلق ہے حالانکہ وہ آیت کی اِبتداء میں ہے تو اسے پہلے 'قوارير' سے تناسب کی خاطر منصرف پڑھا گیا ہے۔

④ نیابت

ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کی جگہ اس کے نائب کے طور پر لانا۔ اس کے درج ذیل موارد ہیں۔

① اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ لانا، جیسا کہ آیت کریمہ

﴿وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ○ ﴾ [الاعراف: ۱۷۰]

میں 'أجرهم' کے بجائے 'المصلحين' اسم ظاہر لایا گیا ہے، کیونکہ وہ فاصلہ ہے، جیسا کہ اسی سورۃ میں 'تعقلون'، 'تتقون' اور 'غافلين'، بھی فواصل ہیں۔

② فاعل کی جگہ مفعول کا صیغہ لانا، مثلاً آیت کریمہ ﴿حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ○ ﴾ [الاسراء: ۴۵]

میں 'ساترا' کے بجائے 'مستورا' لایا گیا ہے، کیونکہ وہ فاصلہ ہے۔ جیسا کہ اسی سورۃ میں 'غفورا، نفورا اور مسحورا' فواصل ہیں۔

③ مفعول کے بجائے فاعل کا صیغہ ذکر کرنا، جیسا کہ آیت کریمہ

﴿فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ○ ﴾ [الحاقۃ: ۲۱]

میں 'مرضية' کے بجائے 'راضية' کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ زندگی راضية نہیں بلکہ مرضية (پسندیدہ) ہوتی ہے۔ مگر وہ فاصلہ واقع ہے جیسا کہ 'عالية'، 'دانية' اور 'خالية' بھی فواصل ہیں۔ [البحر المحیط: ۸/۳۵۶]

④ ایک حرف کو دوسرے حرف کی جگہ پر لانا، مثلاً آیت کریمہ

﴿ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ○ ﴾ [الزلزال: ۵]

میں فعل 'أوحى' اگرچہ مشہور ہے کہ 'إلى' سے متعدد ہوتا ہے مگر اسے (لام) سے متعدی لایا گیا ہے، کیونکہ 'لها' فاصلہ ہے جیسا کہ عجاج بن رؤبة نے بھی 'أوحى' کو 'لها' سے متعدی پڑھا ہے۔

أوحى لها القرار فاستقرت ۔۔۔ وشدها بالراسيات الثبت

[البحر المحیط: ۸/۵۰۱]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑤ عدد

① صیغہ جمع کے بجائے صیغہ مفرد لانا مثلاً آیت کریمہ ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّٰتٍ وَنَهَرٍ ۝﴾ [القمر:۵۴]
میں 'أنهار' کے بجائے 'نهر' ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ فاصلہ ہے۔[مجمع البیان:۱۰/۲۹۵]

② صیغہ مفرد کے بجائے صیغہ جمع ذکر کرنا مثلا آیت کریمہ ﴿لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَٰلٌ ۝﴾ [ابراہیم:۳۱]
میں 'لاخل' کے بجائے 'لاخلل' ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ فاصلہ ہے جیسا کہ 'البوار'، 'القرار' اور 'الأنهار' بھی فواصل ہیں۔

③ مفرد کے بجائے تثنیہ کا صیغہ لانا، مثلاً آیت کریمہ
﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِۦ جَنَّتَانِ ۝﴾ [رحمٰن:۴۶]
میں 'جنة' کے بجائے 'جنتان' فاصلہ ہونے کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ ایک شاعر نے بھی جنة کے بجائے جنتین پڑھا ہے۔

یسعی بکیداء ولهذمین قد جعل الأرطاة جنتین

[معاني القرآن:۳/۲۶]

⑥ جنس (مذکر، مؤنث)

① مذکر کے بجائے مونث لانا مثلا آیت کریمہ
﴿كَلَّآ إِنَّهُۥ تَذْكِرَةٌ ۝﴾ [المدثر:۵۴]
میں قاعدے کے مطابق 'تذکیر یا تذکار' کے بجائے (تذکرۃ) تاء تانیث کے ساتھ لایا گیا ہے کیونکہ وہ 'الأخرة'، 'المغفرة' کی طرح فاصلہ ہے۔

② اسم جنس کی صفت لاتے وقت اس میں تذکیر اور تانیث میں سے ہر ایک کا اعتبار کرنا جائز ہے لیکن فاصلہ قرآنی کی خاطر کبھی اس کی تذکیر کو ترجیح دی جاتی ہے جیسا کہ آیت کریمہ
﴿أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنقَعِرٍ ۝﴾ [القمر:۲۰]
میں 'منقعر'، 'أعجاز' کے لئے صفت ہے اور 'مستمر'، 'نذر'، 'مدکر' فواصل کی خاطر اسے بھی 'منقعر' بغیر تاء تانیث کے ذکر کیا گیا ہے۔[أبو حیان، البحر المحیط:۸/۲۵۵]
اور بعض مقامات پر فاصلہ ہونے کی وجہ سے اس کے لئے صفت میں صیغہ مؤنث لایا گیا ہے مثال کے طور پر آیت کریمہ ﴿أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝﴾ [الحاقة:۷]
میں 'خاوية'، 'أعجاز' کے لئے صفت ہے اور دوسرے فواصل یعنی 'کاتبه'، 'باقية' کی طرح اسے تاء تانیث کے ساتھ لایا گیا ہے۔[الزمخشری، جارالله بن محمد بن عمر، المفصل في صنعة الأعراب:۳/۲۶]

⑦ امالہ

امالہ یہ ہے کہ الف کو کسرہ کی طرف مائل کر کے پڑھا جائے تا کہ اس سے یا کی آواز پیدا ہو اب الف کلمہ کے آخر میں ہو تو فعل ہونے کی صورت میں اس میں مطلقا امالہ جائز ہے جیسے دعا، رضیٰ، اور اگر اسم کے آخر میں ہو تو اگر وہ یا

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بدلا ہوا نہ ہو اور تیسری جگہ واقع ہو تو امالہ جائز نہیں اور چوتھی جگہ واقع ہو تو امالہ جائز ہے۔تو اس قاعدے کے تحت 'الضحی' میں امالہ جائز نہیں ہونا چاہیے لیکن قرآنی فاصلہ کی خاطر آیت کریمہ

﴿وَالضُّحٰیۙ﴾ [الضحی:۱]

میں 'والضحی' کے الف کو 'سجی'، 'قلی'، 'أولی' میں الف کی طرح امالہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

⑧ عدول

فاصلہ قرآنی کی وجہ سے صیغہ ماضی کے بجائے صیغہ مضارع لایا جاتا ہے مثلاً آیت کریمہ

﴿فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ﴾ [البقرۃ:۸۷]

میں 'قتلتم' کے بجائے 'تقتلون' ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ فاصلہ واقع ہے۔[أبو حیان: البحر المحیط:۱/۴۳۵]

⑨ فصل

جن کلمات کے درمیان قاعدے کے مطابق کسی دوسرے لفظ کا فاصلہ ڈالنا صحیح نہیں ہوتا قرآنی فاصلہ کی خاطر وہ جائز ہوتا ہے۔جیسا کہ درج ذیل موارد میں ہے۔

① معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان فاصلہ ڈالنا مثلاً آیت کریمہ

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ [طہ:۱۲۹]

میں ظاہراً 'أجل مسمی' کا (کلمہ) پر عطف ہے۔[المرجع السابق:۶/۳۵۷]

اس کے باوجود ان کے درمیان 'سبقت' کو ذکر کیا گیا ہے۔کیونکہ 'مسمی'، 'نھی'، 'ترضی' اور 'أبقی' کی طرح فاصلہ قرآنی ہے۔

② قاعدے کے مطابق ذوالحال اور حال کے درمیان کسی لفظ کا فاصلہ نہیں ڈالا جاتا لیکن فاصلہ قرآنی اسے جائز قرار دیتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ

﴿وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ ۝ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ﴾ [الاعلی:۵]

اس میں 'أحوی'، 'مرعی' کے لئے حال ہے اور ان دونوں کے درمیان 'فجعله غثاء' کا فاصلہ ڈال کر 'أحوی' کو آخر میں لایا گیا ہے، کیونکہ وہ قرآنی فاصلہ ہے۔[المرجع السابق:۸/۴۶۵]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم سے نحوی عدول کے مذکورہ چار اسباب یہ ثابت کرنے کے لئے تو کافی ہیں کہ نحو کے بعض قواعد میں قرآن کریم سے عدول و انحراف پایا جاتا ہے لہٰذا فنی طور پر چونکہ قرآن کریم نحو کا بنیادی مصدر اور زبان کی صحت وسقم پر کھنے کا معیار ہے اس لیے ضروری ہے کہ جو قواعد قرآنی اسلوب کے خلاف ہیں انہیں اس طریقہ سے Modify کیا جائے کہ وہ اصل سے ہم آہنگ ہو جائیں اور جس مقصد کے لئے نحو کی تدوین کی گئی ہے وہ حاصل ہو سکے۔اور یہ علمی اعتبار سے ہرگز صحیح نہیں ہے کہ ہم اس کے برعکس، معاذ اللہ یہ کہیں کہ قرآن کریم میں نحوی غلطیاں (Grammatical errors) پائی جاتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد شفیق مدنی☆

قراءاتِ متواترہ کے فقہی اَحکام پر اَثرات

یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو سات حروف میں نازل فرمایا ہے۔ اور اس میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ جن میں سے قرآن کریم کو پڑھنے والوں کے لیے آسانی بہم پہنچانا اور قرآنی الفاظ کے ترجمہ وتفسیر' معنی ومفہوم اور اَحکام ومسائل کے اَخذ و اِستنباط میں اُمت مرحومہ کے لیے وسعت اور آسانی کی راہیں ہموار کرنا خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ قرآن مجید کو فقہ اِسلامی میں اصل الاصول اور ماخذ اوّل کی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے ہر دور میں قرآن کی متعدد قراءات پڑھنے، علم قراءات سیکھنے اور بوقتِ ضرورت قراء کی طرف رجوع کرنے کا بہت اہتمام فرمایا ہے تاکہ قراءاتِ متواترہ اور غیر متواترہ کے درمیان فرق کرنے کے ساتھ ساتھ ان قراءات سے شرعی اَحکام پر استدلال اور مختلف قراءات پر مرتب ہونے والے فقہی اَثرات کی نشاندہی کرسکیں۔

قرآن کریم سے اَحکام کے استنباط کرنے میں فقہائے کرام نے قراءاتِ متواترہ کے ساتھ بعض مسائل میں شاذہ قراءت کو پیش نگاہ رکھا ہے لیکن قراءتِ متواترہ کے بارہ میں فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ اس قراءت کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ قراءتِ متواترہ اور قرآن کریم دراصل ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ اس لیے مختلف متواتر قراءات نماز میں تلاوت اور احکام کے استنباط کرنے میں بالکل برابر کی حیثیت رکھتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اُمت کے مختلف مکاتب فکر کے فقہاء کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بعض قراءات قرآنیہ متعدد اور مختلف معانی کا احتمال رکھتی ہیں۔

لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہنا ضروری ہے کہ متنوع قراءاتِ قرآنیہ کی وجہ سے احکام فقہ میں اوامر ونواہی اور حلال وحرام میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے' یعنی اختلاف تضاد اور تناقض ممکن نہیں ہے کہ ایک ہی لفظ میں ایک قراءت کے مطابق کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جا رہا ہو اور دوسری قراءت کے مطابق تقاضا ممانعت کا ہو رہا ہو یا ایک قراءت میں کسی چیز کو حلال اور دوسری قراءت میں حرام قرار دیا گیا ہو۔ جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سبعہ اَحرف والی حدیث میں ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ سبعہ اَحرف کی اجازت صرف ایسے اَمر میں تھی جس میں حلال وحرام کا اختلاف واقع نہ ہو۔ کیونکہ کسی لفظ کے متعدد اور متنوع معانی سے ان کا باہمی تضاد لازم نہیں آتا بلکہ بعض مقامات پر ایک قراءت کا معنی دوسری قراءت کے معنی میں وسعت اور گہری مناسبت پیدا کردیتا ہے۔ اور دونوں معانی کا انطباق ایک ہی ذات یا چیز پر ہو رہا ہوتا ہے۔

جیسا کہ سورت فاتحہ میں ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ میں دوسری قراءت ﴿ مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ ہے۔ ایک قراءت

☆ استاذ الفقہ والحدیث، جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا معنی روز جزاء کا مالک اور دوسری قراءت کا معنی روز قیامت کا بادشاہ ہے۔ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں دونوں قراءتوں نے مل کر معنی ومطلب میں وسعت اور مزید نکھار پیدا کر دیا۔ اور بعض دیگر مقامات پر ایک قراءت دوسری قراءت کے ساتھ بغیر تضاد اور ٹکراؤ کے نیا فائدہ اور مختلف حکم ثابت کر رہی ہوتی ہے۔ اور کبھی دو قراءتوں کے درمیان ظاہری تعارض بھی واقع ہو جاتا ہے اس لیے فقہاء کے نزدیک کسی لفظ میں دو متواتر قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں انہیں دل سے قرآن تسلیم کرنا اور ان کے مقتضٰی کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے اور ان کا معنی ومفہوم اس طرح بیان کیا جائے گا جس طرح کسی ایک مسئلہ میں نازل ہونے والی دو آیات کا بیان کیا جاتا ہے۔ اور اگر دو متواتر قراءتوں میں ظاہری تعارض نظر آئے تو اُن کے درمیان جمع وتطبیق کی کوئی صورت نکالنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح دو آیتوں کے درمیان ظاہری تعارض کی صورت میں نکالی جاتی ہے۔

جیسا کہ امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ وضوء میں پاؤں کی طہارت کے حکم کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں' ایک میں دھونے کا حکم ہے اور دوسری میں مسح کرنے کا۔ کیونکہ ان میں دونوں معانی کا احتمال ہے اس لیے اگر بالفرض اس کے بارے میں دو آیتیں نازل ہو جاتیں' ایک کا معنی دھونا ہوتا اور دوسری کا مسح کرنا تو دھونے کے حکم کو مسح کے مقابلہ میں چھوڑنا جائز نہ ہوتا۔ [أحكام القرآن: ۳۴۶/۲]

- امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أما القراءة الأخرى وهي قراءة من قرأ 'وأرجلِكم' بالخفض فهي لا تخالف السنة المتواترة إذا القراءتان كالآيتين ." [مجموع الفتاوی: ۱۳۱/۲۱]

''اور دوسری قراءت جو کہ أرجلِكم کے لام کے زیر کے ساتھ ہے وہ سنتِ متواترہ کے مخالف نہیں ہے' اس لیے کہ دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں۔''

- علامہ صدیق حسن خاں رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"وقد تقرر أن القراءتين بمنزلة الآيتين فكما أنه يجب الجمع بين الآيتين المشتملة إحداهما على زيادة العمل بتلك الزيادة كذلك يجب الجمع بين القراءتين". [نيل المرام: ص ۵۲]

''یہ بات ثابت شدہ ہے کہ دو قراءتیں دو آیتوں کی طرح ہیں' جس طرح ایسی دو آیتوں کے درمیان تطبیق دینا ضروری ہے جن میں سے ایک زائد عمل پر مشتمل ہو' اسی طرح دو قراءتوں کے درمیان بھی تطبیق ضروری ہے۔''

- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں رقمطراز ہیں:

"بين القراءتين تعارض ظاهر والحكم فيما ظاهره التعارض أنه إن أمكن العمل بهما وجب وإلا عمل بالقدر الممكن ، ولا يتأتى الجمع بين الغسل والمسح في عضو واحد في حالة واحدة لأنه يؤدي إلى تكرار المسح لأن الغسل يتضمن المسح والأمر المطلق لا يقتضي التكرار ، فينبغي أن يعمل بهما في حالين توفيقا بين القراءتين وعملا بالقدر الممكن".

[فتح الباری: ۳۴۶/۱]

''دو قراءتوں کے درمیان ظاہری تعارض ہے اور ظاہری تعارض والے دلائل کا حکم یہ ہے کہ اگر دونوں پر عمل کرنا ممکن ہو تو یہی ضروری ہوگا ورنہ ممکن حد تک دونوں پر عمل کیا جائے گا۔ اور یہاں (آیت وضو میں) ایک عضو میں اس کا دھونا

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اسی پر مسح کرنا ایک ہی حالت میں جمع نہیں ہو سکتے' کیونکہ اس سے مسح کا تکرار لازم آتا ہے۔ کیونکہ پاؤں کو دھونا مسح کرنے کو بھی شامل ہے جبکہ اس میں امر مطلق تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ چنانچہ جو صورت باقی رہی وہ یہ ہے کہ دونوں قراءتوں پر دو مختلف حالتوں میں عمل کیا جائے تاکہ دونوں قراءتوں کے درمیان تطبیق ہو جائے اور بقدرِ امکان عمل بھی ہو جائے۔''

ذیل میں ہم چند ایسی آیات کا بطورِ مثال ذکر کرتے ہیں جن میں ایک سے زائد قراءتیں ثابت ہیں' تاکہ ان قراءات پر مرتب ہونے والے فقہی اَحکام کی وضاحت ہو سکے۔

مثال نمبر۱: مقام ابراہیم علیہ السلام پر نماز پڑھنے کا حکم

اِرشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾ [البقرۃ: ۱۲۵]

اس آیت کریمہ میں لفظ ﴿ وَاتَّخِذُوْا ﴾ میں دو قراءتیں ثابت ہیں امام نافع اور امام ابن عامر شامی نے اسے خاء کے فتح یعنی فعل ماضی کے صیغہ سے پڑھا ہے۔ جو خبر کا فائدہ دیتا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اولادِ ابراہیم نے مقام ابراہیم کو جائے نماز بنایا تھا اور اس میں دوسری قراءت ﴿ وَاتَّخِذُوْا ﴾ صیغہ اَمر کے ساتھ ہے۔ یہ باقی قراءِ کرام کی قراءت ہے۔ جس کی رُو سے اُمت محمدیہ کو مقام ابراہیم پر نماز ادا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ چونکہ صیغہ اَمر ہے اور اَمر وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔

اس مسئلہ میں فقہاءِ کرام کے مابین اختلاف ہے کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

امام مالک' امام احمد اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے ایک قول میں اس کو سنت کہا ہے جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ نے دوسرے قول میں اس کو واجب کہا ہے۔

فقہاء کے مابین اس اِختلاف کی وجہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں قراءاتِ متواترہ باہم مختلف ہیں' جن فقہاء نے صیغہ خبر والی قراءت سے اِستدلال کیا ہے انہوں نے مقام ابراہیم کے پیچھے نماز کو سنت قرار دیا ہے اور جنہوں نے صیغہ اَمر والی قراءت سے استدلال کیا ہے انہوں نے اسے واجب کہا ہے لیکن کسی فقیہ نے مقام ابراہیم پر نماز کو ممنوع قرار نہیں دیا بلکہ سب کا اس کی مشروعیت پر اتفاق ہے۔

مثال نمبر۲: مسجد حرام میں لڑائی کا حکم

اِرشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ﴾ [البقرۃ: ۱۹۱]

اس آیت کریمہ میں تین افعال 'تُقٰتِلُوْهُمْ'، 'يُقٰتِلُوْكُمْ'، 'قٰتَلُوْكُمْ' میں دو متواتر قراءتیں ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرائے عشرہ میں سے امام کسائی، امام حمزہ اور خلف نے 'الف' کو حذف کر کے انہیں فعل ثلاثی سے پڑھا ہے۔ جبکہ باقی قراءِ کرام نے 'الف' کے اثبات کے ساتھ باب مفاعلة سے پڑھا ہے۔

فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسجد حرام میں قتال سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور کسی مسلمان کے لیے کافر یا مشرک سے قتال کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ کوئی کافر مسلمان سے قتال کی ابتداء نہیں کرتا کیونکہ ایسی حالت میں مسلمان صرف دفاعی پوزیشن میں ہوگا۔ 'الف' کے اِثبات والی قراءت اس مسئلہ میں بہت واضح ہے۔ البتہ فقہاء کا اختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ مسجدِ حرام میں حدود وقصاص کے طور پر مشرک یا کافر کو قتل کرنا جائز ہے یا کہ نہیں، امام مالک رحمہ اللہ اور شافعی رحمہ اللہ اس کے جواز کے قائل ہیں جبکہ امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔

فقہاء کے اس اختلاف کا سبب۔ آیت کریمہ میں قراءتِ متواترہ کا تنوع ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور شافعی رحمہ اللہ نے دوسری قراءت سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اس کافر مشرک کو حدودِ حرم میں بھی قتل کیا جاسکتا ہے جو موجبِ قتل کام کر کے مسجد حرام میں پناہ گزیں ہو جائے۔ جبکہ باقی فقہاء نے پہلی قراءت کو بنیاد بنا کر اس سے منع کر دیا ہے۔ دونوں قراءتوں کے معانی میں ظاہری تعارض کو بعض علماء نے اس طرح رفع کیا ہے کہ حرم میں عام حالات میں تو کسی کافر کا خون بہانا یا اس پر حد لگانا جائز نہیں ہے، ہاں اگر کوئی کافر مسلمانوں کو مجبور کر دے کہ ان کی کوشش کے باوجود مسجد حرام سے باہر نہ نکل رہا ہو، بلکہ فتنہ وفساد اور مسلمانوں سے قتال اور ان کا قتل شروع کر دے تو مسلمانوں کیلئے بھی اس سے قتال اور اس کا قتل جائز ہوگا جیسا کہ امام شوکانی رحمہ اللہ اور صنعانی رحمہ اللہ نے اس کی صراحت کی ہے۔

[نیل الأوطار: ۷۱/۴ ،سبل السلام: ۷۲/۴-۷۳]

مثال نمبر۳: حائضہ عورت سے اِستمتاع کا حکم

فقہائے کرام کے نزدیک اس بات پر اتفاق ہے کہ ایامِ حیض کے دوران بیوی سے ہم بستری کرنا بالکل حرام ہے البتہ اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ، کیا حیض کا خون منقطع ہونے کے بعد اور غسل سے قبل عورت سے صحبت کی جاسکتی ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کے جواز کے قائل ہیں جبکہ جمہور فقہاء نے اس سے منع کیا ہے۔

فقہاء کے مابین اِختلاف کا سبب، قراءت متواترہ کا باہمی اختلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ ﴾ [البقرة: ۲۲۲]

اس آیت کریمہ میں دو قراءتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک قراءت ﴿ يَطْهُرْنَ ﴾ میں طاء کی تخفیف کے ساتھ ہے یہ جمہور قراء کی قراءت ہے جبکہ دوسری قراءت امام حمزہ، کسائی اور خلف کی ہے۔ جس میں ﴿ يَطَّهَّرْنَ ﴾ کو طاء اور ھا کی تشدید اور فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جمہور کی قراءت سے استدلال کر کے طہارت سے مراد انقطاع دم لیا ہے اور بعد والے لفظ 'فإذا تطهرن' کا معنی بھی انقطاع دم کر دیا ہے، جبکہ جمہور فقہاء نے امام کسائی رحمہ اللہ وغیرہ کی قراءت کی بنیاد پر غسل حیض تک جماع کی اِجازت نہیں دی خواہ خون آنا بند ہو چکا ہو۔ اور انہوں نے تخفیف

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والی قراءت کو شد والی قراءت کے معنی میں کر کے دونوں قراءتوں کا معنی ایک کر دیا ہے اور ان کے نزدیک دونوں قراءتوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ بھی ہے کہ شد والی قراءت کا معنی انقطاع دم ہی کر لیا جائے، لیکن شوہر کے لیے غسل سے قبل بیوی سے صحبت جائز نہیں ہوگی کیونکہ بعد میں ﴿ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾ کی شرط اس پر دلالت کرتی ہے اور احناف نے دونوں قراءتوں کے ظاہری تعارض کو دور کرنے کے لیے تخفیف والی قراءت کو دس دنوں کے بعد انقطاع دم پر محمول کیا ہے اور شد والی قراءت کو دس دنوں سے کم مدت میں خون منقطع پر محمول کیا ہے۔

اور اَحناف کے نزدیک کبھی شد والی قراءات کی بناء پر غسل سے قبل بیوی سے وطی کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن یہ عمل اِستحباب کے خلاف ہے۔

مثال نمبر۴: کاتب اور گواہ کیلئے اِیذا رسانی کی ممانعت

اِسلام نے جہاں مالی معاہدات کو لکھنے کا حکم صادر فرمایا ہے وہاں ایک دوسرے کو تکلیف دینے سے بھی منع کر دیا ہے۔
اِرشاد الٰہی ہے: ﴿لَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيدٌ﴾ [البقرہ: ۲۸۲]

لفظ 'یضار' کو ابن کثیر اور بصری قراءِ کرام نے راء کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ گویا کہ اس میں لائے نافیہ ہے اور فعل مضارع مرفوع ہے۔ باقی قراءِ کرام نے اِس کو فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ گویا کہ ان کے نزدیک یہ لائے ناہیہ ہے اور فعل مضارع مجزوم ہے۔ رفع والی قراءت میں حکم کا تعلق صاحبِ حق سے ہوگا کہ وہ کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچائے یعنی انہیں کتابت اور گواہی میں مصروف رکھ کر انکے ضروری کام متاثر نہ کر دے جبکہ منصوب قراءت میں حکم کا تعلق کاتب اور شہید سے ہوگا۔ یعنی گواہ گواہی چھپا کر یا جھوٹی گواہی دے کر صاحبِ حق کو نقصان نہ پہنچائے اور کاتب ضرورت کے وقت لکھنے سے انکار کر کے یا لکھوائی جانے والی بات میں تبدیلی کر کے صاحبِ حق پر ظلم نہ کرے۔

لیکن دونوں قراءتوں کے معانی مختلف ہونے کے باوجود ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ دونوں قراءاتیں دوسرے شخص کی ضرر رسانی کی حرمت پر متفق ہیں اور اسلام میں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ وہ ضرر اور نقصان کی کسی صورت کی اِجازت نہیں دیتا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ» . [سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۱، قال الشیخ الألبانی: صحیح]

اور اس پر تمام فقہاء بھی متفق ہیں۔

مثال نمبر۵: 'سلم' میں داخل ہونا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ...... ﴾ [البقرۃ: ۲۰۸]

اس آیتِ کریمہ کے کلمہ [السِّلم] میں دو متواتر قراءتیں وارد ہیں:

ابن کثیر مکی اور کسائی رحمہم اللہ نے اسے سین کے فتحہ اور لام کے سکون سے [السَّلْم] سے پڑھا ہے اور باقی قراءِ کرام

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے سین کے کسرہ اور لام کے سکون سے [السِّلْم] پڑھتے ہیں۔

بعض علماء کے ہاں دونوں قراءتیں دو لغتیں ہیں جن کا معنی ایک ہی ہے، جبکہ دیگر بعض علماء کے ہاں ہر قراءت کا معنی دوسری قراءت سے مختلف ہے۔

سین کے کسرہ والی قراءت [السِّلم] سے مراد اسلام ہے یعنی اس کا معنی یہ ہوگا کہ اے ایمان والو! اسلام میں اس طرح داخل ہو جاؤ کہ اس کی تمام تعلیمات، احکام و آداب اور اوامر ونواہی کے ذمہ دار اور پابندی کرنے والے بن جاؤ۔ اور سین کے فتحہ والی قراءت [السَّلم] سے مراد صلح اور امن ہے اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اے مؤمنو! تمہارے ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ تم دین کی مدد کیلئے آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہو اور ایک دوسرے سے دشمنی اور علیحدگی اختیار کرنے کی بجائے صلح جو اور امن پسند بن کر زندگی گزارو۔

واضح رہے کہ دونوں قراءتوں کے درمیان یہ ظاہری تعارض تناقض نہیں ہے بلکہ ان کے درمیان تطبیق ممکن ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ فتحہ والی قراءت سے ثابت ہو رہا ہے کہ بعض دفعہ دشمن سے صلح کرنے میں اسلام کا بہت بڑا فائدہ ہوتا ہے اور اس سے یہ مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ مسلمان قتل و غارت سے اور ان کا مال اور وطن ضائع ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ اور سین کے کسرہ والی قراءت کے مطابق اسلام میں مکمل طریقے سے داخل ہونے بھی بہت بڑی مصلحت ہے کیونکہ اللہ کی اطاعت اور اس کی رضا کے مطابق عمل کرنا ہم سب پر واجب اور ضروری ہے۔

مثال نمبر ۶: عورت کو چھونے سے وضو کا حکم

فقہاءِ کرام کا اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا کہ نہیں؟ حنفیہ کا خیال ہے کہ محض عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ شافعیہ کا خیال ہے کہ مطلقا عورت کو مس کرنے سے ہی وضو ٹوٹ جائے گا۔ مالکیہ کے نزدیک اگر لذت کی غرض سے ہاتھ لگاتا ہے تو وضو ٹوٹے گا جبکہ حنابلہ کہتے ہیں کہ شہوت کے ساتھ چھونے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

فقہائے کرام کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آیت کریمہ میں مختلف قراءات پائی جاتی ہیں۔

اِرشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [المائدة: ٦]

اس آیت کریمہ میں دو قراءتیں ہیں۔ امام حمزہ، کسائی اور خلف نے ﴿لَمَسْتُمُ﴾ کو الف کے بغیر ﴿لَمَسْتُمُ﴾ پڑھا ہے جبکہ جمہور قراءِ کرام نے اس کو الف کے اثبات کے ساتھ پڑھا ہے۔ فقہائے حنفیہ نے جمہور کی قراءت کی بنا پر اس کی تفسیر جماع کے ساتھ کی ہے۔ شافعیہ نے امام حمزہ وغیرہ کی قراءت کی رو سے ہر قسم کے لمس کو ناقض وضو قرار دیا ہے۔ جبکہ فقہائے مالکیہ اور فقہائے حنابلہ کے نزدیک اس سے ہر قسم کا لمس مراد نہیں ہے بلکہ وہ لمس مراد ہے جو وضو کے لئے ناقض ہو یعنی جس میں لذت یا شہوت پائی جاتی ہو۔ بہر حال اِس مسئلہ میں اختلاف کی بنیاد دراصل قراءت کے اختلاف پر ہی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قراءتِ شاذہ کے فقہی اَحکام پر اَثرات

جس قراءت میں قراءتِ متواترہ کی تمام شرائط نہ پائی جائیں وہ قراءت، قراءتِ شاذہ کہلاتی ہے۔ گویا جس قراءت کی سند صحیح نہ ہو، یا وہ رسم عثمانی کے موافق نہ ہو، یا لغت ِعربی جس کا احتمال نہ رکھتی ہو، یا جس کی سند میں تواتر نہ پایا جاتا ہو، وہ قراءت، قراءتِ شاذہ ہوگی۔ البتہ ایسی قراءات جو لغتِ عرب اور رسم عثمانی کے موافق ہیں لیکن ان کی سندیں موجود نہیں ہیں ان کو شاذہ کے بجائے مکذوبہ یا موضوعہ کہا جاتا ہے۔ قراءتِ شاذہ کو قرآن نہ سمجھتے ہوئے خبر واحد یا تفسیر کے طور پر قبول کیا جاسکتا ہے۔ اور ان سے اَحکام شریعہ پر استدلال کیا جاسکتا ہے یا کہ نہیں؟ فقہائے اَربعہ کے مابین اس کے بارہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اِستنباط اَحکام کے سلسلہ میں فقہائے اَحناف قراءتِ شاذہ سے استدلال اور اس کی حجیت پر متفق ہیں۔ البتہ ان کے نزدیک اس کی سند کا صحیح ہونا اس پر عمل کرنے کی شرط ہے اور حنابلہ کے نزدیک بھی قراءتِ شاذہ حجت ہے۔ اس لیے اُن کے ہاں بھی اَحناف کی طرح قسم کے کفارہ میں روزے مسلسل رکھنے ضروری ہیں کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں 'فصیام ثلاثة أيام متتابعات' کے اَلفاظ ہیں ان کے ہاں اگر یہ قرآن نہیں تو مرفوع خبر ضرور ہے جسے راوی نے قرآن سمجھ لیا ہے لہٰذا اس کا رتبہ خبر واحد کا ہے اور یہ قرآنی آیت کی نبوی تفسیر ہے، مالکیہ میں قراءت شاذہ کی حجیت اور عدمِ حجیت پر اختلاف رائے پایا جاتا ہے، یہی حال شافعیہ کا بھی ہے۔ ان دونوں مکاتب فکر میں اِستنباط اَحکام پر دو دو آراء پائی جاتی ہیں۔ تاہم اَمثلہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے بھی قراءتِ شاذہ سے مسائل کے اِستنباط میں بھرپور اِستفادہ کیا ہے۔ لیکن جہاں مالکیہ نے شاذہ قراءات سے استدلال کو رد کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی تائید دیگر اَخبار سے نہیں ہوئی یا اس قراءت کے معنی پر انہیں اِطمینان حاصل نہیں ہوا اور جہاں قراءاتِ شاذہ قوی سند سے ثابت ہے اور کسی اور دلیل سے اس کے معنی کی تائید ہوتی ہے تو اُسے وہ قبول کر لیتے ہیں جیسا کہ اَخیافی بھائیوں کی وراثت کے مسئلہ میں اُنہوں نے شاذہ قراءات پر عمل کیا ہے کیونکہ اس کی تائید اِجماع سے ہو رہی ہے۔

اِسی طرح شافعیہ بھی تفسیری قراءاتِ شاذہ کو قبول کرتے ہیں اور اس کے مقتضٰی کے مطابق عمل پیرا ہوتے ہیں بشرطیکہ اُس کی سند صحیح اور کوئی صحیح روایت اس کے معارض نہ ہو۔ اِس اجمالی بحث سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ائمہ اَربعہ اور مذاہبِ اربعہ کے فقہاءِ کرام بعض شرائط کے ساتھ قراءاتِ شاذہ کی حجیت کے قائل ہیں۔ فقہ اِسلامی پر قراءت شاذہ کا کیا اَثر پڑتا ہے؟ اور فقہائے کرام نے ان سے کیسے استدلال کیا ہے؟ ذیل میں چند اَمثلہ اس ضمن میں پیش کی جارہی ہیں۔

مثال نمبر۱: صلوٰۃ وسطیٰ کا مسئلہ

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں نماز پنجگانہ کی پابندی کرنے پر متنبہ فرمایا ہے۔ اس ضمن میں ساتھ ہی صلوٰۃ وسطیٰ کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد کون سے نماز ہے جس کی

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاکید نماز پنجگانہ کے متصل بعد ہی کردی گئی ہے؟

صلوٰۃ وسطیٰ کی تعیین میں فقہائے کرام کے مختلف اَقوال ہیں۔ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے۔ مالکیہ میں سے ابن العربی رحمہ اللہ اور ابن عطیہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ صلوٰۃ وسطیٰ سے بعض فقہاء کے نزدیک فجر کی نماز مراد ہے۔ یہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے۔

فقہاء کے مابین اس اِختلاف کا سبب قراءتِ شاذہ ہے۔

اِرشادِ الٰہی ہے: ﴿ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾ [البقرۃ: ۲۳۸]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصاحف میں 'والصلوٰۃ الوسطیٰ' کے بعد 'وھی صلوٰۃ العصر' کے اَلفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ فقہاء میں اختلاف کا سبب یہی الفاظ ہیں جو قراءتِ شاذہ کے قبیل سے ہیں۔ جن فقہاء کے ہاں اس سے مراد نمازِ عصر ہے وہ اس مقام پر 'واؤ' کو عاطفہ کہتے ہیں اور جن کے نزدیک اس سے عصر کی نماز مراد نہیں ہے انہوں نے 'واؤ' کو مغایرت کا نام دیا ہے۔

مثال نمبر۲: روزوں کی قضائی کا حکم

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے رمضان المبارک میں دو یا دو سے زیادہ روزے رہ جائیں تو ان کی قضاء کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ آیا یہ روزے مسلسل رکھے جائیں گے یا ان کے درمیان وقفہ بھی کیا جاسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے روزوں کی فرضیت کے بعد ان کی قضا کا بیان بھی کیا ہے۔

اِرشادِ ربانی ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ﴾ [البقرۃ: ۱۸۳۔۱۸۴]

قضائے صیام کے مسئلہ میں فقہائے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ قضائے صیام میں تسلسل کو شرط قرار دیتے ہیں۔ داؤد ظاہری کے نزدیک تسلسل شرط نہیں بلکہ واجب ہے۔ اس کے برعکس ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ قضائے صیام میں تسلسل شرط نہیں ہے البتہ مستحب ضرور ہے۔

فقہاء کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف کی ایک وجہ قراءتِ شاذہ ہے جو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ 'فعدۃ من أیام أخر متتابعات' اس میں متتابعات کا اِضافہ ہے۔ جبکہ قراءتِ متواترہ کے ظاہر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رمضان کے روزوں کی قضا میں تسلسل شرط نہیں ہے بلکہ ان کے درمیان وقفہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن قراءتِ شاذہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قضائے صیام میں تسلسل شرط ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قراءتِ متواترہ میں قضائے صیام کا حکم مطلق تھا لیکن قراءتِ شاذہ نے اس مطلق حکم کو مقید کردیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثال نمبر۳: وجوب عمرہ کا مسئلہ

شریعتِ اسلامیہ کی رو سے زندگی میں ایک دفعہ صاحب حیثیت مکلّف انسان پر حج بیت اللہ کی ادائیگی کو فرض قرار دیا گیا ہے۔لیکن اِختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ کیا عمرہ بھی زندگی میں ایک دفعہ اَدا کرنا فرض ہے یا کہ نہیں؟

اس مسئلہ کے بارہ میں فقہاء کے درمیان دو مؤقف پائے جاتے ہیں۔ پہلا مؤقف شافعیہ اور حنابلہ کا ہے۔ جو عمرہ کو حج کی مانند فرض قرار دیتے ہیں جبکہ دوسرا مؤقف حنفیہ اور مالکیہ کا ہے۔جن کے نزدیک زندگی میں ایک دفعہ عمرہ اَدا کرنا سنت مؤکدہ ہے۔

فقہاء کے مابین اس اِختلاف کی ایک وجہ قراءتِ شاذہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ﴾ [البقرۃ: ۱۹۶]

اِس آیتِ کریمہ میں قراءتِ متواترہ کے پیش نگاہ ﴿العمرۃ﴾ کو نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے جبکہ اس کو رفع کے ساتھ پڑھنا ایک شاذ قراءت ہے۔عمرہ کو فرض قرار دینے والے فقہاء نے نصب والی متواتر قراءت سے اِستدلال کیا ہے کہ عمرہ کے لیے بھی فعل اَمر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔جس کا تقاضا یہ ہے کہ عمرہ کو فرض قرار دیا جائے جبکہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ﴿العمرۃ للّٰہ﴾ میں ایک جملہ خبریہ کا بیان ہے کہ جس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ عمرہ خالص اللہ کے لیے ہے اور اس میں مشرکین کی مانند بتوں کو شریک کرنا درست نہیں ہے۔لہٰذا عمرہ فرض نہیں ہے۔

مثال نمبر۴: چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم

اِسلام میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔سوال یہ ہے کہ جب مال مسروقہ اسلام کے مقرر کردہ نصاب تک پہنچ جائے گا تو چور کا دایاں ہاتھ کاٹیں گے یا بایاں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس آیتِ مبارکہ میں حدِ سرقہ بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے: ﴿ وَ السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا ﴾ [المائدۃ: ۳۸]

یہ اَئمہ عشرہ کی قراءت ہے۔ جو متواترہ ہے جس کی رُو سے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ بیان نہیں کیا گیا کہ اس کا کون سا ہاتھ کاٹا جائے گا؟

لیکن فقہائے اُمت کا اس بات پر اِتفاق ہے کہ جب پہلی دفعہ کسی شخص پر چوری کا جرم ثابت ہو جائے اور چوری کا سامان بھی مقررہ نصاب تک پہنچ جائے تو چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اس اجماع کی ایک دلیل قراءتِ شاذہ کا ورود ہے۔

یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی قراءت ہے۔جس کے الفاظ یہ ہیں:

«وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْمَانَهُمَا» . [السنن الكبرى للبيهقي: ۸/۲۷۰]

اس کا مطلب یہ ہے کہ قراءت متواترہ میں چور کا مطلق ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے اور یہ قید نہیں ہے کہ کون سا ہاتھ کاٹا جائے گا۔لیکن قراءت شاذہ دائیں ہاتھ کے کاٹنے کو متعین کر رہی ہے۔گویا اس حکم کا مدار اجتہاد پر نہیں بلکہ نص پر ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسئلہ نمبر۵: آغازِ عدت کا مسئلہ

شریعت اِسلامیہ میں شوہر کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو طہر کی حالت میں طلاق دے گا۔لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اَیامِ عدت کا آغاز طلاق دینے کے فوراً بعد شروع ہوجائے گا، یا اَیامِ عدت کی گنتی طلاق کے بعد آنے والے حیض سے شروع ہوگی؟

فقہاءِ کرام کے ہاں یہ ایک معرکہ آرا مسئلہ ہے۔جس کی اصل بنیاد یہ ہے کہ 'ثلاثۃ قروء' میں قرء سے مراد حیض ہے یا طہر ہے؟ اس بارہ میں دو آراء پائی جاتی ہیں۔امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے مراد طہر ہے۔اِس کے برعکس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کی رائے میں قروء سے مراد حیض ہے۔

اِرشادِ الٰہی ہے:﴿إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾اس میں ایک شاذ قراءت 'فطلقوهن بقبل عدتهن' بھی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے شک تھا کہ عدت میں اعتبار حیض کا ہوگا یا طہر کا؟ لیکن اس قراءتِ شاذہ کے بعد میرا شک رفع ہوگیا۔لہٰذا عدت سے مراد طہر ہی ہے۔یعنی طلاق کے فوراً بعد عدت کا آغاز ہوجائے گا۔لہٰذا طہر ہی کو قرو کی تفسیر سمجھنا چاہئے کیونکہ اگر ہم حیض کو عدت قرار دیتے ہیں تو طہر کی حالت میں دی جانے والی طلاق عدت کے آغاز میں نہیں ہوگی بلکہ طہر کے اِختتام کے بعد عدت کا حیض سے آغاز ہوگا جو قراءتِ شاذہ کے الفاظ کی رُو سے صحیح نہیں ہے۔

رشد قراءات نمبر (حصہ چہارم)

'ماہنامہ رُشد' قراءات نمبر سوم' کی ضخامت بڑھنے کی وجہ سے بہت سارے علمی ومعیاری مضامین اس میں شامل نہیں ہو سکے اور طباعتی اخراجات کی وجہ سے ان کو الگ نمبر کی صورت میں بھی شائع کرنا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ ذیل میں ان مضامین کی فہرست دی جارہی ہے۔شائقین ان کا مطالعہ ادارہ کی ویب سائٹ www.Kitabosunnat.com پر کر سکتے ہیں۔ [ادارہ]

- 'اختلافِ قراءات اور احادیث نبویہ' از پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی
- 'علم تجوید وقراءات ...... ایک تعارف' از پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی، جمع وترتیب: نعیم الرحمن ناصف
- 'التیسیر للدانی پر امام شاطبیؒ کے زیادات ...... تحقیقی مطالعہ' از الشیخ عمر مالم اَبہ، مترجم: قاری صفدر
- 'مسئلہ اختیاراتِ قراءِ' از ڈاکٹر نبیل ابراہیم، مترجم: قاری فہد اللہ مراد
- 'علم القراءات ...... ایک تعارُف' از قاری رشید اَحمد تھانوی
- 'متن قرآنی میں روایتِ ورش اور حفص کا کردار' از محمد فیروز الدین شاہ کھگہ
- پاکستان میں مصری اور پانی پتی قراء کے مکاتب از ڈاکٹر قاری محمد طاہر
- منار السبیل فی مسائل التکبیر از قاری فتح محمد، ترتیب وتہذیب: قاری محمد ابراہیم میر محمدی
- المدخل الی علم الوقف از شیخ القراء قاری محمد تقی الاسلام، تہذیب وتلخیص: قاری محمد ابراہیم میر محمدی
- قراءات متواترہ، صحیحہ اور شاذہ کا حکم از امام ابن جزری، مترجم: قاری محمد ریاض

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبد الکریم إبراھیم صالح*
مترجم: فواد بھٹوی☆، احسان الٰہی ظہیر☆☆

معانی وبلاغت پر قراءات کے اثرات

سبعہ احرف کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے متنوع اسالیبِ تلاوت کی جو آسانی دی، عرضۂ اخیرہ میں 'مترادفات' کے منسوخ ہوجانے کے بعد اب اس کی دو صورتیں باقی ہیں: پہلی صورت قرآن کریم میں متعدد لہجاتِ عرب کی اجازت سے تعلق رکھتی ہے جسے اصطلاح میں 'اصولی اختلافات' کا نام دیا جاتا ہے، جبکہ دوسری صورت معانی کی وضاحت کیلئے کلمات کے اختلافات پر مشتمل ہے جسے 'فرشی اختلافات' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس دوسری صورت کو قبول کرنے میں بعض حضرات تأمل کا شکار ہوتے ہیں، حالانکہ قراء توں کی نوعیت کا یہ دوسرا اختلاف قرآن مجید کی وضاحت وبلاغت سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ بات کو مختلف اسالیب میں بیان کرنا علم فصاحت و بلاغت ہی کا دوسرا نام ہے۔ معلوم نہیں کہ جو لوگ متنوع قراءات کا انکار کرتے ہیں وہ اختلافِ قراءات کی اس نوعیت سے کیوں تشویش رکھتے ہیں حالانکہ بذات خود روایتِ حفص میں ایک بات کو مختلف مقامات پر دو، تین یا اس سے بھی زیادہ اسالیب سے بیان کیا گیا ہے۔ اس وقیع موضوع پر مطالعہ کیلئے شمارہ ہذا میں ادارہ کے فاضل رُکن قاری مصطفی راسخ کے مضمون 'متنوع قراءات کا ثبوت ...... روایت حفص کی روشنی میں' کی طرف بھی رجوع کرنا چاہیے تاکہ زیر بحث موضوع کے جمیع پہلوؤں کا احاطہ ہوسکے۔ [ادارہ]

قرآن کریم ایک معجزہ ہے جو عرب کے بت پرستوں (جن کو اپنی زبان دانی، فصاحت و بلاغت پر فخر تھا، ان) کی تیز چلنے والی زبانوں کو بند کرنے کے لیے، بھٹکے ہوؤں کو راہِ راست پر لانے کے لئے، بیماروں کو شفایابی اور زنگ آلود دلوں کے زنگ کو دور کرکے سونے کی طرح چمکتا ہوا بنانے کے لیے نازل کیا گیا۔ اس کتاب کی دیگر کتب سے اِنفرادیت یہ ہے کہ یہ اپنے اَندر کئی اعجازات کو لیے ہوئے ہیں۔ جن میں سے ایک محیرالعقول اعجاز یہ ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ کے کئی معانی اور مفہوم ہیں اور ان معانی و مفاہیم کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا ربط اور تعلق ہوتا ہے۔ شرعی اصطلاح میں ان مفاہیم و معانی کو قراءات کہا جاتا ہے۔ ہر مسئلے کے لیے کوئی نہ کوئی نص اور دلیل ہوتی ہے لیکن وہ صرف اسی مسئلے کے مؤید اور ثابت کرنے والی ہوتی ہے جبکہ قرآن کی ایک ایک نص (آیت) کو کئی مسائل کی دلیل اور مؤید بنایا جاسکتا ہے۔ ایک قراءت کے مطابق پڑھیں تو اس میں ایک مسئلہ ثابت ہوگا اور جب اسی آیت یا لفظ کی

* اسسٹنٹ پروفیسر کلیہ القرآن الکریم، جامعہ ازہر، رُکن لجنة مراجعة المصحف بمجمع البحوث الإسلامية
☆ متعلّم كلية الشريعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ
☆☆ فاضل كلية الشريعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ، متعلّم كلية الحديث، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری قراءت کو دیکھیں تو اس سے دیگر مسائل بھی ثابت ہوتے ہیں۔ یہ قراءات کا اعجاز ہے جو قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

قرآن کریم اپنے مضامین اور معانی و مفاہیم کے اعتبار سے تو معجزہ ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ الفاظ وکلمات، اُسلوب نگارش اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی اس قدر عظیم معجزہ ہے کہ قیامت تک آنے والے جن وانس اس کی ایک آیت جیسا کلام بھی بنانے پر قادر نہیں۔

بہت سے غیر مسلم اور مستشرقین یہ ثابت کرنے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف عمل ہیں کہ قرآن حکیم بھی دیگر کتب سماویہ کی طرح محرف ہے۔ انہی کے پیدا کردہ اشکالات کا شکار ہوکر کچھ مسلمان متجددین اور کم علم لوگ یہ سمجھنے لگے کہ قرآن کریم میں اضافہ ہوچکا ہے (جو کہ تحریف کی ہی ایک شکل ہے) اور پوری اُمت جن قراءات متواترہ میں قرآن کریم کو پڑھ رہی ہے یہ دراصل فتنۂ عجم کی باقیات اور عجمیوں کا کیا ہوا اضافہ ہے۔ چنانچہ ایک نئے متجدد جاوید احمد غامدی صاحب لکھتے ہیں:

’’قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں اُمت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔‘‘

مزید فرماتے ہیں:

’’مدرسۂ فراہی کے اکابر اہل علم نے جو کام اس زمانے میں قرآن پر کیا ہے اس سے یہ بات بالکل مبرہن ہوجاتی ہے کہ قرآن کا متن اس کے علاوہ کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔‘‘ [المیزان، باب اصول ومبادی:۲۹]

گویا جناب جاوید احمد غامدی روایتِ حفص کے علاوہ باقی تمام قراءاتِ متواترہ کا کھلم کھلا انکار کرتے ہیں۔ ان کو انکارقراءات (جو کہ دراصل انکارقرآن ہے) اور استخفاف حدیث کا علم ان کے اُستاد اَمین احسن اصلاحی سے ورثہ میں ملا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

’’میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ اس کے سوا کسی دوسری قراءت پر قرآن کی تفسیر کرنا اس کی بلاغت، معنویت اور حکمت کو مجروح کئے بغیر ممکن نہیں۔‘‘ [تدبر قرآن:۸/۸]

ان دعاوی کا علمی اعتبار سے جائزہ لینے سے پہلے ہم چند ایک اصولی باتیں پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو کہ قارئین کے ملحوظ نظر رہنی چاہئیں۔

① دنیا بھر میں قرآن کریم مختلف قراءات میں پڑھا جاتا ہے مثلاً مراکش اور افریقہ کے وسطی علاقوں میں امام ورش کی روایت میں، اور لیبیا اور تیونس کے علاقوں میں روایت قالون میں۔ مزید برآں پوری دنیا کے دینی مدارس اور عرب یونیورسٹیوں میں قراءات متواترہ پڑھائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ سعودی عرب کی حکومت کے تحت ادارہ ’شاہ فہد قرآن کمپلیکس‘ مختلف قراءات میں قرآن کریم کو طبع کر رہا ہے۔ اگر یہ قراءات منزل من اللہ نہیں ہیں اور اس کے باوجود یہ سب کچھ ہو رہا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دعویٰ حفاظت قرآن باطل ثابت ہوگیا اور قرآن میں تحریف ہوچکی ہے (العیاذ باللہ) حالانکہ یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے کہ قرآن کریم میں ایک حرف کی بھی کمی بیشی ہوئی ہے۔

② جو لوگ قراءات کے منکر ہیں ان میں سے کسی ایک نے بھی علم قراءات حاصل نہیں کیا۔ علم قراءات تو درکنار

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایت حفص جسے یہ لوگ قراءتِ عامہ اور اصل قرآن سمجھتے ہیں وہ بھی ٹھیک طرح سے پڑھنے پر قادر نہیں۔ پھر ایک جاہل شخص کسی علم کی صحت وسقم پر کیونکر بحث کرسکتا ہے۔ یہ تو بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی نابینا صرف اپنے اندھے پن کی وجہ سے کسی چیز کے وجود کا ہی انکار کردے حالانکہ ان اشیاء کے وجود وعدم کا فیصلہ بینا شخص ہی کرسکتا ہے۔ اور علم طب سے نابلد کوئی شخص کسی دوا کے خواص پر بحث کرے حالانکہ اس کا حقدار تو صرف ایک ماہر طبیب ہی ہوسکتا ہے۔ بالکل اسی طرح قراءات کی حجیت وعدم حجیت کا فیصلہ بھی صرف ماہرین قراءات ہی کر سکتے ہیں۔

③ قراءاتِ متواترہ کی قطعیت پر اُمت کا اجماع ہے اور چونکہ یہ تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں لہٰذا ان کے ثبوت کے بارہ میں بحث کرنا بعید از علم اور مبنی بر جہل فعل ہوگا۔

④ قراءاتِ متواترہ کو بلاغت قرآن کے خلاف کہنے والے اپنے دعویٰ پر ایک بھی دلیل پیش نہیں کرسکے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب امین احسن اصلاحی صاحب نے کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی کہ جس میں قراءات کی وجہ سے، قرآن کی بلاغت، معنویت یا حکمت مجروح ہونے کا ثبوت ہو۔ ثابت ہوتا ہے کہ ان کا یہ دعویٰ بے بنیاد اور باطل ہے۔

ہم اپنے اس مضمون میں انشاء اللہ یہ ثابت کریں گے کہ قراءات متواترہ قرآن کریم کی بلاغت کے منافی نہیں بلکہ اس کے اعجاز بیان میں مزید اضافہ کرتی ہیں لیکن اس سے پہلے ہم جناب غامدی صاحب کی عربی دانی سے پردہ اٹھاتے ہیں تاکہ قارئین موصوف کے علمی مقام کو پہچان سکیں اور یہ جان جائیں کہ وہ بلاغت قراءات پر جرح کرنے کے کس قدر حقدار ہیں۔

سہ ماہی 'ساحل' کے شمارہ جات اپریل، جولائی ۲۰۰۷ء میں فاضل مضمون نگار جناب ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب نے جناب غامدی کی عربی تحریروں کا جائزہ پیش کیا اور ثابت کیا ہے کہ جناب غامدی ایک جملہ بھی صحیح عربی زبان میں لکھنے پر قادر نہیں۔ یہاں ہم انہی مضامین میں سے چند ایک مثالیں بطور ''مشتے نمونہ از خروارے'' پیش کررہے ہیں۔

غامدی صاحب کی تحریر ''الوضع السياسي للأمة المسلمة'' کے چند 'بلاغی شاہکار' درج ذیل ہیں:

غلط	درست
①......لم يكن الزعماء السياسيين	لم يكن الزعماء السياسيون
②......لم يبقى لهم الدعوة	لم يبق / لم تبق لهم الدعوة
③......أن السياسة بالنسبة له مجالاً ثانوياً للعمل	أن السياسة بالنسبة له مجال ثانويّ

ان کی تحریر ''مبدء الجهاد'' سے چند نمونے:

① فينهزم المنكرين	فينهزم المنكرون
② وجعلها في موقع مختلفة	وجعلها في موقع مختلف
③ فالمقاتلين فيها أفضل على غيرهم	فالمقاتلون فيها أفضل من غيرهم
④ قال به النبي ﷺ بأسلوب الجميل	بأسلوب جميل

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑤ إن لجميع الحرمات قصاص — إن لجميع الحرمات قصاصاً

⑥ إن كان قوم يظلم مسلمين وهم معاهدين — وهم معاهدون

درج بالا شہ پاروں کو دیکھ کر قارئین بخوبی جان چکے ہوں گے کہ جو شخص علم نحو کے بالکل ابتدائی قواعد کو نہیں جانتا وہ علم بلاغت (جو کہ دراصل علم نحو کی ارتقائی صورت ہے) سے کتنا واقف ہوگا کہ بلاغت قراءات پر جرح کر سکے۔

ان قراءات قرآنیہ کے اعجازات کا شریعت کے کئی مسائل میں اثر نمایاں اور واضح ہے۔جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

❶ قراءاتِ قرآنیہ کا عقیدہ کے مسائل پر اثر

اس میں چار قسمیں شامل ہیں:

① توحید کے متعلق ② افعال عباد کے متعلق

③ نبوت کے متعلق ④ سمعیات کے متعلق

① قراءاتِ قرآنیہ کے توحید پر اثرات

توحید کا ثبوت مختلف طریقوں سے: مثلاً ﴿مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ [الفاتحہ:۴] میں پہلی قراءت اسم فاعل کے وزن پر ﴿مٰلِكِ یوم الدین﴾ ہے یہ قراءت عاصم، کسائی، یعقوب اور خلف العاشر سے نقل کی گئی ہے۔[النشر:۱/۲۷۱، فتح الوحید للسخاوي:۱۷۵]

دوسری قراءات:﴿مَلِكِ یوم الدین﴾ الف کو گرانے اور 'حَذِرِ' کے وزن پر عاصم، کسائی، یعقوب اور خلف العاشر کے علاوہ باقی قراء سے نقل کی گئی ہے۔[النشر:۱/۲۷۱، فتح الوحید للسخاوي:۱۷۵]

اِستدلال

① اگر مٰلِكِ (اسم فاعل کے وزن پر) پڑھیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایسا بادشاہ اور حاکم مطلق ہے جو اپنی تمام مملوکہ اشیاء میں اپنی منشاء سے تصرف کرتا ہے، اور قیامت کے دن کرے گا جس دن کسی کو کسی چیز میں تصرف کرنے اور حکم چلانے کی اجازت نہ ہوگی۔

② اگر مَلِكِ ہو تو مفہوم یہ ہوگا کہ ایسا حاکم جو اپنی ملکیت میں اوامر ونواہی کے ساتھ تصرف کرے۔یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دنیا کے دیگر بادشاہوں کی بنسبت ارفع واعلیٰ اور عزت وتکریم میں ہوگا جبکہ یہ دنیا کے بادشاہ اور حکمران دنیا کے برعکس (ذلیل وخوار) ہوں گے۔

② قراءاتِ قرآنیہ کے اعجاز کا افعال عباد میں اثر

قراءاتِ قرآنیہ کا افعال عباد میں گہرا اثر ہے۔اگر قرآن کریم کے ایک لفظ کو پڑھ کر کسی کم فہم شخص کے ذہن میں کوئی اعتراض اٹھتا ہے تو اس کو یا تو اسی قراءت سے جواب دیا جائے گا، یا پھر کسی دوسری قراءت سے اس لفظ کا معنی کھل کر سامنے آجائے گا اور معترض کے اعتراض کا جواب بھی مل جائے گا۔

مثلاً: اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾ [مریم:۱۹]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں دو قراءتیں ہیں۔

① ﴿لِأَهَبَ﴾ ہمزہ کے ساتھ یہ باقی قراء کی قراءۃ ہے۔

② ﴿لِيَهَبَ﴾ 'یا' کے ساتھ یہ ورش، ابوعمرو، یعقوب اور قالون کی قراءۃ ہے۔

[إيزار المعاني:۵۸۲،النشر :۳۱۷/۲]

درج بالا دو قراءتوں کی توجیہ

پہلی قراءت کی توجیہ: جو قراءۃ ہمزہ ﴿لأهب﴾ کے ساتھ ہے یہ ایک ظاہری اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ اولاد دینے والا تو مالک کائنات ہے جو کہ بے اولادوں کو اولاد ہبہ کرتا ہے۔ لیکن اس آیت کریمہ میں جبریل علیہ السلام وہبیت اولاد کی نسبت اپنی طرف کر رہے ہیں۔

جواب: جبریل علیہ السلام کا ﴿ لأهب لك ﴾ کہنا مجازِ عقلی کے طریق سے ہے نہ کہ معنی حقیقی کے اعتبار سے۔ گویا ﴿لأهب لك﴾ کہنے سے ایک وہبیت اولاد کے سبب کی طرف اشارہ کر دیا جو کہ جبریل علیہ السلام ہیں۔ اور فعل کی نسبت سبب کی طرف کرنا عام ہے۔ قرآن کریم میں اس کی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا بتوں کے بارے میں یہ فرمان ہے: ﴿رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ [ابراہیم:۳۶]

دوسری قراءت کی توجیہ: رہی دوسری قراءت ﴿ليهب لك﴾ 'یا' کے ساتھ اس میں وہبیت اولاد کی نسبت حقیقی واہب (جو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہے) کی طرف کی گئی ہے۔ اس وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ﴿ليهب﴾ 'یا' والی قراءۃ اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ اولاد دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جبریل علیہ السلام نہیں ہیں وہ تو سبب ہیں۔ یہی محل اتفاق ہے اہلسنت والجماعت کے ہاں۔ پھر دوسری قراءت اس لیے لائی گئی تاکہ یہ ثابت کیا جائے کہ افعال کی نسبت مجازاً مخلوق کی طرف کرنا جائز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے کوئی بندہ ایسا نہیں کر سکتا۔

[الكشف بمكي:۸۶/۲، ۸۷، روح المعاني:۷۷/۱۶]

③ تنوع قراءات (جو کہ اعجاز قرآن کی وجہ میں سے ایک وجہ ہے) کا نبوت کے ساتھ تعلق

تنوع قراءات انبیاء کی نبوت، خاص کر محمد الرسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کو مختلف اَسالیب کے ساتھ ثابت کرتی ہیں۔ جس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے:

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴾ [التکویر:۲۴] میں دو متواتر قراءتیں ہیں:

① ﴿بِضَنِينٍ﴾ 'ضاد' کے ساتھ یہ جمہور کی قراءت ہے۔

② ﴿بِظَنِينٍ﴾ 'ظاء' کے ساتھ ہے۔ یہ ابن کثیر، ابوعمرو، کسائی اور رویس جو کہ یعقوب سے روایت کرتے ہیں کی قراءۃ ہے۔ [الاختيار في القراء ات العشر:۲۷۱/۳،النشر :۳۹۸/۲]

درج بالا قراءتوں کی توجیہہ

پہلی قراءت کی توجیہ: جمہور کا 'بضنين' ضاد کے ساتھ پڑھنا یہ ماخوذ ہے 'الضن' سے۔ جس کا معنی ہے بخل (کنجوسی) قاموس میں ہے 'ضن به عليه۔ ضنا وضنانة' کسی کے ساتھ کسی چیز میں انتہائی بخل کرنا۔ صاحب

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصباح فرماتے ہیں یہ باب 'ضرب ، یضرب' سے بھی آتا ہے اور اس وقت اس کا معنی ہوگا ''محمد ﷺ اس چیز میں بخیل نہیں ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے علم عطا فرمایا ہے بلکہ وہ کھلے دل سے قرآن میں سے تصرف کرنے والے ہیں۔[الکشف:۳۶۴/۲]

نوٹ: لفظ 'الغیب' سے مراد قرآن کریم ہے:

دوسری قراءت کی توجیہ: 'بظنین' ظاء والی قراءۃ یہ ماخوذ ہے 'الظن' سے جس کا معنی 'تہمت' ہے اور اس وقت اس کا معنی ہوگا ''اور محمد ﷺ غیب (جو کہ قرآن مجید ہے) پر تہمت لگانے والے نہیں ہیں۔'' بلکہ وہ ثقہ، امین ہیں اور وہ اس قرآن کو اپنی طرف سے بنا کر نہیں لاتے نہ کسی قرآنی حرف کو کسی دوسرے حرف سے اور ایک معنی کو دوسرے معنی کے ساتھ بدلتے ہیں، کیونکہ ان سے پوری زندگی میں جھوٹ بولنا ثابت ہی نہیں ہوا۔

④ تنوع قراءات کا اعجاز اور اس کا اَثر سمیعات (غیبیات) میں

قراءاتِ قرآنیہ کا اَثر سمیعات (غیبات) میں واضح ہے۔ غیبیات مطلب ہے ایسے اُمور کا جن کے ہونے کا ایمان کامل کے ساتھ عقیدہ رکھنا اور محض کتاب وسنت اور اجماع کے ثابت کرنے سے ان کو مان لینا اگرچہ انسانی عقل ان غیبیات کے موافق ہو یا نہ ہو۔

غیبیات کیا ہیں؟ غیبیات میں بہت سی چیزیں ہیں جن میں ملائکہ، جن، موت کے بعد کے حالات، حشر و حساب اس کے علاوہ وہ چیزیں جن کا تذکرہ کتاب وسنت میں موجود ہے۔ قراءات میں ان غیبیات کو مختلف اسالیب کے ساتھ اور معنوں کو بدل کر بیان کیا گیا ہے تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے تو قرآن کریم کی اس آیت کی سمجھ ہی نہیں آئی تھی۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ﴾[یونس:۳۰]

﴿تبلوا﴾ میں دو متواتر قراءتیں ہیں۔

① ﴿تتلوا﴾ دو تاؤں پہلی متحرک اور دوسری ساکن کے ساتھ۔ یہ قراءات حمزہ، کسائی اور خلف العاشر کی ہے۔

② باقی قراء ﴿تبلوا﴾ پڑھا ہے۔[السبعة لابن مجاهد:۳۲۵، النشر:۲۸۳]

درج بالا قراءاتوں کی توجیہہ

پہلی قراءت: اس کا معنی یہ ہوگا کہ بے شک جان طلب کرے گی اور اتباع کرے گی اس چیز سے جو اس نے اپنے اعمال میں سے آگے بھیجا، یا یہ کہ ہر نفس اپنے اچھے بُرے اعمال کو قیامت کے دن ایک صحیفے میں لکھا ہوا پائے گی اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

﴿وَ كُلَّ اِنْسٰنٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾[الاسرا:۱۳،۱۴]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ﴿تتلوا﴾ کی قراءت سے معنی طلب، تتبع اور تلاوت (پڑھنا) کے ہوں گے۔

دوسری قراءت: ﴿تبلوا﴾ پڑھیں تو پھر مفہوم یہ ہوگا کہ ہر جان کو اس کے اچھے اور بُرے اعمال کی خبر ملے گی یا دی جائے گی۔ [الکشف:۵۱۷/۱، شرح ھدایۃ:۳۳۹/۲]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❷ تنوع قراءات کا شرعی احکام میں اعجاز

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ علوم اِسلامیہ اورعربیہ کا اتصال اور ربط ہے۔ان علوم سے مراد علم قراءات اورتشریع اِسلامی کا علم ہے اسی وجہ سے ان دونوں علوم کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق اور مضبوط ناطہ ہے جس کی دلیل تفسیر کی کتب کا مطالعہ کرنے سے کھل کر قاری کے سامنے آجاتی ہے۔ان کتب تفسیر میں

① الجامع القرآن للجصاص الحنفی ② الجامع لأحکام القرآن للامام القرطبی

③ احکام القرآن لابن العربی ④ زاد المسیر فی علوم التفسیر لابن الجوزی

اسی طرح علم القراءات اور تشریعی احکام کے علم کے آپس میں ربط کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قراءاتِ قرآنیہ کا تذکرہ کئی اَحکام شرعیہ اور اصول فقہ کی کتب میں ملتا ہے جوکہ الإتصال فی علوم القراء ات و تشریع الإسلامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔اس کی مثالیں

① مفاتیح الأصول ② شرح الفقه الأکبر للقاري۔ میں موجود ہیں۔

◉ امام نوریرحمہ اللہ کی کلام کا حاصل، فرماتے ہیں:

’’ایک فقیہ کو قاری کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسے ہی قاری فقیہ کا محتاج ہوتا ہے۔تاکہ قاری قراءات کے متعلق اس کی کچھ راہنمائی کرسکے اوراس چیز کو بیان کرے جس پر قراءات کے احکام کے اختلاف کی بنا رکھی جاتی ہے۔‘‘

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ علماء کرام مختلف قراءات سے متعدد معانی اور مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ اوراس کو حجت کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔[اتحاف فضلاء البشر:۱/۶۷]

مثال

جس طرح کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ مختلف قراءات سے مختلف مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے۔ذیل میں ہم اس کی مثال دیتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾ [البقرہ:۲۲۲]

’’اور نہ تم قریب جاؤ اپنی بیویوں کے (حیض ایام میں) حتیٰ کہ وہ طہارت حاصل کرلیں۔‘‘

اللہ تعالیٰ کے اس قول میں دو قراءتیں ہیں:

① ﴿حَتّٰى يَطَّهَّرْنَ﴾ طاء اور ’ھا‘ کے فتح اور دونوں کی تشدید کے ساتھ۔ یہ قراءت شعبہ، حمزہ، کسائی اور خلف العاشر کی ہے۔

② ﴿حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ ’طا‘ کے سکون اور ہائے مضمومہ کے ساتھ۔ یہ قراءت (نافع، ابن کثیر، ابوعمرو، ابن عامر، یعقوب، ابوجعفر اور حفص کی ہے۔[النشر:۱/۲۲۷، اتحاف فضلاء البشر:۱/۴۳۸]

درج بالا قراءتوں کی توجیہہ

<u>پہلی قراءت کی توجیہ، مشدد:</u>﴿حَتّٰى يَطَّهَّرْنَ﴾ کا مطلب یہ ہوگا کہ ’’اپنی بیویوں سے مجامعت کرنے سے بچو حتیٰ کہ حیض کا خون رُک جائے اور وہ پانی کے ساتھ غسل کرلیں۔‘‘

<u>دوسری قراءت، تخفیفہ:</u>﴿حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ تم ان بیویوں سے جماع نہ کرو حتیٰ کہ ان سے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیض کا خون رُک جائے۔

اسی وجہ سے فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے:

① جمہور فقہاء: جمہور (مالک رحمہ اللہ، شافعی رحمہ اللہ، احمد رحمہ اللہ، اوزاعی رحمہ اللہ، ثوری رحمہ اللہ) قراءت تشدیدہ کا اعتبار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عورت کا حیض ختم ہوجانے کے بعد وہ اپنے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک کہ پانی کے ساتھ اچھی طرح غسل نہ کرلے۔[الجامع لأحکام القرآن:۸۸/۳، التفسیر الکبیر:۳۴۹/۶]

وجہ دلالت یہ ہوگی کہ تشدید کا صیغہ فائدہ دیتا ہے وجوب مبالغہ کا۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ عورتوں پر حیض کے بعد طہارت حاصل کرنے میں مبالغہ کرنا ضروری ہے جو کہ غسل کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے۔

قاعدہ: 'زیادة المبنی تدل علی زیادة المعنی' کہ مبانی کی زیادتی معانی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا یہ حیض کے خون سے متعلقہ جگہ کی مکمل طور پر طہارت کا زیادہ تقاضا کرتی ہے۔ اس لیے اس عورت کے ساتھ وطی کرنے کے لئے حیض کے بعد غسل کرنا واجب ہوا۔

② امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ: قراءت خفیفہ کا اعتبار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'طہر' سے مراد مطلق انقطاع دم ہے نہ کہ غسل۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آدمی اپنی بیوی سے حیض کا خون رُک جانے کے بعد اور غسل کرنے سے قبل وطی کرسکتا ہے۔

دلیل: قراءت خفیفہ قراءت تشدیدہ، جو کہ انقطاع دم ہے، سے زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ حیض کے خون کا رُکنا تمام کے ہاں طہارت کی پہلی شرط ہے۔

راجح

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو اکثر علماء نے ضعیف کہا ہے جیسا کہ امام کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ما قاله الإمام أبو حنیفة: "من غرائب التفسیر وعجائب التأویل"

[غرائب التفسیر وعجائب التأویل لتاج القراء محمود بن حمة الکرماني:۲۱۳/۱]

لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اس قول:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّٰبِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴾ [البقرۃ:۲۲۲] کے تحت 'حتی یطھرن' کا مطلب انقطاع دم کے بعد غسل ہوگا۔ اور یہ واجب ہوگا۔

③ قراءات متواترہ کا اعجاز بیانی

ہمارے مضمون کا تعلق اعجاز کی اسی قسم کے ساتھ ہے باقی گفتگو ضمنی اور تمہیدی تھی۔ اب ہم ''قرآن کریم کے اعجاز بیان اور اس میں متعدد قراءات متواترہ کا اثر'' کے متعلق کچھ چیزیں احاطۂ تحریر میں لاتے ہیں:

① نحوی بحث ② صرفی بحث ③ بلاغی بحث

ان تینوں اقسام میں سے ہماری مراد تیسری قسم ہے۔

قرآن کریم کا اسلوب بلاغی اور قراءات متواترہ کا اس پر اثر

ناقدین و قارئین اس بات سے روز روشن کی طرح آگاہ رہیں کہ تنوع قراءات اسلوب بلاغی کی ہی مختلف

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورتوں میں سے ہے اور ان کا قرآنی اعجازات پر نمایاں اثر ہے۔ قرآن کریم واضح عربی زبان میں نازل ہوا اور ایسی قوم پر اترا جو فصاحت و بلاغت اور بیان میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ لیکن قرآن مجید نے اپنے بیان کے ساتھ ان کو حیران کر کے رکھ دیا اور کئی طرق سے ان کو مقابلہ سے عاجز و ناتواں بنا دیا ان کی فصاحت و بلاغت بکھیرنے والی زبانی گنگ ہوگئیں حتیٰ کہ انہوں نے قرآن کریم کے اسلوب بیان کی انفرادیت کو تسلیم کرلیا۔ اس قرآن کا ہر کلمہ اپنے اندر ایک شیرینی اور مٹھاس رکھتا ہے اور اس کے مختلف خوشے ہیں جو لہلا رہے ہیں اور اس کے موتی بکھرے ہوئے ہیں جو چننے کے قابل ہیں اور اس کے جملوں کا اوّل و آخر آپس میں مربوط ہے۔ ان تمام خوبیوں کی بنا پر اس کتاب نے ہدایت اور نور کے لیے عقل اور وجدان کی کھڑکیوں کو کھول دیا۔ اسی بناء پر علماء قرآن کے اعجازات کے اسرار کو تلاش کرنے لگے۔ ان اسرار میں سے ایک راز اعجاز بلاغی ہے بلکہ اکثر علماء کا خیال ہے کہ بلاغت کے اسالیب اور وسائل حقیقت میں یہی قرآن کے معجزہ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

◉ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’قراءات کتاب اللہ کی وجوہ اعجاز میں سے ایک وجہ ہے۔ ہر قراءت سے الگ مسئلہ ثابت ہونا اس کے جملہ فوائد میں سے ایک فائدہ ہے۔ کسی چیز کے اعجاز میں مبالغہ اس کے کم حروف اور زیادہ معانی میں ہوتا ہے، کیونکہ یہ ایک قاعدہ ہے کہ زیادتی الفاظ، زیادتی معانی کا فائدہ دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قراءت بمنزلہ آیت کے ہے۔‘‘

[الاتقان:۲/۵۴]

اسی بنا پر قراءات بلاغت کی وجوہ میں سے ایک ایسی وجہ ہے جو کہ واضح بیان کے ذریعے قرآن کے اعجاز کو ثابت کرتی ہے۔ ان تمام خصائل حسنہ کی وجہ سے قراءات کا بلاغت کے ساتھ ایک نا ختم ہونے والا تعلق ہے۔

اب ہم موصوف کے دعویٰ کا علمی جائزہ لیتے ہیں کہ آیا واقعی قراءات قرآنیہ قرآن کریم کی بلاغت، معنویت اور حکمت کو مجروح کرتی ہیں یا یہ دعویٰ مدعی کی جہالت کا مظہر ہے۔ اس کے لیے پہلے ہم بلاغت کی تعریف ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم اعتراض کا جواب مثالوں سے دیں پہلے ہم بلاغت کی تعریف پیش کرتے ہیں۔

بلاغت کی لغوی تعریف

لغوی طور پر یہ ’بلغ ، بلاغۃ فصیح و بلیغ ہونا۔ هو بليغ بلغاء۔ أبلغة الشيء پہنچانا، خبر دینا، اطلاع دینا۔

[القاموس:۱۷۹]

بلاغت کی اصطلاحی تعریف

بلاغت کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

① پہلی تعریف

اس کی دو قسمیں ہیں:

الف بلاغت کلام: کلام کا فصیح ہونے کے ساتھ ساتھ مقتضائے حال کے مطابق ہونا۔ یعنی جو بات مقام و شخص

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مطابق ہو۔

ب بلاغت متکلم: وہ ملکہ وصلاحیت ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے مقصود کو کلام بلیغ کے ساتھ تعبیر کرنے پر قادر ہو جائے۔

② دوسری تعریف

"کون الکلام مطابقاً لمقتضی الحال"

''بہترین قسم کے معانی کو واضح اور صحیح عبارت کے ساتھ ادا کرنا۔ اس قسم کی عبارت جو دلوں پر چھا جائے، متکلم کی حالت کے مطابق ہو، اس کی ذہنی کیفیات کے مطابق ہو اور سامعین کی قوت فہم اور موقع محل کے مطابق ہو۔''

تنبیہ

اب وہ معترض جو یہ اعتراض کرتا ہے کہ قراءاتِ قرآنیہ قرآن کریم کی بلاغت، معنویت اور حکمت کو مجروح کرتی ہیں اس کو اعتراض کرنے سے قبل اس بات سے آگاہ رہنا چاہئے کہ کلام کے فصیح و بلیغ ہونے کے لیے جن اُمور کا پایا جانا ضروری ہے۔ ان سے واقفیت مختلف علوم کے ذریعے ہوتی ہے۔ معترض کو اعتراض کرنے سے قبل ان علوم کا علم ہونا چاہئے ورنہ وہ اعتراض کرنے کا حقدار نہیں ہے۔

① تعقید معنوی کو علم البیان کے ذریعے جانا جاسکتا ہے۔
② علم لغت: جس کے ذریعے غرابت کلمات کا علم ہوسکتا ہے۔
③ علم معانی: یہ احوال و مقتضیات کو جاننے کا ذریعہ ہے۔
④ علم نحو: ضعف تالیف اور تعقید لفظی کو جاننے کے لئے۔
⑤ علم صرف: مخالفت قیاس کو جاننے کے لئے۔
⑥ تنافر خواہ حروف کا ہو یا کلمات کا، اس کا ادراک ذوق سلیم سے ہوتا ہے جو مذکورہ بالا علوم میں طہارت سے پیدا ہوتا ہے۔

بلاغت کی کتب کثیرہ میں عموماً تین علوم کا تذکرہ ملتا ہے:

① علم بیان ② علم معانی ③ علم بدیع

① علم بیان کے ضمن میں تشبیہ، حقیقت ومجاز، استعارہ اور کنایہ کی بحث ہوتی ہے۔

② علم معانی میں، کلام کی تقسیم خبر و انشاء کی طرف، پھر کلام خبری کی تعریف، تقسیم و اغراض کلام انشائی کی تعریف و تقسیم، وصل وفصل، قصر وایجاز، اتناب مساوات سے بحث کی جاتی ہے۔

③ علم بدیع میں محسنات لفظیہ ومعنویہ کی بحث ہوتی ہے جن میں اقتباس، سجع، تشابہ، مقابلہ، حسن تعلیل، اسلوب حکیم، طوریہ اور اطباق وغیرہ کی مباحث ہوتی ہیں۔

بلاغت کے عناصر لفظ اور معانی ہیں اور تالیف الفاظ انہیں قوت تاثیر اور حسن بخشتی ہے۔ پھر کلمات کا انتخاب حسب مقام ومخاطب کیا جاتا ہے اور مخاطبین کے جذبات کا خیال رکھا جاتا ہے۔

درحقیقت بلاغت ایک فن ہے۔ جس کا دارومدار استعداد فطری، دقت ادراک اور ضعف اسالیب کے امتیاز پر

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ بلیغ اور مصور میں بس اتنا فرق ہے کہ بلیغ مسموعات کو لیتا ہے اور مصور مبصرات کو لیتا ہے اس کے علاوہ دونوں برابر ہیں۔ مصور جب کسی چیز کی تصویر بناتا ہے تو پہلے مناسب رنگوں کا انتخاب کرتا ہے پھر ان رنگوں کی آمیزش کی فکر کرتا ہے تاکہ وہ تصویر جاذب نظر اور دلکش بن جائے۔

بلیغ جب کوئی قصیدہ، خطبہ یا مقالہ تالیف کرنا چاہتا ہے تو ان کے اجزاء پر غور کرتا ہے اور خفیف ترین الفاظ کو لیتا اور موضوع کے مطابق جامع اور حسین ترین الفاظ کا انتخاب کرتا ہے۔

جب درجہ بالا تمام چیزوں سے واقفیت حاصل کر لی جائے تو پھر قراءات قرآنیہ کے متعلق اٹھنے والے اعتراضات کا جواب مل جاتا ہے اور انسان اپنے عقیدہ کی سلامتی اور اعتراضات سے احترازیت کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے، کیونکہ عقیدہ کی سالمیت ہی حقیقت میں ایمان کی سلمیت ہے جس کا عقیدہ صحیح ہوگا اس کا ایمان بھی صحیح ہوگا۔ جس طرح صوم وصلوٰۃ کی سالمیت کے لیے ایمان کی سلمیت ضروری ہے ایسے ہی ایمان کی سالمیت کے لیے عقیدے کی سالمیت ضروری ہے اور عقیدے کی سالمیت اس وقت حاصل ہوگی جب ہم قرآن وسنت پر یقین رکھیں گے اور ان پر عمل کریں گے۔ چونکہ قراءات کا تعلق عقیدہ کے ساتھ ہے اس لیے جو ان کو مکمل طور پر مانے گا اس کا عقیدہ اسلامی سالم ہوگا بصورت دیگر اس کو اپنے عقیدہ کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

بلاغت کے متعلق ہم اوپر جتنی چیزیں بیان کر آئیں ہیں قرآن کریم میں وہ ساری کی ساری موجود ہیں ان کو ثابت کرنے کے لیے اب ہم قرآن مجید سے چند آیات پیش کرتے ہیں جن میں مختلف قراءات بھی ہیں اور ان قراءات سے قرآن کریم کی نہ تو بلاغت مجروح ہوتی ہے اور نہ معنویت وحکمت میں کوئی فرق پڑتا ہے۔

تراکیب بلاغی اور فصاحت کلمہ میں قراءات کا اثر

اس میں دو چیزیں ہیں:

① قراءات کی تبدیلی مذکر و مؤنث کے اعتبار سے۔

② قراءات کی تبدیلی حروف کے معانی کے اعتبار سے۔

① قراءات کی تبدیلی مذکر و مؤنث کے اعتبار سے

اسلوب بلاغی کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ یہ قراءات تذکیر تانیث کے مابین متغیر ہوتی رہتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا قرآن کریم کی اعجازی وجوہات پر الگ سے ایک اثر ہے۔

مثالیں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا﴾ [الإسراء:۳۸]

''یہ تمام (اوپر بیان ہونے والی) باتیں تیرے رب کے ہاں ناپسندیدہ ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿سیئه﴾ میں دو قراءتیں ہیں:

① ﴿سَيِّئُهٗ﴾ ہمزہ اور ھاء کے ضمہ کے ساتھ اور 'مذکر' کے ساتھ۔ یہ قراءت کوفیوں اور ابن عامر شامی کی ہے۔

② ﴿سَيِّئَةً﴾ ہمزہ کے فتحہ اور تاء تانیث مفتوحہ کے ساتھ۔ یہ قراءت ابوجعفر، نافع، ابن کثیر، ابوعمرو بصری،

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعقوب کی ہے۔

درج بالا قراءتوں کی توجیہہ

یہ دونوں قراءتیں تواتر کے ساتھ بغیر کسی تعارض کے منقول ہیں۔

جن قراء نے تذکیر کے ساتھ تنوین کو گرا کر ﴿سَيِّئُهٗ﴾ پڑھا ہے انہوں نے اس کو ایسا اسم پڑھا ہے جو ہائے ضمیر کی طرف مضاف ہو رہا ہے جو کہ ﴿ كُلُّ ذٰلِكَ ﴾ کی طرف لوٹ رہی ہے اور اس ﴿ ذٰلِكَ ﴾ اسم اشارہ کا مشار الیہ یعنی اس ﴿ كُلُّ ذٰلِكَ ﴾ سے اشارہ کیا گیا ہے سابقہ اَوامر ونواہی کی طرف جو کہ اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوْٓا إِلَّآ إِيَّاهُ﴾ سے لے کر ﴿ كُلُّ ذٰلِكَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴾ [سورۃ الإسراء:۱۷، الایات ص۲۳ سے ۳۸ تک] تک بیان ہوئے ہیں۔

اَوامر میں سے: صرف اللہ کی عبادت کی جائے، والدین کے ساتھ احسان کرنا اور ان کے سامنے عاجزی و انکساری اور نرمی کا پہلو اختیار کرنا، دعائے مغفرت کرنا، قریبی رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرنا، صلہ رحمی کرنا، سیدھی سادی گفتگو کرنا، ناپ تول میں ترازو اور توازن کو برقرار رکھنا۔ اور عہد کو پورا کرنا وغیرہ۔

نواہی میں سے:

① ﴿ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا ﴾ [الاسراء:۲۳] ''والدین کو اُف بھی نہ کہا جائے اور نہ ان کو ڈانٹا جائے۔''

② ﴿ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴾ [الاسراء:۲۶] ''اور نہ فضول خرچی کر، فضول خرچی کرنا۔''

③ ﴿ وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلٰى عُنُقِكَ ﴾ [الاسراء:۲۹] اسے کنجوسی کی طرف اشارہ کرکے کنجوسی اور بخل سے منع کرنا۔

④ ﴿ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ ﴾ [الاسراء:۲۹] اس کے ساتھ فضول خرچی کی طرف اشارہ کرکے اس سے منع فرما دیا۔

⑤ ﴿ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ﴾ [الاسراء:۳۱] اس بیان سے اولاد کے قتل سے منع کر دیا اور ساتھ بتا دیا کہ جس رزق کی وجہ سے تم اولاد کو قتل کر رہے ہو وہ رزق ہم تم کو اور تمہاری اولاد کو بذات خود دیتے ہیں۔

⑥ ﴿ وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى ﴾ [الاسراء:۳۲] اس قول کے ساتھ زنا، اور اس کے لوازمات سے منع فرما دیا۔

⑦ ﴿ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ [الاسراء:۳۳] آپس میں قتل و غارت سے منع کر دیا اور قصاص لینے کا حکم دیا۔

⑦ ﴿ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ إِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ ﴾ [الاسراء:۳۴] اس کے ساتھ یتیم کا ناجائز مال کھانے سے روک کر ساتھ کھانے کے جائز ذرائع کی طرف اشارہ کر دیا۔

⑧ ﴿ وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ﴾ [الاسراء:۳۶] اس نہی کے ساتھ لایعنی فضول یا بے مقصد باتوں کے پیچھے پڑنے سے منع فرما دیا۔

⑨ ﴿ وَ لَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ...... ﴾ [الاسراء:۳۷] اس سے تکبر اور غرور کرنے سے منع فرمایا اور ساتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے ناممکن ہونے کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔
آخر میں فرمایا:
﴿ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴾ [الاسراء:۳۸] کہ اوپر بیان ہونے والے تمام امور میں سے ہرایک کا بُرا پہلو تیرے رب کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔

تطبیق

نواہی کا ارتکاب کرنا تو گناہ ہے ہی اور ناپسندیدہ بھی، لیکن اوامر میں سے جن کو بجا نہ لایا جائے وہ اس کا بُرا پہلو ہے اور ناپسندیدہ ہے۔
گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے خبر دی کہ بے شک ﴿ سیئة ﴾ حقیقت میں منہی عنہ ہی ہے جو کہ تیرے رب کے ہاں ناپسندیدہ ہے گویا کہ یہ ایک خیر ہے۔
اور اس کا معنی یہ ہوگا کہ ﴿ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ﴾ سے لے کر ﴿ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئَةً ﴾ تک تمام بیان ہونے والی خصائل قبیحہ جو کہ اوامر ونواہی کے مفہوم سے واضح ہوتی ہیں، جن کی تعداد تقریباً ۲۵ ہے یہ تمام تیرے رب کے ہاں مکروہ یا ناپسندیدہ ہیں۔ یعنی غصہ دلانے والی اور اس کی روکی ہوئی ہیں جن کے ارتکاب پر وہ پکڑ کرے گا۔
لغوی بحث: جس نے 'سیئة' کو تانیث، نصب وتنوین کے ساتھ ﴿سیئة﴾ پڑھا ہے وہ اس بنا پر کیونکہ 'سیئة' 'کان' کی خبر ہے اور اس کا اسم وہ ضمیر ہے جو 'کل' پر لوٹ رہی ہے اور اسم اشارہ اس قراءت میں لوٹنے والا ہے ان منہیات کی طرف جو سابقہ آیتوں میں صریحاً یا ضمناً ذکر ہو چکی ہیں اور 'عند ربك' یہ متعلق ہے 'مکروھا' کا اور مکروھاً خبر بعد الخبر ہے۔
اس قراءت پر معنی کیا ہوگا؟
گذشتہ بیان ہونے والی تمام منہیات جیسے شرک، عقوق الوالدین، اولاد کا قتل آخر تک یہ سیئة میں داخل ہیں اور تیرے رب کے ہاں مکروہ، اور عتاب وغضب کی موجب ہیں۔

تنوع قراءتین سے مرتب ہونے والی اعجازی وجہ

جیسا کہ ہم گذشتہ کلام میں ذکر کر آئے ہیں کہ بے شک قراءت تنوین 'سیئۃ' یہ فائدہ دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول 'کل ذلك' اَوامر کے علاوہ منہیات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔
اور رہی دوسری قراءت اضافت کے ساتھ 'سیئة' کی تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ 'ذلك' میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو اوامر کی نافرمانی اور نواہی کے ارتکاب سے حاصل ہوتی ہیں۔ یہ ہے اعجاز بیان کی وجوہ میں سے ایک وجہ۔

قراءات اور حروف ومعانی کی تبدیلی اور مختلف دلالتوں میں اس کا اثر

بے شک قضیۃ تناوب (ایک حرف کا دوسرے کو نائب بنانا اور معنی کا معنی کو) ان قضیوں میں سے ہے جن میں لغت

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے جدید وقدیم دونوں قسم کے علماء مشغول رہے ہیں۔

① اکثر بصری نحوی اس بات کے قائل ہیں کہ حرف میں اصل یہ ہے کہ وہ اس معنی پر دلالت کرتا ہے جس کے لیے وہ وضع کیا گیا ہوتا ہے اس کے علاوہ دوسرے معنی پر دلالت نہیں کرتا۔[الإنصاف في مسائل الخلاف:۴۸۱/۲]

② کوفی علماء نحو: کہتے ہیں کہ حرف کو ایک معنی پر منحصر کرنا صحیح نہیں (یا محال ہے) اور انہوں نے استدلال کیا ہے ان مثالوں سے جو قرآن کریم یا کلام عرب میں وارد ہوئی ہیں۔

[الانصاف أیضاً، معاني القرآن للأخفش:۵۱/۱،الکامل:۲۴۴/۶]

یہ دونوں قول محل نظر ہیں۔ جس نے ایک حرف کو ایک معنی پر منحصر کردیا ہے اس نے تأویل (جو اس مسئلہ میں وارد ہوئی ہیں) میں اسراف سے کام لیا ہے اور جس نے مطلق طور پر اجازت دے دی ہے اس نے لازمی طور پر اس مثال: 'سرت إلی فلان وهو یقصد معه' کو جائز قرار دے دیا ہے۔ جب معاملہ ایسا ہے تو ایسی وجہ سے ابن جنی البصری نے ایک باب باقاعدہ اس عنوان سے قائم کیا ہے: 'باب في استعمال الحرف بعضها مکان البعض'، 'یہ باب ہے ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف لانے کا' اور اس میں یہ ذکر کیا کہ اس قاعدے یا اصول کو لوگوں نے عاریۃً بڑی باریک بینی سے قبول کیا ہے اور بطور شواہد باقاعدہ اس میں ایسی مثالیں ذکر کیں جن میں معانی حروف کے درمیان ایک دوسرے کے نائب بنتے ہیں۔

پھر ابن جنی نے قرآن اور اشعار کے ان اَسالیب (جن میں حروف اپنے موضوع لہ معنی کے علاوہ استعمال ہوئے ہیں) کا حل بھی بتایا ہے۔

فرماتے ہیں: حرف جو عنقریب تیرے سامنے آئے گا اس کو اس کے باب سے نکال کر دوسرے باب میں استعمال کیا گیا ہے۔[الخصائص:۴۶۵/۲،الجنی الدانی:۲۳۱]

اب ہم اس مثال کو پیش کرتے ہیں جس میں حروف و معانی کا تناسب ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک پر ایک اعجازی وجہ مرتب ہوتی ہے۔

مثال

اللہ تعالیٰ کا فرمان:﴿ أَوَ أَمِنَ أَهْلُ الْقُرَى أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى وَ هُمْ يَلْعَبُونَ ﴾[الاعراف:۹۸]

''یا انہیں اطمینان ہوگیا ہے کہ ہمارا (مضبوط ہاتھ) عذاب یکا یک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا جب کہ وہ کھیل رہے ہوں گے؟''

پس اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿أو أمن﴾ میں دو قراءاتیں ہیں:

① ﴿أَوْ أَمِنَ﴾ واؤ کے سکون کے ساتھ یہ قراءت مدنی قراء ابن کثیر مکی اور ابن عامر شامی کی ہے۔

② ﴿أَوَ أَمِنَ﴾ واؤ کے فتحہ کے ساتھ یہ باقی قراء کی قراءت ہے۔[کتاب السبعة:۲۸۶،النشر:۲۷۰/۲]

درج بالا قراءتوں کی توجیہہ

① جب سکون والی قراءت کا اعتبار کیا جائے واؤ حرف عطف اس وقت اس کے معنی ہوگا تقسیم اور تنویع کا اور معنی اس وقت ہوگا ''کیا بستی والے اس بات سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ ان کے پاس رات کے وقت ہماری پکڑ آئے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس حال میں کہ وہ سوئے ہوئے ہوں یا وہ اطمینان میں ہیں اس بات سے کہ ان پر ہمارا عذاب دن میں اس وقت آئے جب یہ کھیل رہے ہوں۔یعنی کیا وہ ان دونوں پکڑوں میں سے کسی ایک سے اطمینان پکڑ بیٹھے ہیں۔

اب ہم ان کے انکار کی دونوں وجوہ کو بیان کرتے ہیں:

② اگر حرف عطف مانیں تو معنی ہوگا کہ کیا وہ بےخوف ہیں رات یا دن کے وقت عذاب کے آنے سے۔

[اتحاف فضلاء البشر والنشر:۲/۵۴۱، المحرر الوجیز:۲/۴۳]

یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی اباحت وتخییر کا کیا جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ ءَاثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴾ [الانسان:۲۴]

''یعنی نہ تو اطاعت کر اس قسم کے لوگوں کی (جن کی طرف اشارہ ہے)''

معنی ہوگا ''اگر تم ایک پکڑ سے اطمینان پکڑ لوگے تو دوسری سے بھی اطمینان مت پکڑو۔''

[الحجة لأبي علی:۴/۵۴، الجامع الأحكام القرآن:۷/۲۵۳]

② ﴿أَو﴾ واؤ کے فتحہ کے ساتھ۔

یہ واؤ عاطفہ ہے اور اس پر ہمزہ استفہام انکاری داخل ہے جیسا کہ وہ 'ثم' پر داخل ہوجاتا ہے۔مثال اللہ تعالیٰ کا قول ہے:﴿ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ ءَامَنتُم بِهِ ﴾ [یونس:۵۱]

ثم حرف عطف پر ہمزہ جو ہم معنی استفہام انکاری ہے، داخل ہوا ہے۔

اسی کی مثل:﴿ أَوَ كُلَّمَا عَٰهَدُوا۟ عَهْدًا نَّبَذَهُۥ فَرِيقٌ مِّنْهُم ﴾ [بقرہ:۱۰۰]

﴿ أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ ٱلْأَرْضَ مِنۢ بَعْدِ أَهْلِهَآ ﴾ [الاعراف:۱۰۰]

تو ان تمام مثالوں کے پیش نظر 'أو أمن اهل القریٰ......'کا معنی ہوگا کہ کیا وہ دونوں (لیل ونہار) کی پکڑ سے بےخوف ہوگئے ہیں۔

درج بالا قراءتوں کی توجیہہ

پہلی قراءت میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہمزہ ہے جو کہ عاطف کا ایسا جزء ہے جو استفہام کا فائدہ دیتا ہے۔اس وجہ سے یہ 'لیل ونہار' کے عذاب میں سے ایک کے امن سے انکار کرنے کا فائدہ دیتی ہے۔

دوسری قراءت میں ہمزہ استفہام کا ہے جو کہ واؤ عاطفہ پر داخل ہوا ہے۔اسی بنا پر یہ قراءت عذاب کی دونوں ضربوں (لیل ونہار) کے برابر ہونے کا فائدہ دیتی ہے۔

اسی بنا پر اس کی یہ دلالت اعجاز بیانی پر دلالت عزیمہ ہے جو کہ قراءات متواترہ سے ثابت ہوتی ہے۔

① تنوع اسالیب بیان

مختلف اغراض و مقاصد کے لیے مختلف اسالیب بیان کا استعمال عربی زبان کا طرۂ امتیاز ہے۔یاد رہے کہ لغت عرب میں جملے کی اس اعتبار سے دو قسمیں ہوتی ہیں:

① جملہ خبریہ ② جملہ انشائیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

① جملہ خبریہ

قرآنی استعمال سے قطع نظر جملہ خبریہ ایسے جملے کو کہتے ہیں جس میں سچ اور جھوٹ دونوں احتمال موجود ہوں۔

② جملہ انشائیہ

جس کلام میں صدق وکذب دونوں احتمالات نہ ہوں اسے انشائیہ جملہ کہتے ہیں۔

لیکن جملے کی اس تقسیم کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مذکورہ دونوں اسالیب کلام ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال نہیں کئے جاسکتے بلکہ یہ تو کلام عرب کی خصوصیت ہے اور کائنات کا بلیغ ترین کلام اس کا بہترین شاہد ہے۔ چنانچہ مختلف قراءات میں مختلف اسالیب استعمال ہوتے ہیں، کیونکہ ہر اسلوب کا ایک خاص مقام اور تاکید ہوتی ہے لہٰذا ایک ہی آیت میں مختلف قراءات سے تنوع اسالیب پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے واضح ہے۔

قراءۃ اور تنوع اَسالیب بیان میں اس کا اَثر

اس میں درج ذیل چیزیں ہیں:

1. اسلوب خبر واستفہام کے اعتبار سے قراءات کی تبدیلی۔
2. اسلوب خبر وامر کے اعتبار سے قراءات کی تبدیلی۔
3. اسلوب خبر ونہی کے اعتبار سے قراءات کی تبدیلی۔
4. فعل کے مفرد، جمع کی طرف مسند ہونے کے اعتبار سے قراءات کی تبدیلی۔
5. صیغۂ خطاب کی صیغۂ متکلم کے اعتبار سے قراءت کی تبدیلی

❶ خبر واستفہام کے اعتبار سے قراءات کی تبدیلی

مثال نمبر۱

اللہ تعالیٰ کا قول:

﴿وَ لَا تُؤۡمِنُوۡۤا اِلَّا لِمَنۡ تَبِعَ دِیۡنَکُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡہُدٰی ہُدَی اللّٰہِ ۙ اَنۡ یُّؤۡتٰۤی اَحَدٌ مِّثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ اَوۡ یُحَآجُّوۡکُمۡ عِنۡدَ رَبِّکُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴾ [آل عمران:۷۳]

’’اور سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا یقین نہ کرو۔ آپ کہہ دیجئے کہ بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے (اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس بات کا بھی یقین نہ کرو) کہ کوئی اس جیسا دیا جائے جیسا تم دیئے گئے ہو، یا یہ کہ یہ تم سے تمہارے رب کے پاس جھگڑا کریں گے آپ کہہ دیجئے کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے اسے دے، اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کے اس قول: ﴿أن یؤتیٰ أحد﴾ میں دو قراءتیں ہیں:

① ﴿أَنْ یُؤْتیٰ﴾ ایک ہمزہ کے ساتھ یہ جمہور قراء کی قراءت ہے۔

② ﴿ أَآنْ یُؤْتیٰ﴾ دو ہمزہ کے ساتھ یہ ابن کثیر مکی کی قراءت ہے۔ [السبعة لابن مجاهد:۲۰۷، النشر: ۲/۲۲۱]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درج بالا قراءتوں کی توجیہہ

جمہور کی قراءت خبر کا فائدہ دیتی ہے۔ابن کثیر مکی کی قراءت استفہام کا فائدہ دیتی ہیں۔اس خبر و استفہام کی دلالت ایسی توبیخ اور انکار پر ہے جو کہ ملتبس ہے اس نہی کو جو آیت کریمہ کی ابتداء میں آئی ہے۔

امام زمخشری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿أن يؤتى﴾ متصل ہے رسول کے مقولہ ”قل إن الهدى هدى الله“ کے ساتھ اس کا معنی یہ ہوگا: ”أن ما بكم في الحسد والبغي۔ أن يؤتى أحد مثل ما أوتيتم في فضل العلم والكتاب دعاكم إلىٰ أن قلتم ما قلتم“ یعنی اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب وعلم کی صورت میں فضل مل گیا ہے تو تم حسد اور بغاوت پر کیوں اتر آئے ہو، اور جب اس رسول نے تم کو اس کتاب وعلم کی دعوت دی تو تم نے وہ کچھ کہا جو تم کہہ سکتے تھے۔“

اس پر ابن کثیر رحمہ اللہ کی قراءت ﴿أأن يؤتى أحد﴾ دلیل ہے۔

مخاطبت اور توبیخ کے لیے ہمزہ استفہام زیادہ کردیا گیا۔[الكشاف: ١/ ٣٧٤، البحر المحيط: ٢/ ٤٩٤]

وجہ اعجازی

گذشتہ صفحات میں بھی ہم بیان کر آئے ہیں کہ تنوع قراءات اعجازات کی وجوہ میں سے ایک وجہ ہے جو اسلوب قرآنی سے ظاہر ہوتی ہے۔ جمہور کی قراءت نے یہ فائدہ دیا ہے کہ اگر ادوات استفہام کو سیاق پر دلالت کرنے کے بعد حذف کردیا جائے تو کلام پھر بھی استفہام انکاری کا فائدہ دیتی ہے۔

ابن کثیر کی قراءت نے جمہور کی قراءت میں پائے جانے والے استفہام کے انکار میں مکمل طور پر تاکید کا فائدہ دیا۔

مثال نمبر۲

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرۡعَوۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ○ ﴾ [الاعراف:۱۱۳]

اس آیت مبارکہ میں ﴿ اِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا ﴾ کو دو طرح پڑھا جاتا ہے۔

الف ﴿ اِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا ﴾ (اسلوب خبر کے ساتھ)

ب ﴿ ءَاِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا ﴾ (اسلوب استفہام کے ساتھ)

دونوں قراءات تواتر کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور دونوں کے معنٰی میں کسی قسم کا تناقض نہیں۔

ہمارے ہاں معروف قراءت اسلوب خبر والی ہے جس سے جادوگروں کی خود اعتمادی واضح ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری قراءت سے پتہ چلتا ہے کہ جادوگروں نے فرعون سے پوچھا کہ اگر وہ غالب آ جائیں تو انہیں کیا انعام ملے گا؟ اس قراءت سے اس آیت کا اگلی آیت کے ساتھ ربط زیادہ واضح ہو جاتا ہے، کیونکہ فرعون نے جواب میں ”نعم“ کہا تھا:

﴿ قَالَ نَعَمۡ وَ اِنَّكُمۡ لَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ○ ﴾ اور ”نعم“ سوال کے جواب میں ہی کہا جاتا ہے۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ تبدیلی قراءت سے قرآن کی معنویت اور حکمت مجروح نہیں ہوتی بلکہ اس میں اضافہ ہوتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

❷ اسلوب خبر و نہی کے اعتبار سے قراءات کی تبدیلی

مثال نمبر ۱

اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحٰبِ الْجَحِيمِ ۝ ﴾ [البقرۃ:۱۱۹]

اس آیت مبارکہ میں ﴿ وَلَا تُسْئَلُ ﴾ کو دو طرح پڑھا جاسکتا ہے۔

الف ﴿ ولا تُسْئَلُ ﴾ (اسلوب خبر کے ساتھ)

ب ﴿ ولا تُسْئَلْ ﴾ (اسلوب نہی کے ساتھ)

پہلی قراءت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد(ﷺ) آپ کی ذمہ داری محض ابلاغ ہے اگر یہ نہیں مانتے تو آپ ذمہ دار نہیں۔

جبکہ دوسری قراءت کا معنی یہ ہے کہ اے محمد(ﷺ) ہم نے آپ کو اتمام حجت کے لیے بھیجا ہے اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو جہنم میں جائیں گے۔ اور نہ پوچھیں جہنم میں ان کی حالت کس قدر بُری ہوگی جیسا کہ ہمارے ہاں جب کوئی شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو تو اس کے متعلق خبر دینے والا کہتا ہے: ''نہ پوچھو اس کی حالت کیسی ہے'' گویا پہلی قراءت سے محض رسول اللہ ﷺ کا بری الذمہ ہونا ثابت ہوتا ہے جبکہ دوسری قراءت سے کفار کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے انجام بد کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ جو کہ پیغمبر علیہ السلام کے لیے مزید تسلی کا باعث تھا۔

مثال نمبر ۲

اِرشاد ربانی ہے:

﴿ مَا لَهُمْ مِّنْ دُونِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ أَحَدًا ﴾ [الکہف:۲۶]

﴿ وَلَا يُشْرِكُ ﴾ میں دو متواتر قراءات ہیں۔

الف ﴿وَلَا تُشْرِكْ﴾ (صیغہ مخاطب کے ساتھ) (اسلوب نہی کے ساتھ) یہ ابن عامر شامی کی قراءت ہے۔

ب ﴿وَلَا يُشْرِكُ﴾ صیغہ غائب کے ساتھ۔ (اسلوب خبر کے ساتھ) یہ باقی قراء کی قراءت ہے۔

[التبصرۃ لمکی: ۲۴۸، الاتحاف: ۲/۲۱۳]

درج بالا قراءتوں کی توجیہہ

پہلی قراءت خطاب میں 'لا' نہی کا ہے اور نہی کا تعلق ہر شرعی مکلّف کے ساتھ ہے اور 'منهي عنه' شرک ہے۔ اس وقت معنی ہوگا: ''اے مکلّف انسان اپنے رب کے ساتھ کسی ایک کو شریک مت بنا'' اور یہ نہی صرف نبی ﷺ کے لیے نہیں بلکہ دیگر تمام لوگوں کو شامل ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: ''إياك أعني واسمعي ياجاره فيكون ماله إلى ذلك''

اور بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ اس سے مراد نبی ﷺ کی ذات لی جائے اس وقت یہ معطوف ہوگا اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴾ کا [الکہف:۲۳] یا اس کا عطف ہوگا اللہ تعالیٰ کے اس قول پر ﴿واذكر ربك إذا نسيت﴾ [الکہف:۲۴]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب ایسا ہے تو پھر معنی ہوگا اے محمدﷺ! آپ کسی ایک سے سوال نہ کریں ان چیزوں کے بارے میں جو کہ اصحاف کہف کے قصہ میں سے ہیں۔[الجامع لأحکام القرآن:۳۸۸/۱۰، فتح القدیر للشوکاني:۲۷۹/۳]

دوسری قراءت (صیغہ غائب کے ساتھ) ہوتو اس میں 'ھو' ضمیر مقدر ہوگی جو کہ 'یشرك' کا فاعل ہوگا۔ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف لوٹے گی: ﴿قُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا﴾ [الکہف:۲۶]

گویا یہ ایک ایسا جملہ ہے جس کا نبی اکرمﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ اس کو ادا کریں۔ کلام غیوبت کے طریق سے اس وجہ سے لائی گئی، کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ﴾ ہے۔

اس قراءت کے مطابق اس آیت کا معنی ہوگا۔

◉ عزجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب اللہ تعالیٰ علم وقدرت والے ہیں تو پھر وہ اپنے عالم الغیب کی انفرادیت اور واحدانیت میں کسی کو شریک نہیں کریں گے۔''

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ أَحَدًا﴾ [الجن:۲۶، معاني القرآن وإعرابه:۲۸۰/۳]

◉ سدي رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کہ ﴿وَّ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ أَحَدًا﴾ کا مطلب ہے۔

''ولا یشاور في أمرہ وقضائہ أحداً''. [حجۃ القراءات لابن زنجلہ:۴۱۵]

بلاغی اعجاز

① قراءت ابن عامر میں اسلوب خطابی ہے جس میں انسانوں کو مخاطب کر کے شرک سے منع کیا گیا ہے۔

② جمہور کی قراءت میں اسلوب خبر ہے۔ جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے ''کہ وہ رب العالمین کی نفی کر رہے ہیں اس بات کی کہ میرے ساتھ میرے حکم وقدر میں کوئی شریک نہیں اور نہ میں پسند کرتا ہوں کہ کسی کو اپنے حکم میں شریک کروں۔''

لہٰذا ان دونوں قراءات سے قرآن کریم کا اعجاز بلاغی ثابت ہورہا ہے جو کہ معترضین کے منہ پر طمانچہ ہے۔ ثابت ہوا کہ قراءات قرآنیہ سے قرآن کی معنویت اور حکمت مجروح نہیں ہوتی بلکہ متحقق ہوتی ہے۔

③ اسلوب خبر وامر کے اعتبار سے قراءات کی تبدیلی

کبھی قراءات میں تبدیلی اس اعتبار سے ہوتی ہے کہ ایک سے مطلق خبر دینا جبکہ دوسری سے 'امر' مراد ہوتا ہے۔

مثال نمبر۱

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ﴾ [انبیاء:۴]

لفظ ﴿قٰلَ﴾ میں دو قراءات ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الف ﴿ قٰلَ ﴾ (اسلوب خبر کے ساتھ)

ب ﴿ قُلْ ﴾ (اسلوب امر کے ساتھ)

پہلی قراءت میں اللہ تعالیٰ نے محمدﷺ کی بات کونقل فرمایا ہے، جبکہ دوسری قراءت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمدﷺ کو یہ کہنے کا حکم دیا تھا کہ میرا رب آسمانوں اور زمین میں ہونے والی ہر بات کو جانتا ہے۔

دونوں قراءات کے معنی میں کوئی تضاد نہیں بلکہ دوسری قراءت سے واقعہ مزید واضح ہوجاتا ہے، وہ یوں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی اکرمﷺ کو مذکورہ بات کہنے کا حکم دیا تو پھر محمدﷺ نے یہ کلمات ادا فرمائے اور پتہ چلا کہ رسول اکرمﷺ وحی کے بغیر نہیں بولتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہی کلام فرمایا کرتے۔ جبکہ ہمارے ہاں پہلی قراءت زیادہ معروف ہے۔

'اعجاز بلاغی'

ان دونوں قراءات میں اگر صیغہ امر کا اعتبار کریں تو پھر معنی ہوگا کہ ان مشرکین نے اس قول ﴿ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَ الْأَرْضِ ﴾ [الانبیاء:۴] کو چھپایا جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولﷺ کو مطلع کردیا اور حکم دیا کہ اے محمدﷺ آپ ان کو کہیں: ﴿ قُلْ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَ الْأَرْضِ ﴾ ''کہ میرا رب تو آسمانوں وزمین کی باتوں کو جانتا ہے۔'' [الجامع لاحکام القرآن:۲۷۰/۱۱، فتح القدیر للشوکانی:۳۹۸/۳]

خلاصہ کلام

ان دونوں قراءتوں کو نبیﷺ نے اور آپ کے صحابہ کرام نے پڑھا لہٰذا یہ دونوں بمنزلہ دو آیتوں کے ہیں۔

فائدہ: نبیﷺ کو حکم دیا گیا اور آپﷺ نے 'قال کما أمر'، 'کہا جس طرح حکم دیا گیا'۔

مثال نمبر۲

اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ﴾ [الانبیاء:۱۱۲]

اس میں دو قراءتیں ہیں:

الف ﴿قٰلَ رَبِّ﴾ (صیغہ فعل ماضی کے ساتھ)

یہ قراءت حفص عن عاصم ہے۔

ب ﴿قُلْ رَبِّ﴾ (صیغہ امر حاضر کے ساتھ)

یہ قراءت حفص کے علاوہ باقی قراء کی ہے۔

درج بالا قراءتوں کی توجیہہ

صیغہ فعل ماضی کے ساتھ 'قال' پڑھنے والوں نے اس قول کو أرسلنك کی ضمیر کا مسند بنایا ہے جس کا ذکر گذشتہ آیتوں میں گذر چکا ہے۔

اِرشاد ربانی ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَ مَآ أَرۡسَلۡنٰكَ إِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴾ [الانبیاء:۱۰۷]

اگر اس قول کا اعتبار کیا جائے تو پھر یہ خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی جس کو اس کے رسول نے اپنی دعا میں کہا:

'رب احكم بالحق' [معاني القراءات:۱۷۳/۲]

دوسری قراءۃ (صیغہ امر حاضر) کے ساتھ۔

اس میں یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی کریم ﷺ کو ہوگا کہ وہ کہہ دیں «ربي أحكم بالحق» ''اے اللہ! میرے اور ان جھٹلانے والوں کے درمیان فیصلہ کردے اور ان کے خلاف میری مدد فرما۔''

[معاني القرآن وإعرابه للزجاج:۸/۳، الجامع لأحكام القرآن:۳۵۱/۱۱]

'اعجاز بلاغی'

ہر قراءات میں ایک ایسی دلالت ہوتی ہے جو بلاغت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔اس درجہ بالا مثال میں بھی جمہور کی قراءۃ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ کہیں «رب ربي أحكم بالحق» اور حفص کی قراءۃ میں 'قال' امر کو فعل ماضی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۴ فعل کے مفرد و جمع کی طرف مسند ہونے کے اعتبار سے قراءات کی تبدیلی:

مثال نمبر۱

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِذۡ قَالَ الۡحَوَارِيُّوۡنَ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ هَلۡ يَسۡتَطِيۡعُ رَبُّكَ أَنۡ يُّنَزِّلَ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ إِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴾ [المائدہ:۱۱۲]

﴿ هَلۡ يَسۡتَطِيۡعُ رَبُّكَ ﴾ میں دو متواتر قراءات ہیں۔

الف ﴿ هَلۡ يَسۡتَطِيۡعُ رَبُّكَ ﴾ (صیغۂ غائب کے ساتھ)

ب ﴿ هَلۡ تَسۡتَطِيۡعُ رَبَّكَ ﴾ (صیغۂ خطاب کے ساتھ)

پہلی قراءات کے مطابق معنی یہ بنتا ہے کہ حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا آپ کا رب آسمان سے ہمارے لیے دسترخوان نازل کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کامل یقین رکھتے تھے لیکن انہوں نے یہ مطالبہ اس لیے کیا تا کہ ایمان مزید پختہ ہو جائے۔

جبکہ دوسری قراءات میں اللہ تعالیٰ کی زیادہ تعظیم پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں استطاعت کی نسبت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے اور حواریوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کے پیش نظر ایسا کیا۔ حالانکہ ہمارے ہاں پہلی قراءات زیادہ معروف ہے۔

مثال نمبر۲

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ ﴾ [الانشقاق:۱۹]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس میں دوقراءتیں ہیں۔

الف ﴿لَتَرْكَبُنَّ﴾ (باء کے ضمہ کے ساتھ)

یہ قراءت بصری، مدنی، قراء اورابن عامر، عاصم کی ہے۔

ب ﴿لَتَرْكَبَنَّ﴾ (باء کے فتحہ کے ساتھ)

یہ قراءۃ ابن کثیر مکی، کسائی، حمزہ اور خلف العاشر کی ہے۔

[المبسوط في القراء ات العشر:۴۰۰،النشر:۳۹۹/۲،اتحاف:۶۰۰/۲]

درج بالا قراءتوں کی توجیہہ

پہلی قراءۃ میں ضمہ لانے کے ساتھ جنس کو متوجہ کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ﴿يَاأَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ﴾ [الانشقاق:۶] میں موجود 'یا' حرف ندا کا تعلق جنس کے ساتھ ہے۔اس لفظ کا اصل ﴿لترکبون﴾ ہے۔ پس دو ساکن اکٹھے ہوئے واؤ کو حذف کردیا باء کو ضمہ دیا، یہ ثابت کرنے کے لیے کہ یہاں واؤ موجود تھی۔ اور یہ 'لترکبن' ہوگیا۔ معنی اس وقت ہوگا "لترکبن أیها الناس طبقاعن طبق" یعنی 'حالا بعد حال' اے لوگو! تمہیں ضرور درجہ بدرجہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف گزرتے چلے جانا ہے۔''

'عن' یہاں بمعنی 'بعد' ہے۔یعنی تم ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں ہوگے۔اور لفظ عن 'مجاوزہ' "گزرنا' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔یعنی 'لترکبن طبقاً مجاوز من لطبق' البتہ تم ضرور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف گزرنے والے ہو۔

دوسری قراءت: (باء کے فتحہ کے ساتھ)

یہ اسلوب خطابی کے قبیل سے ہے۔اس میں خطاب کن لوگوں کو ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

جمہور: اس سے مراد نبی ﷺ کی ذات گرامی ہے اور وہ اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت، جو کہ مجاہد رحمہ اللہ ان سے نقل کرتے ہیں، میں فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ ای 'حالا'، کہ طبق بمعنی حالت کے ہے اور اس سے مراد نبی ﷺ کی ذات اقدس یعنی آپ ﷺ کی زندگی مطہرہ ہے۔

② دوسرا معنی یہ بھی بیان کیا ہے کہ اے نبی ﷺ تم کفار کے ساتھ مقابلہ میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف درجہ بدرجہ گذرتے چلے جاؤ گے۔''

③ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے اللہ کا اپنے نبی ﷺ سے فتح ونصرت کا وعدہ ہے۔معنی اس وقت ہوگا 'لترکبن من فتح إلی فتح' البتہ تم ایک فتح کے بعد دوسری فتح کی طرف بڑھو گے 'ولتصیرن من نصر إلی نصر' اور تم ایک مدد کے بعد دوسری مدد کئے جاؤ گے''

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'لترکبن سماء بعد سماء' ''تم درجہ بدرجہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف جاؤ گے۔''

اس میں واقعہ معراج کی طرف اشارہ ہے۔اور بھی بے شمار معانی علماء، مفسرین نے بیان کئے ہیں جن کو ہم اختصار کے پیش نظر چھوڑ رہے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آخر میں امام فخر الدین الرازی رحمہ اللہ (ت:۶۰۶ھ) کا قول بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''کہ دوسری قراءت میں آسمان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس وقت معنی ہوگا 'لتركبن السماء يوم القيامة حالة بعد حالة' کہ قیامت کے دن آسمان درجہ بدرجہ ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلتا چلا جائے گا۔'' پھر اس کے بعد امام رازی رحمہ اللہ نے اس کی علت یوں بیان کی: ''یہ اس وجہ سے ہے، کیونکہ پہلے آسمان میں شغاف پیدا ہوں گے۔''

اِرشادِ ربانی ہے: ﴿ إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾ [الانشقاق:۱] 'پھر وہ پھٹ پڑے گا۔'

اِرشادِ ربانی ہے: ﴿ إِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴾ [الانفطار:۱] ''پھر وہ لال چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا۔

ارشادِ ربانی ہے: ﴿ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴾ [الرحمٰن:۳۷] ''یہ ہے آسمان کا درجہ بدرجہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف جانا'' اور یہ وجہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[التفسير الكبير:۳۰۵/۳۱]

نوٹ: جب آسمان مراد لیے جائیں تو اس وقت 'لتركبن' میں 'تاء' تانیث کی ہوگی۔

'اعجاز بلاغی'

گذشتہ دونوں قراءتوں میں سے ہر ایک نے دوسری سے الگ فائدہ دیا ہے، کیونکہ ان میں سے ہر قراءت میں کئی دلالتوں اور اعتبارات کا احتمال رہتا ہے۔ اگر صرف ایک لفظ کا اعتبار کیا جاتا اور دوسری قراءت کو چھوڑ دیا جاتا تو پھر ایک آیت سے ایک ہی دلالت ثابت ہوتی لہٰذا قرآن کا اعجاز بلاغی کھل کر معترضین کے سامنے آ گیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ قراءات قرآن کی معنویت اور حکمت کو مجروح نہیں کرتیں بلکہ مزید تقویت دیتی ہیں اور پڑھنے، سننے والے کے سامنے قرآن کا مقصود اور سیاق وسباق واضح ہو جاتا ہے۔

⑤ صیغۂ خطاب کی صیغۂ متکلم کے اعتبار سے قراءت کی تبدیلی

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴾ [الصافات:۱۲]

﴿ بَلْ عَجِبْتَ ﴾ میں درج ذیل دو قراءات ہیں۔

الف ﴿ بَلْ عَجِبْتَ ﴾ (صیغۂ خطاب کے ساتھ)

ب ﴿ بَلْ عَجِبْتُ ﴾ (صیغۂ متکلم کے ساتھ)

پہلی قراءت میں تعجب کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور معنی یہ بنتا ہے کہ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کے صریح دلائل کے باوجود انکار آخرت پر تعجب کرتے ہیں اور وہ آپ کا مذاق اُڑاتے ہیں۔

جبکہ صیغۂ متکلم والی قراءت میں تعجب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے جس سے ان کے انکار آخرت کے جرم کی سنگینی اور بڑھ جاتی ہے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف صفت تعجب کی نسبت جائز ہے لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ کا دیکھنا، سننا، کلام کرنا وغیرہ اور دیگر صفات ہمارے جیسی نہیں۔ ایسے ہی اس کا تعجب بھی ہمارے تعجب کی طرح نہیں۔ چونکہ قرآن وحدیث سے اللہ تعالیٰ کی طرف صفت تعجب کی نسبت ثابت ہے لہٰذا ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو ماننا واجب ہے البتہ ہم

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کی کیفیت بیان نہیں کرتے اور نہ ہی اسے بندوں کے مشابہ قرار دیتے ہیں۔

احادیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت تعجب کا اثبات ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

”فقال ﷺ: «ضَحِكَ اللّٰهُ اللَّيْلَةَ أَوْ عَجِبَ مِنْ فَعَالِكُمَا» . [صحیح بخاری:۳۷۹۸]

④ کلام کی صفت ایجاز اور قراءات

ایجاز کی تعریف

کثیر معانی کو تھوڑے الفاظ میں اس طرح سمو دینا کہ مقصود بھی پوری طرح واضح ہو جائے۔

کسی کے کلام میں ایجاز کا ہونا اس کے کمال، عقلی برتری اور زبان و فکر پر اس کی قدرت کی دلیل ہوتا ہے۔

ایجاز کی ضد اطناب ہے یعنی قلیل معانی کو کثیر الفاظ میں بیان کرنا۔ دونوں اسالیب کا استعمال موقع و محل کی مناسبت سے کلام کو بلیغ بنا دیتا ہے۔ چنانچہ ایک جاہل شخص سے بات کرتے ہوئے ایجاز کا استعمال اور ایک عالم کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اطناب کو اختیار کرنا کلام کا نقص ہوگا۔

قراءات سے قرآن کریم میں یہ دونوں صفات پیدا ہو جاتی ہیں اور ایک ہی لفظ کو دو مختلف قراءات میں پڑھنے سے دو مستقل مفاہیم حاصل ہوتے ہیں۔ متعدد قراءات سے پیدا ہونے والے یہ تمام مفاہیم ہی معتبر اور موقع و محل کے مطابق ہوتے ہیں۔

ذیل میں ہم مثالوں سے وضاحت کرتے ہیں کہ قراءات کس طرح ان دونوں اسالیب کو قرآن کریم میں جمع کرکے اس کی بلاغت میں اضافہ کرتی ہیں:

❶ مضارع کے صیغۂ خطاب کی صیغۂ غائب سے تبدیلی

اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ [آل عمران:۱۵۷]

﴿مِمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ میں دو قراءتیں ہیں۔

الف ﴿مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ (صیغۂ غائب کے ساتھ)

ب ﴿مِّمَّا تَجْمَعُوْنَ﴾ (صیغہ خطاب کے ساتھ)

دونوں قراءات کو جمع کرنے سے معنی میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور معنی یہ بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جنہیں تم یا وہ (جہاد پر نہ آنے والے) جمع کرتے ہیں۔ فعل کو کبھی ”تا“ اور کبھی ”یا“ کے ساتھ پڑھنا ''ایجاز'' کی ہی صورت ہے، کیونکہ اس طرح دونوں فریقوں کو الگ الگ الفاظ کے ساتھ متعین کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ چنانچہ صیغۂ غائب کے ساتھ پڑھنے سے معنی یہ ہوگا کہ اے اہل ایمان! اگر تم جنگ و جہاد میں شہید ہو جاؤ یا تم جہاد کی تمنا رکھنے کے باوجود موقع نہ پا سکو اور تمہیں طبعی موت آ جائے، دونوں صورت میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت ہے جو اس متاع حیات دنیوی سے کہیں بہتر ہے جس کو جمع کرنے کی خاطر تم میں سے کچھ لوگ جہاد کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جبکہ صیغہ ٔخطاب والی قراءت کا معنی یہ ہوگا کہ اے اہل ایمان!

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موت کا سبب صرف جہاد ہی نہیں، بلکہ یہ تو ہر حال میں آ کر ہی رہے گی لیکن اگر یہی موت تمہیں راہِ خدا میں آ گئی تو اس کے بدلے میں تمہیں جو اللہ کی مغفرت، رحمت اور شہادت ملے گی وہ دنیا کے ان عارضی فوائد سے حد درجہ بہتر ہے جن کو جمع کرنے کی خاطر تم تگ و دو اور محنت و مشقت کرتے ہو۔

❷ فعل کے کسی حرف کو مشدد یا مخفف پڑھنے کی تبدیلی

اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالُوْا مَآ أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَ لٰكِنَّا حُمِّلْنَآ أَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ﴾ [طٰهٰ:۸۷]

لفظ ﴿ حُمِّلْنَا ﴾ میں دو قراءتیں ہیں۔

الف ﴿ حُمِّلْنَا ﴾ (صیغۂ مجہول اور میم مشدد کے ساتھ)

ب ﴿ حَمَلْنَا ﴾ (صیغۂ معروف اور میم مخفف کے ساتھ)

پہلی قراءت کا معنی یہ بنتا ہے کہ قوم موسیٰ کو سامری نے مجبور کیا اور ابھارا تھا کہ وہ زیورات اکٹھے کریں تا کہ بچھڑا بنایا جاسکے۔

جبکہ دوسری قراءت کا معنی یہ ہے کہ قوم موسیٰ کے لوگوں نے خود ہی زیورات اکٹھے کیے۔

ان دونوں مفاہیم میں تناقض نہیں بلکہ ان کو جمع کرنے سے معنی یہ بنتا ہے کہ سامری نے انہیں اس کام پر تیار کیا وہ اس کے دھوکے میں آ گئے اور برضا ورغبت یہ کام کیا۔لہٰذا دونوں قراءات واقعہ کی وضاحت اور تفصیل میں باہم معاون ثابت ہوتی ہیں۔

بلاشبہ ان تمام تفصیلات کو ایک ہی لفظ میں سمو دینا ایجاز کی ہی صورت ہے جس کا حصول اس لفظ کو دونوں قراءتوں کے ساتھ پڑھے بغیر ممکن نہیں تو ثابت ہوا کہ قراءات اپنے اس ایجاز کی وجہ سے اعجاز قرآنی کا مظہر ہیں۔

③ قراءات اور ''التفات''

سامع کے مزاج میں تازگی اور نشاط پیدا کرنے کے لیے عام طور پر عرب لوگ اپنی باتوں میں رنگینی پیدا کرتے ہیں اور اچانک کلام کا رخ غیابت سے حضور کی طرف اور حضور سے تکلم کی طرف پھیر دیتے ہیں۔قرآن مجید میں آتا ہے:

① ﴿ وَ اللّٰهُ الَّذِىْٓ أَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ ...... ﴾[فاطر:۹]

''اللہ وہ ذات ہے جو ہواؤں کو چھوڑتا ہے۔پس وہ بادل اٹھاتی ہیں۔پس ہم اس کو کسی مردہ شہر کے لیے ہانک دیتے ہیں۔''

إمراء القیس کا ایک شعر ہے:

تطاول ليلك بالأثمد و نام الخلي ولم ترقد
وبات وباتت له ليلة كليلة ذي العائر الأرمد
وذلك من نبإٍ جاءني و خبرته عن أبي الأسود

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''اے میری جان مقام اثمد میں تیری رات بڑی طویل ہوگئی ہے۔ محبت سے خالی لوگ تو سو چکے ہیں لیکن تو جاگ رہا ہے۔ اور اس نے رات بسر کی اور اس کی رات نے بھی۔ جس طرح آنکھ میں تنکا پڑنے والا اور آشوب چشم میں مبتلا شخص کرتا ہے۔ اور یہ خبر میرے پاس آئی ہے اور مجھے ابوالاسود کی موت کی خبر دی گئی ہے۔''

درج بالا قراءتوں کی توجیہہ

ليلك میں شاعر اپنے نفس سے خطاب کرتا ہے۔ بات میں شاعر اپنے آپ کو غائب قرار دیتا ہے۔ جاءني میں شاعر اپنے کو متکلم بناتا ہے۔

التفات کی صورتیں

جمہور بلاغیین التفات کو چھ صورتوں میں تقسیم کرتے ہیں۔
جیسا کہ ہم مجمل طور پر پہلے بیان کر آئے ہیں اب تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

① غیبوبت سے حضور کی طرف

کبھی لغت عرب میں کلام کرتے کرتے غائب کو حاضر بنا دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ سے لے کر ﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ [الفاتحہ:۱،۵] تک ہے۔ اسی صورت کے ضمن میں امام بیضاوی رحمہ اللہ تفسیر بیضاوی میں إمراء القیس کے اشعار بطور استشہاد کے پیش کرتے ہیں جن کو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔

② خطاب سے غیبوبت کی طرف

اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حَتّٰى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ... ﴾ [یونس:۲۲]

③ غیبوبت سے تکلم کی طرف

اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اللّٰهُ الَّذِيْ أَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ ﴾ [فاطر:۹]

④ تکلم سے غیبوبت کی جانب

اس کی مثال باری تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ ﴾ [الاعراف:۱۵۸]

⑤ کبھی التفات تکلم سے خطاب کی طرف ہوتا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ [یٰسین:۲۲]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⑥ خطاب سے تکلم کی جانب التفات

اس کے بارے میں شاہد کے طور پر ہم إمراء القیس کا شعر ذکر کر آئے ہیں۔

التفات کا قراءات میں پایا جانا

اگر قرآنی قراءات میں التفات کو دیکھنا چاہیں تو یہ ہم کو حروف مضارع میں تبدیلی (جو کہ نون، تاء اور یاء) کی صورت میں نظر آئے گا اور ان حروف کی تبدیلی سے پیدا ہوتا ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ 'نون' متکلم کے لیے ہے، 'یاء' غائب کے لئے اور 'تاء' خطاب کے لیے ہے۔

ذیل میں ہم قراءات میں اس اسلوب کے استعمال کی مثالیں ذکر کرتے ہیں:

❶ صیغۂ غائب سے خطاب کی طرف التفات

جب غائب سے خطاب کی طرف التفات کیا جائے اور منقول إلیہ چیز مذموم ہو تو اس التفات کے عموماً درج ذیل مقاصد ہوتے ہیں:

① زجر وتوبیخ ② خوشخبری دینا ③ منقول عنہ سے منقول إلیہ کو ممتاز کرنا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴾ [آل عمران:۱۱۵]

اس آیت مبارکہ میں درج ذیل دو قراءتیں ہیں:

الف ﴿ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ﴾ (صیغۂ غائب کے ساتھ)

ب ﴿ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ تُكْفَرُوهُ ﴾ (صیغۂ خطاب کے ساتھ)

پہلی قراءت کا معنی یہ بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل کتاب کی بھی نیکیوں کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ ان میں سے نیک لوگوں کو اچھا اور بُروں کو بُرا بدلہ دے گا۔ لیکن اہل کتاب سے مراد یہاں مومن اہل کتاب ہیں۔

اس قراءت کے الفاظ سیاق کے مطابق ہیں۔

جبکہ دوسری قراءت میں اللہ تعالیٰ نے مومن اہل کتاب کو خوشخبری سنانے کے لیے خطاب کا رُخ ان کی طرف موڑ کر براہِ راست انہیں مخاطب کیا ہے۔ جس سے معنی میں مزید حُسن پیدا ہو جاتا ہے اور مومن اہل کتاب کی مزید حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

❷ خطاب سے غائب کی طرف التفات

اس قسم کا التفات مخاطب کو یہ احساس دلانے کے لیے ہوتا ہے کہ وہ اس خطاب کا اہل نہیں یا بعض اوقات مخاطب کے ادب کے پیش نظر ایسا کیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت خضر وموسیٰ علیہما السلام کے قصہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَانْطَلَقَا ۖ حَتّٰى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۖ قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ﴾ [الکہف:۷۱]

اس میں دو قراءتیں ہیں:

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الف ﴿ لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا ﴾ (صیغۂ خطاب کے ساتھ)

ب ﴿ لِيَغْرَقَ أَهْلُهَا ﴾ (صیغۂ غائب کے ساتھ)

دوسری قراءت میں اسلوب التفات استعمال کیا گیا ہے۔

گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کشتی ڈوبنے کی نسبت ادب کی وجہ سے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف نہیں کی۔

جبکہ پہلی قراءت صیغۂ خطاب کے ساتھ ہے جو کہ ماقبل أَخَرَقْتَهَا اور مابعد لَقَدْ جِئْتَ کے موافق ہے۔

۳ صیغۂ غائب سے متکلم کی طرف التفات

اس قسم کا التفات عموماً معنی میں تعظیم پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے، کیونکہ اس میں التفات نون متکلم کی طرف ہوتا ہے جس سے کسی ذات کی بڑائی ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے نحوی نون متکلم کو نون تعظیم بھی کہتے ہیں۔ البتہ موقع ومحل کی مناسبت سے اس التفات کے دیگر معانی مثلاً ثواب کا وعدہ یا عذاب کی وعید وغیرہ بھی مقصود ہوتے ہیں۔

مثال: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ ۝ ﴾ [آل عمران:۴۸]

اس میں درج ذیل دو قراءتیں ہیں۔

الف ﴿ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ ﴾ (صیغۂ غائب کے ساتھ)

ب ﴿ وَنُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ ﴾ (صیغۂ متکلم کے ساتھ)

پہلی قراءت سیاق کے مطابق ہے۔ جبکہ دوسری قراءت میں اسلوب التفات استعمال ہوا ہے اور اس میں زیادہ معنویت پائی جاتی ہے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے فعل، فاعل اور مفعول کو ایک ہی لفظ میں جمع کر کے اشارہ فرما دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام معبود نہیں بشر ہیں۔

۴ صیغۂ متکلم سے غائب کی طرف التفات

اس قسم کے التفات کا مقصد سامع کی توجہ مبذول کرانا ہوتا ہے۔

مثال: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَأَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ......۝ وَأَمَّا الَّذِيْنَ ءَامَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ أُجُوْرَهُمْ ط﴾ [آل عمران:۵۶، ۵۷]

﴿ فَيُوَفِّيْهِمْ ﴾ میں دو قراءتیں ہیں۔

الف ﴿ فَيُوَفِّيْهِمْ ﴾ (صیغۂ غائب کے ساتھ)

ب ﴿ فَنُوَفِّيْهِمْ ﴾ (صیغۂ متکلم کے ساتھ)

پہلی قراءت میں صیغۂ متکلم سے غائب کی طرف التفات کیا گیا ہے، تاکہ عذاب کی نسبت اپنی طرف کر کے اس کی شدت کو مزید واضح کیا جائے۔

دوسری قراءت سیاق کے مطابق ہے، حالانکہ یہ قراءت ہمارے ہاں زیادہ معروف نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

④ قراءات اور ''وصل وفصل''

وصل وفصل کی لغوی تعریف

لغت میں فصل سے مراد دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ ڈالنا ہے اور وصل اس کی ضد ہے۔

اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں وصل سے مراد دو جملوں کو عطف کے ذریعے جوڑنا اور فعل سے مراد دونوں کو الگ الگ مستقل جملے بنانا ہے۔

کلام میں وصل وفصل کا خیال صرف وہی شخص رکھ سکتا ہے جس کے پاس علم بلاغت کا حظ وافر ہو، وہ طبعی طور پر اس کے محاسن کو جانتا اور عمدہ گفتگو کا ذوق رکھتا ہو کیونکہ یہ ایک انتہائی اہم، گہری اور پیچیدہ بحث ہے۔

علم بلاغت میں اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک ادیب سے بلاغت کی تعریف پوچھی گئی تو اس نے جواب دیا:

''بلاغت وصل وفصل کی معرفت کو کہتے ہیں۔''

[دلائل الإعجاز للجرجاني:۲۲۲،الإيضاح في علوم البلاغة ، للقزويني:۹۷]

بعض اوقات ایک قراءت میں لفظی رابط موجود ہوتا ہے اور دوسری میں محذوف۔ قراءات میں اس تبدیلی کا بلاغت قرآنی پر کیا اثر پڑتا ہے؟ درج ذیل مثال سے اس کی وضاحت ہوجاتی ہے۔

مثال: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴾ [البقرۃ:۱۱۶]

﴿ وَقَالُوا ﴾ میں دو قراءتیں ہیں۔

الف ﴿ قَالُوا ﴾ (حذف رابط لفظی کے ساتھ)

ب ﴿ وَقَالُوا ﴾ (اثبات رابط لفظی کے ساتھ)

اس سے پچھلی آیات میں چونکہ اہل کتاب یہود ونصاری کا تذکرہ ہو رہا ہے اس لیے عطف والی قراءت میں اصلاً یہ قول اہل کتاب کا ہی ہوگا اور باقی تمام مشرک تبعاً اس میں شامل ہوں گے۔ جبکہ حذف واؤ والی قراءت میں سبھی مشرک لوگ اصلاً شامل ہوں گے۔

اُمید واثق ہے کہ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد قارئین کے سامنے آغاز مضمون میں مذکور منکرین کے دعاوی کا بطلان بالکل واضح ہو چکا ہوگا۔ آخر میں ہم تمام منکرین قراءات سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنے کورچشم کی وجہ سے سورج کے وجود کا انکار کرنے کی بجائے اپنی جہالت کا دوائے علم سے علاج کریں تاکہ وہ انکار قراءات کے اس سنگین جرم سے بچ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں گمراہی سے بچائے۔ (آمین)

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر عبدالکریم صالح☆
مترجم: نصیر الرحمٰن*

اَوقافِ قرآنیہ پر قراءات کے اَثرات

اللہ رب العزت نے قرآن کریم کو سات حروف پر اس لیے نازل فرمایا تاکہ پوری اُمت، خصوصاً اہل عرب کو اس کی تلاوت میں آسانی مہیا ہوسکے، کیونکہ عرب کے مختلف قبائل تھے جن کے مابین لہجات، آوازوں کے اُتار چڑھاؤ اور الفاظ کی اَدائیگی میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ ان تمام کو عام عربی یکجا کرتی تھی جس کے ذریعے اہل عرب ایک دوسرے سے ہم کلام ہوتے تھے، چنانچہ اگر قرآن کو بھی ایک قراءت میں نازل کردیا جاتا تو اہل عرب کے لیے اس کی تلاوت اور اس کا فہم مشکل ہوجاتا۔

محقق ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قرآن کا سات حروف میں نزول کا مقصد بطورِ شرف، اُمت پر آسانی اور تخفیف کرنا، اس اُمت کی فضیلت کا اِظہار کرنا اور حضور نبی کریم ﷺ کی دعا قبول کرنا ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نے سرورِ کونین ﷺ سے کہا:

«إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتَكَ عَلٰى حَرْفٍ» ، فقال ﷺ: «أَسْأَلُ اللهَ مُعَافَاتَهُ وَمَغْفِرَتَهُ فَإِنَّ أُمَّتِي لاَ تُطِيْقُ ذٰلِكَ» . [صحيح مسلم:١٣٥٧]

مزید یہ کہ قرآن کو مختلف قراءات کے ساتھ پڑھنے سے متنوع اَحکام اور متنوع معانی کا ظہور ہوتا ہے، تنوع قراءات سے قرآن کریم کے مخفی معانی و مفاہیم کی وضاحت اس بات کی گواہی ہے کہ یہ منزل من عند اللہ ہیں۔ لہٰذا قرآن کریم کو چاہے کسی بھی قراءت میں پڑھا جائے وہ اپنے اَندر قرآنیت کا اِعجاز رکھتا ہے اور تعدد وجوہ تعدد اعجاز پہ دلالت کرتی ہیں۔

خلاصہ

تنوعِ قراءات تعدد آیات کی طرح ہے اور یہ بلاغہ کی اَقسام میں سے ایک قسم ہے۔ اس کا آغاز جمال اعجاز اور اس کی اِنتہا کمال اعجاز ہے۔

اِختلاف قراءات کا اَثر اَوقاف پر بھی ہوتا ہے جس سے معنی میں ردوبدل بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ وقف بھی اس قراءت کے تابع ہوگا جس میں تلاوت کی جارہی ہے۔ تو قاری کو چاہئے کہ جب وہ کسی قراءت میں تلاوت قرآن کر رہا ہو تو اس قراءت کے ضمن میں مقامات وقوف کا خیال بھی رکھے کہ کہاں پر رکنا ہے اور کہاں سے آغاز کرنا ہے۔

درج ذیل مثالیں اس کی اَثر انگیزی کی وضاحت کرتی ہیں:

☆ اسسٹنٹ پروفیسر کلیہ القرآن الکریم، جامعہ اَزہر، رُکن لجنة مراجعة المصحف بمجمع البحوث الإسلامية
* متعلّم رابعة كلية الشريعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی مثال

﴿ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴾ [البقرۃ:۱۱۹]

اس آیت میں 'تَسْئَلْ' بصیغۂ نہی پڑھا جائے تو 'نَذِيْرًا' پر وقف کافی ہوگا۔تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آپ ﷺ ان کے بارے میں سوال کرنے سے منع فرما رہے ہیں جس سے ان کے کثرت عذاب اور زیادتی عقاب کی طرف اِشارہ مقصود ہے۔

یعنی "لا تسأل یا محمد عن أصحاب الجحیم ، فقد بلغوا غاية العذاب التي ليس بعدها مستزاد"

''اے نبی ﷺ تو اصحاب جحیم کے متعلق نہ پوچھ، کیونکہ وہ انتہائی عذاب کو پہنچ چکے ہیں کہ جس کے بعد مزید عذاب کی گنجائش نہیں۔''

اور اگر اس آیت میں وَلَا تُسْئَلُ پڑھا جائے تو اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں:

① یہ ہے کہ نذیراً پہ وقف کرتے ہوئے ہم اس کے معنی کی مناسبت سے رفع دیں گے کہ 'ولست تسأل' تجھ سے ان کے متعلق مواخذہ یا سوال نہیں ہوگا۔اس طرح یہ ﴿ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ﴾ سے الگ ہوگا اور 'نذیرا' پر وقف بھی کیا جائے گا۔

② یہ کہ نذیراً پر وقف نہیں کریں گے بلکہ پہلے سے متعلق ہونے کی بناء پر ملا کے پڑھیں گے۔اس وقت معنی یہ ہوگا کہ اے نبی نہ ہی تو سائل عنھم ہے اور نہ ہی مسؤول عنھم ہے کہ باوجود اس کے کہ ان کے کفر کو (انذار کے باوجود) جانتا ہے تو ان کے متعلق سوال کرے۔لہٰذا تجھے سوال کا حق نہیں۔اور تیرے ان کو ڈرانے اور خوشخبری دینے کے باوجود بھی اگر وہ 'أصحب جحیم' میں سے ہوئے تو تجھ سے کوئی مواخذا نہیں ہوگا، کیونکہ تو نے اپنا فرض اَدا کردیا تھا۔

دوسری مثال

﴿ وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوّٰبِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴾ [البقرۃ:۲۲۲]

اَب اس آیت میں قراءات کے اختلاف کی وجہ سے ﴿ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾ پر وقف کے بارے میں بھی اختلاف ہوگیا۔نافع، ابن کثیر، ابوعمرو، ابن عامر اور حفص کے مطابق عاصم کے نزدیک 'يَطْهُرْنَ' ہوگا کیونکہ اس قراءت کے مطابق طھر سے مراد حیض کے خون کا رک جانا ہے۔اب اس قراءت کے مطابق 'یطھرن' پر وقف ہوگا کیونکہ اس آیت میں دو چیزوں کے متعلق کلام کیا گیا ہے۔

حمزہ، کسائی (اور ابوبکر کے مطابق عاصم) کے نزدیک يَطَّهَّرْنَ ہے۔کہ یہاں طھر سے مراد ایام حیض کے بعد کا غسل ہے کہ آدمی اپنی عورت سے غسل حیض کے بعد وطی کرے اس صورت میں یطھرن پر وقف جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ اور اس کے بعد والا ایک ہی کلام ہے۔

تیسری مثال

﴿ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْأَرْضِ وَ إِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [البقرة:۲۸۴]

اس آیت میں عاصم، ابن عامر، یعقوب، ابوجعفر اور حسن کے نزدیک اگر فَيَغْفِرُ اور وَيُعَذِّبُ پڑھا جائے تو ﴿يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ پر وقف کافی ہوگا اس لیے کہ یہ دونوں مستأنفہ ہیں اور نافع، ابوعمر، ابن کثیر، کسائی، حمزہ اور اَعمش کے نزدیک اگر فَيَغْفِرْ اور وَيُعَذِّبْ پڑھا جائے تو پھر ﴿يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ میں لفظ جلالہ پہ وقف نہیں ہوگا کیونکہ یہ دونوں جواب شرط پر معطوف ہیں لہٰذا ان دونوں کو ایک دوسرے سے اَلگ نہیں جائے گا بلکہ ملا کے بغیر وقف کے پڑھا جائے گا۔

چوتھی مثال

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ أَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [آل عمران:۳۷]

اس آیت میں قراءات کے اختلاف کی بدولت 'حسنًا' پہ وقف اور عدم وقف کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

چنانچہ اگر 'وكفلها' بغیر تشدید الفاء پڑھا جائے تو حسنًا پہ وقف ہوگا، کیونکہ حسنًا اور وكفلها دو الگ کلام ہیں وہ اس طرح کہ حسنا تک اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کی پیدائش کا ذکر کیا اور پھر 'کفلها' سے اس بات کی توضیح کی کہ کفالت زکریا نے کی۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ذیشان ہے کہ ﴿اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ﴾ [آل عمران:۴۴]

تو پھر لوگوں نے مریم علیہا السلام کی کفالت کی ذمہ داری پہ آپس میں جھگڑا اور اختلاف کیا اور ہر کوئی اپنے آپ کو مریم علیہا السلام کی کفالت کے لیے موزوں سمجھتا تھا چنانچہ انہوں نے قلموں کے ذریعے قرعہ اندازی کی تو اللہ کے فیصلے کے مطابق زکریا علیہ السلام کے نام کا قرعہ نکل آیا۔ لہٰذا مریم علیہا السلام کی کفالت زکریا علیہ السلام نے کی۔

اس میں اگر 'كَفَلَهَا زَكَرِيَّاءُ' پڑھا جائے تو 'کفلها' کا فاعل 'زکریاء' بنتا ہے جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ حسنًا تک اللہ تعالیٰ کے فعل کا ذکر ہے کہ اللہ نے مریم علیہا السلام کی پیدائش ٹھیک ٹھاک طریقے سے کی اور 'کفلها زکریا' الگ جملہ ہے۔

اور اگر 'كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا' پڑھا جائے تو 'حسنًا' پہ وقف نہیں ہوگا، کیونکہ یہ مکمل ایک کلام ہے کہ جس میں فاعل صرف اللہ ہے کہ جس نے مریم علیہا السلام کو پیدا کیا اور پھر اس کی کفالت زکریا سے کروائی گویا زکریا اور مریم علیہا السلام دونوں مفعول ہیں۔

علامہ سجاوندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ایک جملے کا دوسرے جملے پہ عطف ڈالا جائے تو بھی بعض کے نزدیک وقف جائز ہے۔

پانچویں مثال

﴿وَ لَا تُؤْمِنُوْا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ يُّؤْتٰى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ [آل عمران:۷۳]

اس آیت کریمہ میں 'هدى الله' پہ وقف کی بناء ہوگی۔ اس کو بعد والے کے ساتھ ملانے کے بارے میں قراء کا

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختلاف ہے۔ جو 'أن یؤتی' کو خبر پہ محمول کرے گا وہ 'ھدی اللہ' پہ وقف نہیں کرے گا، کیونکہ 'أن یؤتی' میں أن مفعول ہے 'ولا تؤمنوا' کا۔ یا محل جر میں ہے۔

حاصل کلام

اگر اس آیت کا معنی یہ کیا جائے:

"ولاتصدقوا ولاتقروا بأن یؤتی أحد مثل ما أوتیتم من العلم والحکمة إلا لمن اتبع دینکم."

''یعنی نہ تم تصدیق کرو اور نہ اِقرار کرو اس بات کا کہ ان کو بھی تمہاری طرح علم وحکمت دی جائے گی، مگر وہ لوگ کہ جو تمہارے دین کے تابع ہوئے۔''

یا یہ معنی کیا جائے:

"أو لا تؤمنو إلا لمن تبع دینکم ولا تؤمنوا أن یؤتی أحد مثله ولا تصدقوا أن یحاجوکم."

''نہ تم یقین کرو مگر ان لوگوں کا جو تمہارے دین کے تابع ہوئے اور نہ تم یقین رکھو اس بات کا کہ وہ بھی تمہارے مثل دیئے جائیں گے اور نہ تم تصدیق کرو اس بات کی کہ وہ تم سے جھگڑیں گے۔''

اس صورت میں 'ھدی اللہ' پہ وقف نہیں ہوگا اور اگر کوئی 'أن یؤتی' سے پہلے ہمزہ استفہام مقدر مان کے پڑھے یعنی

"ئأن یؤتی أحد مثل ما أوتیتم لا تؤمنون."

یہ استفہام انکاری ہے اور علماء یہود کی طرف سے ان کے عوام پہ ڈانٹ ڈپٹ ہے تاکہ وہ ان کے طریقے کے ساتھ چمٹے رہیں۔

تو اس صورت میں 'ھدی اللہ' پر وقف ہوگا، کیونکہ 'ءَأَنْ' سے نئے جملے کا آغاز ہو رہا ہے۔

چھٹی مثال

﴿وَ كَاَیِّنۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّیُّوۡنَ كَثِیۡرٌ ۚ فَمَا وَ هَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوۡا وَ مَا اسۡتَكَانُوۡا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیۡنَ ﴾ [آل عمران:۱۴۶]

اس آیت میں قٰتَل کے اَندر دو قراء تیں ہیں۔

① نافع، ابن کثیر ابوعمرو اور یعقوب کے نزدیک قُتِلَ ہے۔ الف کے بغیر مبنی للمفعول۔

② حمزہ، کسائی، ابن عامر اور عاصم کے نزدیک قَاتَلَ ہے۔ الف کے ساتھ مبنی للفاعل

چنانچہ قراء ات میں اختلاف کی بدولت وقف کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے۔

پس جس نے 'قُتِلَ' پڑھا تو اس سے نبی کا قتل مراد ہے اور جو اس نبی کے اَصحاب تھے انہوں نے نبی کے قتل کے باوجود کمزوری نہیں دکھائی۔ چنانچہ اس صورت میں ﴿ وَكَاَیِّنۡ مِّنۡ نَّبِیٍّ قُتِلَ ﴾ پہ وقف ہوگا اور ﴿ مَعَهٗ رِبِّیُّوۡنَ كَثِیۡرٌ... ﴾ سے اگلی بات کا آغاز ہوگا چاہے اس میں قتل کا مفعول صرف نبی ہو یا پھر نبی اور رِبِّیُّوْنَ دونوں۔ اور جب 'قَاتَلَ' پڑھیں گے تو وقف جائز نہیں ہوگا۔ اور اس صورت میں معنی ہوگا کہ

"کم من نبي قاتل معه ربیون وقتل بعضهم فما وهن الباقون لقتل من قتل منهم."

''کتنے ہی اَنبیاء تھے کہ جن کے اصحاب میں سے بعض قتل ہوگئے لیکن پھر بھی باقی بچ جانے والوں نے کمزوری نہ دکھائی''

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتویں مثال

﴿ وَ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ [المائدة:۴۶]

اس آیت میں 'للمتقین' پر وقف وعدمِ وقف کے بارے میں اختلاف ہے۔

جس نے 'وَلْيَحْكُمْ' کو 'وَلِيَحْكُمَ' لام مکسور اور میم مفتوحہ کے ساتھ پڑھا وہ اس کو 'وءاتینٰه الانجیل' سے متعلق مانتے ہوئے وقف نہیں کریں گے۔ اس صورت میں معنی ہوگا:

''وآتيناه الإنجيل لكي يحكم أهله بما فيه من حكم الله''

◉ اِمام مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''چونکہ نزول انجیل پیدائش عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہے لہٰذا 'ولیحکم' سے ابتدا نہیں کی جائے گی۔ بعض نے تقدیری عبارت یہ مانی ہے:

''وليحكم أهل الأنجيل بما أنزل الله فيه أنزلناه عليهم''

اِمام دانی رحمہ اللہ نے اسی کو صحیح مانا ہے اور ان کے نزدیک 'للمتقین' پہ وقف جائز ہے اور 'ولیحکم' سے ابتدا ہوگی اور جس نے 'ولیحکم' (لام کے سکون اور میم کے جزم کے ساتھ) پڑھا اس کے نزدیک للمتقین پہ وقف ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ ﴾ استیناف کو مستلزم ہے اس لیے 'ولیحکم' سے ابتدا کی جائے گی۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ

''إن الله يأمر أهل الإنجيل بالحكم بما أنزل في الإنجيل كما أمر النبى صلی اللہ علیہ وسلم بالحكم بما أنزل الله عليه''

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ... ﴾ [المائدة:۴۹]

آٹھویں مثال

﴿ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ [الأنعام:۱۰۹]

اس آیت میں 'وما یشعرکم' پہ وقف کے متعلق اختلاف ہے۔ چنانچہ جس نے 'أنها' کو ہمزہ مکسورہ کے ساتھ 'إنها' پڑھا اس کے نزدیک 'وما یشعرکم' پہ وقف ہوگا۔ مجاہد رحمہ اللہ، ابوعمر رحمہ اللہ اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی طرح پڑھا ہے۔ لہٰذا وما یشعرکم پہ وقف کرتے ہوئے 'إنها اذا جاءت......' سے اِبتدا کی جائے گی، کیونکہ یہاں سے اللہ تعالیٰ کی خبر سے جملے کی ابتداء ہورہی ہے کہ جب ان کے پاس آیت آئے تو وہ ایمان نہیں لاتے اور تمہیں ان کے انکار کا شعور نہیں ہے۔

اور اگر 'أنها' ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ پڑھا جائے تو وقف نہیں ہوگا۔ یہ مؤقف نافع، حمزہ اور کسائی کا ہے۔ یعنی 'أنها' پڑھنے والوں کے نزدیک 'وما یشعرکم' پہ وقف نہیں ہوگا۔

ابن اَنباری اور ابن النحاس کے نزدیک جب أنها کے بعد 'نفلها' کو محذوف مانیں گے تو اس سے پہلے وقف جائز

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، کیونکہ اس میں جواب ہے۔

نویں مثال

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴾[الأعراف:۲۶]

اس آیت میں اگر 'ولباس' کو رفع کے ساتھ پڑھا جائے تو 'ذٰلك' اس سے بدل یا عطف بیان ہوگا اور 'خیر' اس کی خبر ہوگی۔ اس صورت میں 'وریشا' پر وقف ہوگا۔ اس قراءت کے قاری ابن کثیر، ابوعمرو، عاصم اور حمزہ ہیں۔

اور اگر نصب کے ساتھ 'ولباس' پڑھا جائے تو 'وریشا' پر وقف نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا مابعد 'لباسا' پر معطوف ہورہا ہے۔ اور تقدیری عبارت یوں ہوگی۔

'أنزلنا لباسا وأنزلنا لباس التقویٰ' لہٰذا اس کلام کا بعض حصہ بعض کے ساتھ متصل ہے تو نافع، ابن عامر اور کسائی کے مطابق اس میں 'وریشا' پر وقف نہیں ہوگا۔

دسویں مثال

﴿ مِّنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ [الإسراء:۹۳]

اس آیت میں 'نقرؤہ' پر وقف تام اور کافی کے متعلق اختلاف ہے۔ نافع، ابوعمرو، عاصم، حمزہ اور کسائی کے نزدیک 'قُل سبحان ربی' یعنی اَمر کے صیغہ کے ساتھ پڑھیں گے تو 'نقرؤہ' پر وقف تام ہوگا، کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو یہ بات کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔

اس صورت میں معنی یہ ہوگا:

”قل لهم يا محمد! ما أنا إلا بشر رسول، أتبع ما يوحىٰ إليّ من ربي، ولا أقدر على شيء مما سألتموني وليس لي أن أتخير على ربي، ولم تكن الرسل قبلي يأتون أممهم بكل ما يريدونه ويبغونه، وسبيلي سبيلهم، ويفعل ما يشاء من هذه الأشباه التي ليست في قدرة البشر.“

اور اگر خبر پر محمول کرتے ہوئے 'قَالَ سبحان ربی' پڑھا جائے، جیسا کہ ابن کثیر اور ابن عامر نے پڑھا ہے اس صورت میں نقرؤہ پہ وقف کافی ہوگا، کیونکہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سے متعلق خبر دی جارہی ہے۔

گیارہویں مثال

﴿ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴾[مریم:۳۴]

اس آیت میں 'قولَ' کو منصوب پڑھا جائے تو 'مریم' پہ وقف کافی ہوگا، کیونکہ قول مصدر ہے جو کہ اپنے سے ماقبل مضمون جملہ کی تاکید کے لیے آیا ہے یہ قراءت عاصم اور ابن عامر کی ہے۔

اسی طرح اگر 'قولُ' رفع کے ساتھ پڑھا جائے تو 'مریم' پر وقف کافی ہوگا۔ کیونکہ قول خبر بن رہا ہے مبتدا محذوف کی 'أي ذلك قول الحق' یعنی یہی بات حق اور سچ ہے یا یہی کلام سچا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کے، جیسا کہ نصاریٰ کا گمان ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اگر 'قولُ' کو 'عیسیٰ' سے بدل بنائیں تو وقف نہیں ہوگا، کیونکہ بدل اور مبدل منہ کے درمیان وقف کے ساتھ فاصلہ نہیں آسکتا۔ یہ قراءۃ نافع، ابن کثیر، ابوعمرو، حمزہ اور کسائی کی ہے۔

بارہویں مثال

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ﴾ [الفرقان:٦٠]

اس آیت میں 'تأمرنا' میں اختلافِ قراءات کی بدولت 'الرحمن' پر وقف کے بارے اختلاف ہے۔

اگر 'ی' کے ساتھ 'یأمرنا' پڑھیں تو 'وما الرحمن' پہ وقف ہوگا اور 'أنسجد' اِبتداء ہوگی۔

أی 'أنسجد لما یأمرنا محمد بالسجود له' چونکہ یہاں استیناف آ گیا کہ وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ کیا ہم محمدﷺ کے کہنے پہ سجدہ کریں۔ لہٰذا یہاں وقف ہوگا۔ یہ قراءۃ حمزہ اور کسائی کی ہے۔

اور اگر 'تأمُرنا' 'تَ' کے ساتھ پڑھیں تو 'وما الرحمن' پر وقف نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا مابعد، ماقبل، 'وإذا قیل لهم......' سے متعلق ہے یہ قراءت نافع، ابن کثیر، ابوعمرو، ابن عامر اور عاصم کی ہے۔

اس کی وضاحت یوں ہوگی کہ 'تأمرنا' میں تاخطاب کی ہے جو کہ ان کافروں کی طرف سے نبیﷺ کے لیے ہے۔

اس لیے کہ انہوں نے ان کی دعوت اور اللہ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اور کہنے لگے کہ اے محمدﷺ! کیا ہم تیرے کہنے پر سجدہ کریں؟ چونکہ اس میں قول اور مقولہ کے درمیان فاصل جائز نہیں اس لیے وقف نہیں ہوگا۔

تیرہویں مثال

﴿ كَذَٰلِكَ يُوحِي إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ [الشوری:٣]

اس آیت میں 'من قبلك' پہ وقف کے متعلق 'یوحِیٓ' کی وجہ سے اختلاف کیا گیا ہے۔

لہٰذا اگر 'یوحَیٰ' حاء کے فتح کے ساتھ ہو تو وقف ہوگا، کیونکہ اس صورت میں یہ فعل مجہول ہوگا۔ یہ قراءت ابن کثیر کی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ

"كذلك یوحی إلیك یا محمد، مثل ما أوحي إلی الأنبیاء قبلك."

اور ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے:

"إن الله أعلم مُحمدًا أن هذه السّورة أوحیت إلی من قبلك."

اور اگر 'یوحِی' حاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو وقف نہیں ہوگا۔ وقف ہوگا تو صرف اور صرف رأس الآیة یعنی 'الحکیم' پر ہوگا۔

اس صورت میں فعل کا فاعل 'اللہ' ہوگا۔ لہٰذا نہ تو فاعل کو چھوڑ کر فعل پر وقف ہوگا اور نہ ہی فاعل پر۔ یہ قراءت ابن کثیر کے علاوہ باقی تمام قراء کی ہے۔

✳———✳———✳

نوٹ

یہ تحریر ڈاکٹر عبدالکریم صالح حفظہ اللہ کی کتاب الوقف والابتداء وصلتهما بالمعنی في القرآن الکریم کی مبحث القرائات وأثرها علی الوقوف القرآنیة کا ترجمہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ